DAMAGE BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222143
UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. [illegible] Accession No. ١٤٥٩٩

Author [illegible]

Title [illegible]

This book should be returned on or before the date last marked below.

بے پرگی

کتب خانہ علم و ادب دہلی

(دائمی حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں)

طبع اول | سنہ ۱۹۴۴ء | قیمت عہ۱۲/

ٹوٹا برتن ٹھیٹرے کے سر!

یہ

دفتر بے معنی

"اردو"

کی نذر ہے

باقی خیریت

والسلام

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ
۱	کچھ اِدھر اُدھر کی	۵
۲	آوارہ	۱۰
۳	دو چار باتیں	۱۶
۴	نقد پر نقد	۲۶
۵	بلک[illegible]ی دوربین	۲۹
۶	[illegible]ربازی	۴۰
۷	مکتب کی گزران	۴۹
۸	ہماری عید	۵۶
۹	ملاحظہ ہو	۶۴
۱۰	آدمی	۷۹
۱۱	گھر پھونک تماشا	۹۵
۱۲	یہ جھوٹ ہے	۱۰۱
۱۳	الکشن سے پہلے	۱۰۸
۱۴	گدھا کانفرنس [illegible]	۱۲۷
۱۵	شاہ	۱۳۰
۱۶	بے پر کی	۱۴۵

کچھ اِدھر اُدھر کی

سیّد صاحب اور ہیں علی گڑھ کالج کے اس زمانہ کی یادگار [illegible] جب علی گڑھ کے طلبا پر پروفیسروں کا دھوکا ہوتا تھا اور پروفیسروں پر طلبا کا۔ سیّد صاحب عین بین ویسے ہی تھے جیسے آج کل ہیں۔ کئی سال ہوئے علی گڑھ میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان کی آن بان، کس بل اور سج دھج میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہی حرکات و سکنات جو پہلے تھے اب بھی تھے۔ یعنی جو منہ میں آیا کہہ بیٹھے اور جو چاہا کر گزرے۔ سیّد صاحب کے سامنے کسی کی ہمت نہ تھی کہ وہ فقرہ بازی یا کسی قسم کی سخن سرائی میں پہل کر سکے۔ ایسے کڑے تیور یا عاشقانہ فدویت سے جواب دیتے کہ حریف کو جائے پناہ نہ ملتی۔ سید صاحب کے سامنے کوئی شخص اپنے آپ کو محفوظ نہیں خیال کرتا تھا تاوقتیکہ سیّد صاحب خود تالیف قلب نہ فرما دیتے لیکن اس کے باوجود اطمینان نہ ہوتا کہ سیّد صاحب نے مکارم اخلاق کو دخل دیا ہے یا ترکش سے ایک اور تیر خالی کیا۔

سید صاحب منٹو سرکل میں رہتے تھے، جہاں نیا نیا بورڈنگ ہاؤس کھلا تھا اور یہی بارک سے دور تھا۔ منٹو سرکل والوں کو یہی بارک یا "کواڈرینگل" سے

لوگ ٹاٹ باہر سمجھتے تھے۔ ملنٹو سرکل کا کوئی طالب علم بڑھ بڑھ کر باتیں کرتا اور حاضرین میں سے کوئی کہہ بیٹھتا "آپ کا دولت خانہ ملنٹو سرکل ہے!" تو یہ پھبتی ایسی ہوتی اور حاضرین ایسا فرمائشی قہقہہ لگاتے کہ بولنے والا ادم بہ خود ہو جاتا اور پھر اس کی ایک پیش نہ آتی یہ سید صاحب ہی کا رعب تھا کہ پی بارک والے بھی ان سے جری ہونے کی ہمت نہ کرتے۔

غالباً ۱۹۲۸ء کا زمانہ تھا، سید صاحب انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں شریک تھے۔ نتیجہ شائع ہوئے دو ہی چار دن ہوئے تھے، سید صاحب کا نتیجہ کچھ ایسا "گفتنی" نہ تھا کہ "درج گزٹ" ہوتا، لیکن تیور ایسے تھے انتہائی خلوص کے ساتھ بھی کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ سید صاحب سے ہم دردی کے کلمات کہہ سکے ہم سب اسٹریچی ہال کے سامنے سید صاحب کو چھیڑ رہے تھے کہ اتنے میں ایک صاحب تشریف لائے، شکل کے اعتبار سے عجیب بھی تھے اور غریب بھی۔ آنکھیں بھینگی تھیں اور منہ کھلا ہوا۔ یہ سید صاحب کے کلاس فیلو تھے۔ بڑے تپاک سے سید صاحب کی طرف بڑھے، سید صاحب ان کو آتے دیکھ کر پہلے تو یک لخت تیور بدل کر "اٹنشن" ہو گئے۔ اس کے فوری بعد ہمہ شوق و شگفتگی بن کر ان کا پرجوش خیر مقدم کیا اور گلے لگا کر بولے "کیوں یار نتیجہ کیسا رہا؟" انھوں نے جواب دیا "آپ کی دعا سے کامیاب ہو گیا" یہ سننا تھا کہ سید صاحب چیک کر اس طرح دوست سے علیحدہ ہو گئے جیسے بجلی کا تار چھو گیا ہو۔ دوست کی حیرت یا خجالت ختم نہیں ہوئی تھی کہ پھر نہایت درجہ گرم جوشی کے ساتھ ان سے ہاتھ ملایا۔ اور جب دیکھا کہ دوست اظہار تبسم اور نیازمندی کے لئے تیار ہو رہے ہیں تو فرمایا "یار تمہارے پاس ہونے سے بھی کیا کوفت ہوئی ہے"!

میں نے ایسے لوگ بہت کم دیکھے ہیں، جن کو کم سے کم وقت میں اپنے آپ

پر متضاد کیفیت و حالت طاری کرنے پر اتنی قدرت ہو جتنی سید صاحب کو ہے وہ اجنبی اور شناسا کی تفریق نہیں کرتے تھے۔ باتوں باتوں میں مخاطب کو یا تو اس زمانہ کے علی گڑھ کے معنوں میں "ڈانٹ" دیتے تھے۔ یا اس پر عاشق ہو جاتے۔ کبھی ڈانٹ پہلے دیتے تھے اور اظہار تعشق بعد میں فرماتے تھے اور کبھی اظہار تعشق پہلے کرتے اور ڈانٹتے بعد میں اور لطف یہ کہ ڈانٹ کو واقعتاً ڈانٹنے سے کوئی تعلق نہ ہوتا اور نہ عشق کو عشق سے سروکار۔

مجھے افسوس ہے کہ سید صاحب آفس کی دلدل میں پھنس گئے جس کا اثر میں ان کی انشا پردازی میں بھی دیکھ رہا ہوں، وہ سب سے زیادہ موزوں اسٹیج کے لئے تھے جس میں سوا عزت سادات کے جانے کے اور کوئی خطرہ نہ تھا یا پھر قلم سنبھالتے اور اپنی ہلکی پھلکی ظرافت اور طنز سے ہم کو زندگی کے بہت سے مکروہات سے نجات دلا سکتے یا کم سے کم خوش باش دمے کہ زندگانی این است، کے رمز سے آشنا کرا دیتے۔ مجھے خوب یاد ہے میری ہی فرمائش اور اصرار سے سید صاحب نے سب سے پہلے "علی گڑھ منتھلی" یا "میگزین کے لئے" "بے پرکی" لکھی تھی۔ اس طرح کی چیز لکھنے والے پہلے بھی گزرے ہیں اور اب بھی نظر آتے ہیں، لیکن زبان کا لطف، زبان پر قدرت اور چپتے کی بات کہہ جانے کا جو ملکہ سید صاحب کو ہے وہ دوسرے کو نہیں۔

اس طرح کی چیز سرشار نے بھی لکھی ہے اور اردو ادب میں سرشار کا ایک درجہ بھی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سرشار نے اس انداز میں لکھنے کی پہل کی، لیکن سرشار کے پاس الفاظ کی رعایت اور "ملانے" کی بہتات اصلی چیز پر غالب آگئی ہے، وہ جملہ یا لطیفے پر .... اتنا زور دیتے ہیں اور اتنی دیر تک زور دیتے ہیں کہ پڑھنے والا اکتا جاتا ہے، وہ بہت زیادہ بولتے ہیں اور

زور سے بولتے ہیں۔ وہ آواز اور ہڑبونگ سے اپنی بعض کوتاہیوں کو چھپانا چاہتے ہیں۔ سید صاحب کا انداز جدا ہے، وہ ایک ہی بات کو رٹتے نہیں جاتے اور نہ لفاظی کی آڑ پکڑتے ہیں۔ اس مجموعہ میں ان کا سب سے اچھا مضمون "بلے پرکی" ہے۔ اس کا بیشتر حصہ ان کی طالب علمی کے زمانہ میں تصنیف ہوا۔ اس میں آپ کسی قسم کے حشو و زوائد نہ پائیے گا۔ ہر چیز نپی تلی، ہلکی اور سادہ ہے، زبان لکھنؤ کے عوام کی زبان ہے، جس میں شروع سے آخر تک آمد ہی آمد ہے۔ اس زبان کو شروع سے آخر تک بڑے بڑے غواص بھی ...... نباہ نہیں سکے۔ اس زبان پر جو قدرت سید صاحب کو ہے وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ وہ اس زمانہ کے لکھنؤ کے عوام کی اسپرٹ سے آشنا ہیں اور اس اسپرٹ کو عوام کی زبان سے مصور کرنے میں اوستادی کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہی حال آغا حیدر حسین کا ہے۔ جو کم و بیش سید صاحب ہی کے زمانہ میں علی گڑھ میں تھے اور جنھوں نے سید صاحب ہی کی طرح علی گڑھ منتھلی میں لکھنے کی ابتدا کی، اور مجھے یہ کہنے میں اب بھی مسرت و افتخار سا محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے میرے ہی اصرار پر مضامین لکھنے شروع کیے، ان کا مجموعہ "پس پردہ" کے نام سے عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے۔ آغا حیدر حسن صاحب کی دہلی کی بیگماتی زبان لکھنے اور اس حلقہ کی فضا کو اپنی تحریر سے محسوس و مرئی کرنے پر جو قدرت حاصل ہے وہی قدرت سید صاحب کو لکھنؤ کے عوام کی زبان لکھنے پر ہے، ان دونوں کو میں علی گڑھ کا کارنامہ سمجھتا ہوں۔ یہ عجیب اتفاق ہے اور خوشی کی بات ہے کہ دونوں حیدرآبادی ہیں۔ حیدرآباد جس کا علی گڑھ کے بنانے بڑھانے میں بڑا حصہ ہے اس کو حق بھی پہنچتا ہے کہ وہ علی گڑھ کے ناموروں سے خدمت لے اور ان کو اپنا لے۔

سید صاحب کی ظرافت جیسا کہ میں بیان کر آیا ہوں ہلکی، سادہ اور تفریحی

ہے، وہ کسی قسم کے اینچ پینچ کو دخل نہیں دیتے اس لیے کہ اینچ پینچ کی باتیں بیان
کرنا ان کا مقصد نہیں ہے، اس اعتبار سے "بے پر کی" ان کے رنگ کا سب سے
اچھا ترجمان ہے، اور اسی رنگ میں سید صاحب سب سے زیادہ کامیاب
ہیں۔ جس طرح بعضوں میں یہ کمزوری راہ پا جاتی ہے کہ وہ اپنے اصل اور مخصوص
رنگ کو چھوڑ کر دوسرے رنگ میں بھی طبع آزمائی شروع کر دیتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے
ہیں کہ وہ کامیاب رہے گا اسی طرح بعض مضامین میں سید صاحب نے اپنے
اصلی رنگ سے انحراف کیا ہے اور نتیجہ خاطر خواہ نہیں رہا ہے۔ اسٹائل ہر شخص
کی ذات اور شخصیت ہوتی ہے شخص کا شخصیت سے انحراف کرنا اپنے آپ کو
مسخ کرنا ہے۔ گپو آکو گپو ہی رہنا چاہیے، عبدالغفور خاں بننے سے کیا حاصل۔

سید صاحب کو میں یہ مشورہ دوں گا گو میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے مشورے
سے پہلے اس رمز سے آشنا ہیں کہ سب سے اچھی ظرافت وہ ہے جو چھوٹے
سے چھوٹے جملے میں جلد سے جلد مکمل ہو جائے۔ الفاظ اور عبارت کے پیچ و خم اور
استعارات و کنایات کے پھول پھلوں میں ظرافت ظرافت نہیں کچھ اور بن جاتی ہے
ظرافت میں کسی طرح کی "اداکاری" کو دخل نہ ہونا چاہیے۔ ورنہ "جھانپلزم" عائد
ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

"جھانپلزم ایجنٹ" سے علی گڑھ کے پرانے گنہ گار واقف ہیں، مجھے امید ہے
سید صاحب خود اس ایکٹ کی وضاحت چند کلمات میں کہیں کر دیں گے۔
اس سے بہتوں کا بھلا ہو گا۔"

مجھے بڑی خوشی ہے کہ سید صاحب نے مجھے یاد کیا، مجھے یقین ہے کہ ان اوراق
کے شائع ہونے پر بے شمار لوگ سید صاحب کو یاد کریں گے!

رشید احمد صدیقی، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ ۲ جنوری ۱۹۵۱ء

"آوارہ"

دلّی اجڑی تو لکھنؤ بسا، لکھنؤ اجڑا تو حیدرآباد بسا، خدا اس کو آباد رکھے کہ علم و ہنر کے رسیا کو آج یہاں جینے کا سہارا ہے ۔ ۔ ۔ ؟

یہیں آوارہ صاحب بھی نظر پڑے میانہ قد، پچاس عمر، کسرتی جسم، اس پہ حیدرآبادی شیروانی، ویسا ہی پیجامہ کبھی اجلا کبھی میلا۔ سر پر کشتی نما ٹوپی، ہاتھ میں بنوٹ کی چمکتی لکڑی پان کھائے، ڈاڑھی منڈوائے، عینک لگائے، سر جھکائے، کچھ سوچتے چلے آتے ہیں۔ آپ ملے۔ علیک سلیک کی، انھوں نے کبھی تو اس طرح بات کی جیسے پتھر کھینچ مارا اور آگے ہو لیے۔ کبھی اس طرح ہنسے بولے جیسے لکھنؤ ہنسا بولا۔

لکھنے لکھانے میں بھی میں نے ان کے کچھ یہی ڈھنگ پائے، کبھی ہنسی دلگی کی باتیں بناتے ہیں، کبھی ہنستے ہنساتے تیوری بھر لاتے ہیں۔ "ملک الموت کی دوربین" کے عنوان سے ان کا ایک مضمون ہے۔ اس میں لکھتے ہیں: "ایک رات کو سو یا تھا ——— کہ کسی نے دستک دی ——— بتی چاق کر کے دروازے کا ایک پٹ کھولا ——— دیکھا کہ کوئی کھڑا ہے؛

"........ خاصا چھ فیٹ کا آدمی، گولے دار پگڑی بڑے

گھیر کا جامہ، جس کے گریبان پر سوپ سے بڑی سفید براق داڑھی، ہلکی ہوا میں ایسے لہرا رہی تھی جیسے صلح کے جھنڈے کا پھریرا

اور یہ سب کچھ مٹی، پانی، ہڈی، گوشت کا نہیں۔ بلکہ انسانی پیکر میں آدمی کے سانچے میں ڈھلا ہوا دھواں، یا دھنکی ہوئی روئی یا پھر بادل یا غول بیابانی، ورنہ —— بی ہوئی نظر"

"کون ہو" ؟

"تمہاری سطحی دنیا اپنی گرمی ہوئی عفونتوں سے مجھے زیادہ تر یاد کرتی ہے۔ مثلاً دق، سل، ٹائیفائڈ، پلیگ، ہیضہ، کالا بخار وغیرہ۔ اسی طرح کی اور ہزاروں، کہاں تک گناؤں"

"آدھی رات کو میٹھی نیند کی گود سے اٹھا کے مجھے امراض کی یہ طویل فہرست سنانے آئے ہو، آدمی ہو یا قرابادین؟"

میں تمہارا نام پوچھتا ہوں —— نام ؟"

"ملک الموت" !

"تو آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں ؟"

"تمہارا قبض روح !"

"کیا مجھ سے سینئر سب مر گئے۔ میں جوان ہوں، تنومند ہوں، یہ جوانا مرگی نہایت بے تکی ہوگی اور آپ کی بدنامی کا باعث !"

چند لمحے باقی ہیں جتنی چاہو بکواس کر لو"

"مگر مرد خدا۔ یہ بھی تو دیکھو کہ کل دفتر کا دن ہے، صاحب کی میز پر مسلوں کے انبار لگے ہیں سب مجھے ان کا تصفیہ کرانا ہے۔ حقوق کا معاملہ ہے اکیلا میں ان کے سر پر بیٹھا ہوں، آپ کے ہاں رشوت

میرے نزدیک حساب دوستاں یا حق المحنت - ان کی تاریخ ولادت کو دو چار سال گھٹا کر صاحب سے توثیق کراتا ہے - ایک دوست ہیں غریب سے سہواً تین سو روپے کا غبن ہو گیا ہے. وہ معاف کراتا ہے - اس کا مزد صرف پچاس روپے ملتا ہے. صاحب نہایت شریف حاکم ہیں، منصف مزاج اور رحم دل ——— "!

غرض ہنسی ہنسی میں آوارہ صاحب نصیب دشمناں مر گئے. مگر مرتے ہی ستم ظریف نے ایسی آنکھیں پھیریں کہ واہ وا! سنئے کس زہر خند سے کہا ہے :-

" . . . . پلنگ پر دوشالہ پڑی میت رکھی تھی ——— دو چار صبح خیز پڑوسی دروازے پر کھڑے تھے - دیوان خانے بر صف ماتم بچھائے سر جھکائے منہ سکھائے صاحب زادے آیند روندے پرسالے رہے تھے - اتنے میں پڑوسی سعادت خاں آئے - عینک کے گول شیشے گرم آنسوؤں کی بھاپ سے ماند پڑ گئے تھے، لڑکے کے سر پہ ہات رکھا اور کہنے لگے :-

" خاں صاحب ——— ہونے والی بات تھی ہو چکی - بابا دیر نہ کرو - دفتر کا وقت ہے - لوگ شریک نہ ہو سکیں گے "

" صاحب زادے ——— ہاں خاں صاحب تیار ہوں دس بجے تک فراغت ہو جائے گی "

" مولوی فیروز علی ——— کیا کفن دفن آ گیا ؟ "

" صاحب زادے ——— مولوی صاحب ——— سنئے - مرگ ناگہاں مساوی ہے شہادت کے - شہید کفن سے مستثنیٰ - لہذا تکفین نہ صرف فعل عبث اور اسراف - بلکہ غیر منطقی " !

" مولوی صاحب ——— ہاں بھیا۔ کوئی امر خلاف سنت نہ ہونا چاہیئے" صاحب زادے ——— "اے قبلہ! فرض اور سنت کا شمار اب تقویم پارینہ میں ہوتا ہے۔ زمانہ اپنا پرانا چولا بدل چکا۔ آپ۔ خطا معاف، اولڈ فیشن کے باقیات الصالحات ہیں۔ ان ہنوزی مسائل کو نہ سمجھیں گے۔ میں نے حکومت کو اس واقعہ فاجعہ کا تار دے دیا ہے۔ جواب کا انتظار ہے۔ آتے ہی ....."

" خانصاحب ——— میاں میں سمجھا نہیں ——— حکومت کو کسی کے مرنے جینے سے واسطہ ؟ "

" مولوی صاحب ——— تار لاٹ صاحب کو دیا ہوگا ؟ "

" صاحب زادے ——— جی ہاں پھر حکومت لاٹ صاحب کا نام نہیں تو کس کا ہے، بات یہ ہے کہ مرحوم اوائل عمر ہی سے ایک خود ساختہ بلکہ بے ساختہ لیڈر تھے۔ اور ان کی ارواح سے معافی چاہ کر آج یہ راز فاش کرتا ہوں کہ حکومت کے ایماء سے ہز مجسٹی کی آنے والی سال گرہ کے موقع پر بین الاقوامی لیڈر تسلیم کئے جانے والے تھے۔"

" ان کی رحلت سرکاری نقصان ہے، اسی کا مجھے خیال ہے، اب آپ تشریف رکھیں میں دو لقمے ناشتہ کر لوں۔ شب کو سینما میں دیر ہو گئی تھی۔ یوں ہی آ کے پڑ گیا "

آوارہ صاحب کے یہ گنگا جمنی طور بیس برس سے اس لئے بھی ہیں کہ معاشرے میں کچھ نارسائیاں ایسی ہوتی ہیں جن کو دور کرنے کے لئے ہمیں گدگدیوں کے بہانے چٹکیاں لینی پڑتی ہیں۔ ویسے بھی تو ہنسی کے ڈانڈے غصہ سے ملے

ہوئے ہیں، اور یہ قول حضرت عظمت اللہ خاں مرحوم "ہم اس لئے ہنستے ہیں کہ ہمیں غصہ آتا ہے" مگر آوارہ صاحب کچھ بھی لکھیں، کہیں بھی رہ کے لکھیں، آپ دیکھیں گے کہ کسی حال لکھنؤ سے دور نہیں ہوتے۔ یوں انھیں اودھ دیس کے ان جوہریوں میں سے سمجھئے جنھوں نے اردو کو ہیرے کی طرح پہل دار بنا کے اجالا ہے بلکہ زبان آوری کے معاملہ میں تو کبھی کبھی مجھے یہ ایسے ہٹیلے زرگر دکھائی دئے جو سونے کو آنچ دے دے کے اس طرح کندن بنائے کہ بھک سے ایک نیلا شعلہ بلند ہو اور نتیجہ میں کھوٹ رہے نہ کندن!

میں چاہتا ہوں اپنی صلاحیتوں کے ساتھ یہ شخص اردو کا مولیئر بن جائے اس میں ایک خاص مشاہدہ ہے، نیرنگ حیات کا تجربہ ہے، قوت آخذہ ہے، قدرت بیان ہے۔ چٹکیاں ہیں، گدگدیاں ہیں، مختصر یہ کہ بڑی آوارگی ہے دل پرے تو باتوں باتوں میں سوسائٹی کی وہ پول کھولے کہ جھوا دے، مگر آوارگی کا ایک حسن یہ بھی تو ہے کہ انسان بھاگا بھاگا پھرے، ہرجائی سا بنا رہے، وضع کے خلاف تھا کہ یہ بات یہاں نہ ہوتی۔ اس پر بھی مایوس نہیں ہوں، اپنے ڈھب پر لانے کی تاک میں ہوں۔ گرفت میں آگیا تو خدا کی قسم نہیں چھوڑوں گا"

آرٹ کی تعریف میں شاید ہیگل نے کہیں کہا ہے کہ وہ "ایک ایسا مجسمہ ہے جس کے پیر تو زمین پر ٹکے ہوں اور منہ عرش کے روبرو عرفان سے دمکتا ہو!" ادب بھی آرٹ ہے۔ ان معنوں مزاح کی سمت بھی نظر بلند رہنی چاہیئے۔ آپ ایسے ہنسیں جیسے "تارے مسکائیں"۔

کچھ دن ہوئے آوارہ صاحب نے بھی اپنی آوارگی کا ایسا ہی ایک ٹکڑا سنایا تھا جس میں ہنستے ہنستے زمین آسمان ایک کر دئے ہیں۔ اور جسے شاید آپ ان کے دوسرے حصہ میں دیکھیں۔ قصہ یہ تھا کہ ایک شخص ـــــ رمضانی کو اللہ میاں

بلواتے ہیں۔ فرشتے آتے ہیں اور غلطی سے پورب کے ایک اور بڑے میاں کو جو اس شخص کے ہم نام ہیں لے جاتے ہیں۔ رمضانی پرانی وضع کے آدمی' خرچی لیتے ہیں ستو لیتے ہیں' گڑ لیتے ہیں' لٹھ لیتے ہیں' تمباکو لیتے ہیں' ناریل لیتے ہیں اور خیر سے آسمانی سفر کو نکلتے ہیں' اور آسمان آسمان سیر کرتے چلے جاتے ہیں۔

ٹیپ کا بند قصہ کا وہ محل ہے جو حسن آوارگی کی جان ہے اور جہاں رمضانی یہ دیکھتے ہیں کہ ایک تخت بچھا ہے' جو ایسا دمکتا ہے جیسے سونے کا بنا ہو۔ اس میں ہیرے موتی جگہ جگہ جڑ رہے ہیں۔ یہاں مخملی غالیچے پر "خدائے میاں" بیٹھے ہیں جن کی لانبی داڑھی ہے۔ صورت آئینہ کہ مارے جوت کے آنکھ نہیں ٹھہرتی۔ ایک طرف روپوں کے ڈھیر ہیں۔ دوسری طرف اناج کے کوٹھے بھرے ہیں' وہیں کہیں ایک پیڑھی پر "بی خدائن" بھی بیٹھی ہیں ——— چندری کی اوڑھنی مشروع کا لہنگا' ہات میں کڑنے' پاؤں میں چھڑے' ماتھے پہ بندی' مانگ میں سیندور' بھوبن بھوبن چرخہ کات رہی ہیں' میاں رمضانی کو دیکھا تو جھٹ گھونگھٹ نکال لیا اور جھٹ سے پیٹھ موڑ لی" !!

۹ اسفندار ۱۳۵۴ ف سید وزیر حسن دہلوی

دو چار باتیں

حضرت آوارہ کا ادبی ماحول لکھنؤ کا ہے۔ ان کے مضامین پر دلی والوں نے لکھا، علی گڑھ والوں نے لکھا، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مجھ سے کیوں لکھوایا جا رہا ہے؟ ویسے بھی مصنف اپنی تحریروں میں اتنے صاف نظر آتے ہیں کہ ان سے زیادہ ان پر لکھنا فضول ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ان کا لکھا ہوا کیا اثر رکھتا ہے اس پر لکھنا ہر پڑھنے والے کا حق ہے اس لئے دو چار باتیں عرض ہیں:-

میں بسا اوقات یہ سوچا رہتا ہوں کہ ادب کی دنیا میں انسان کا وہ دکھ درد کون سا ہے جسے وہ زبان کے چٹخارے لے کر کسی تشبیہ اور تمثیل کی آڑ میں بہلانے کی کوشش کرتا ہے۔ سترھویں صدی عیسوی کے پہلے اہم مفکر ٹامس ہابس (Thomas Hobbs) سے لے کر بیسویں صدی کے ہنری برگسان (Henry Bargsan) اور ولیم میکڈوگل (a. W. mac Dougall) خندہ کی نفسیات پر ہر بڑے مفکر نے غور کیا ہے اور یہ سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ —— زخم جگر کے ٹانکے ٹوٹے ہنسی ہنسی میں —— تو کیونکر؟ اور کس طرح؟ مگر جتنا سوچتے رہیے اتنا ہی یہ ساگر اتھاہ ہوتا جاتا ہے۔

فرائیڈ نے اپنے انوکھے تجربات قلم بند کرتے ہوئے ایک بات خوب لکھی ہے

وہ کہتا ہے :-

"sense in nonsense transfarms nonsense inta wit ..... the pleasure in nansense, is in the seriausness of our life craunded back almast to the vanishing paint"

بے معنی میں معنی پیدا کئے جائیں تو بے معنی، ذہانت اور ظرافت میں
مبدل ہو جاتا ہے، بے معنی میں جو لذت ہے وہ ہماری زندگی کی اسی
سنجیدگی کی وجہ سے ہے جو ٹھوس اور شدید ہوتے ہوئے نقطۂ
غیاب تک پہنچ گئی ہے) دوسری بات یہ ہے :-

"the thaught which sints into the uncanscius for the purpose of wit-formatian anly revisits there the old homestead of the farmer playing with words the thaughtis put dack for the mament into the infantie state in arder to regain in this way childish pleasure sources"

(جو خیال تحت الشعور میں اس لئے ڈوب جاتا ہے کہ ظرافت بن جائے
وہ الفاظ کا کھیل بن کر پھر اس کے ایوانوں میں واپس آتا ہے۔ خیال
تھوڑی دیر کے لئے ایک طفلانہ حالت میں اس لئے لایا جاتا ہے
کہ وہ طفولیت کی مسرت کے سرچشموں کو پھر سے حاصل کر لے)

حضرت آوارہ کی ہستی میں اسی انداز سے بے معنی کی معنویت اور خوابہائے

گم گشتہ کی خلا نہ یادداشت کی جھلک نظر آتی ہے۔

ہنری برگساں کا خیال ہے کہ جب انسان کے رجحانات، اشارے اور حرکتیں مشین کی طرح ہو جاتی ہیں تو ان پر ہنسی آتی ہے۔ ایک جگہ وہ کہتا ہے :-

"any incident is comic that calls our attention to the psychical in a person when it is the moral side that is concerned"

(کوئی واقعہ اس وقت خندہ آور ہوتا ہے جب وہ کسی انسان کے اخلاقی پہلو سے متعلق ہو، لیکن ہماری توجہ کو اس کی لاشعوری اور نفسی کیفیت کی طرف منعطف کرے)

پھر وہ تکرار و تخالف پر بحث کرتا ہے یعنی جہاں باتیں اپنے فطری اصول سے ہٹ کر الٹ جاتی ہیں اور اس کا اعادہ ہونے لگتا ہے اس وقت خندہ پیدا ہوتا ہے مثلاً ایک قیدی جج کے سامنے لیکچر دے یا بچہ ماں کو نصیحت کرنے لگے۔

حضرت آوارہ کی ظرافت میں انسانی مشین کا ذکر بھی ہے، لاشعوری کیفیت بھی ہے اور تکرار و تخالف بھی۔

ولیم میڈوگل نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خندہ primitive passive sympathy یعنی ایسی ابتدائی ہمدردی پر مبنی ہے جو براہ راست نہ ہو، وہ صاف کہتا ہے -

"We laugh that we may not weep"

یعنی ہم اس لئے ہنستے ہیں کہ ہم رو نہ سکیں" ــــ میکڈوگل کا یہ نظریہ آوارہ صاحب کے ظریفانہ مضامین کی روح رواں معلوم ہوتا ہے، اصول کی جستجو کے ماسوا جب میں

من حیثیت اکل ان کے مضامین کو دیکھتا ہوں اور ان کی آوارگی کو ان کے دل کی چند آہوں میں ڈھونڈتا ہوں جو کتابی صورت میں آپ کے سامنے موجود ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چند ناکامیاں ہیں جو انھیں ہر آن گھیرے رہتی ہیں اور ادب کی دنیا میں وہ ان سے تین طریقوں پر نمٹنے اور کھیلنے کی کوشش کرتے ہیں (۱) ہنستے ہیں اور ہنساتے ہیں (۲) منہ بناتے اور بہروپ بیتے ہیں (۳) ہنستے ہنستے بڑی زور سے چٹکی لیتے ہیں۔

نفسیات کا مسئلہ ہے کہ ادبی تخیل اور اختراعی خیالات کا سرچشمہ انسان کی ناکامی اور کوئی نہ کوئی آرزو ہے نا تمام ہوتی ہے۔ میں مصنف میں ایک قوت یہ دیکھتا ہوں کہ وہ کبھی بے ساختہ اور کبھی جان بوجھ کر بات میں سے بات پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔ پہلے ہی صفحے پر دیکھئے لکھتے ہیں۔

"رواج کہیے، یا قدرت کی وضعداری کہ برسات آئے تو ہیضہ پھوٹے، جاڑوں میں پلیگ سے پالا پڑے اور گرمی کے ساتھ ساتھ چیچک سے دو دو منہ ہوں۔

تقسیم عمل کے بہ کاروباری اصول برتتے ہوئے اپنی اپنی فصل پر یہ بیماریاں آتی ہیں اور انسانی آبادی سے حیثیت کے لائق اپنے حسن خدمت کا صلہ اصل مع سود لے کر یتیم بچے، کچھ بیوائیں اور ان دونوں کے حاصل جمع کے مساوی مٹی کے چند تودے یادگار چھوڑ جاتی ہیں۔" (راکھش سے پہلے)

مصنف کی ہر جگہ یہی ادائیں ہیں اور اس لئے ہیں کہ ان کے پیچھے ایک آرزو نا تمام ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مزاح کے لئے یہ زبان سے بہت کھیلتے ہیں میں کہتا ہوں حشو و زوائد کو چھوڑیئے اور اس مقام کو دیکھئے جہاں ان کا دکھ درد دل

سے نکلے ہوئے الفاظ کی جلا پاتا ہے ـــــ جھوٹ کے متعلق کہتے ہیں ـــــ

"........ عبرت کا مقام ہے کہ طوطن خامن کے مقبرے ادھڑے۔ گڑے مردے اکھڑے بال کی کھال نکلی، بلکہ کھال کے بال تک کھچ گئے اور ہم سوتے بھاگوں اس کل جگ میں بھی کہ زمانہ ساز گار اور گردو پیش ہموار ہے، اسی نقطے پر گھوم رہے ہیں جہاں سے چلے تھے اور جھوٹ سے عالم پسند انسٹی ٹیوشن کے بارے میں محض اتنی ہی منطقی دریافت کر سکے ہیں جتنی یادش بخیر حاجی بغلول نے اونٹ کی پیٹھ کے متعلق کی تھی یعنی "کچھ پیٹھ جو اونچی اونٹ کی، اونٹ کی اونچائی سے نہیں، ہے پیٹھ اونچی اونٹ کی" اس افلاس اور نکمے پن کی دولت جو نہ ہونا تھا ہوا یعنی جھوٹ کے پرانے حریف "سچ" نے موقعے سے فائدہ اٹھا کر ڈنکے کی چوٹ اولیت کا تاج اپنے سر پر اوندھا لیا، پھر جیسا کہ اس کی جنم گھٹی میں پڑا ہے کہ میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو" جھوٹ کو بھی شیطان کے سر تھوپ کر جلے دل کے پھپھولے پھوڑے اور ڈھول بجا بجا کے یہ پروپگنڈا شروع کیا کہ "میاں جھوٹ نفقتے میں کیا دم درود تھا یہ تو یاروں کی ضد پر بڑا بنایا گیا ہے اور بہروپیا ہے"

(یہ جھوٹ ہے)

دیکھا آپ نے؟ خیر و شر، کذب و حق کی آویزش کو کس دل جلے پن سے ادا کیا ہے؟ گوئٹے نے شیطان کی زبان سے کہلوایا تھا ـــ "نور ظلمت سے پیدا ہوا میرا وجود عدم محض ہے" سچ کے متعلق شاید سچ کہا گیا ہے ـــ

(Truth is a conspiracy of experts) (سچ ماہرین کی

ایک سازش ہے!"

آوارہ صاحب کا دکھ درد گھرا ہے، لیکن ان کی خوشی سطحی، ان کا خندہ ان کے دل کا چور ہے۔ اسی لیے میں انھیں ناکام کہنے پر مجبور ہوں، لیکن آوارہ صاحب خفا نہ ہوں، ان کی یہ ناکامی ہے کام کی چیز! میں دیکھتا رہتا ہوں کہ یہ بسا اوقات آنکھیں بند کئے ہوئے چپ چاپ بیٹھے رہتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی سادھو دھونی رمائے بیٹھا ہے اور کبھی کبھی ایک آنکھ کھول کر دنیا کو دیکھ لیتا ہے۔ گاہ گاہ یہ بھی دیکھتا ہوں کہ وہ ضرورت سے زیادہ چوکنے ہو کر چہکنے لگتے ہیں۔ یہ افراتفری کیا ہے؟ یہ ایک بے ساختگی ہے جو کسی گھٹے ہوئے جذبے کو آزاد کرنے کے لئے فطرتاً پیدا ہو جاتی ہے۔ آوارہ صاحب کے ایک علمی دوست کی حیثیت سے مجھے افسوس ہوتا ہے کہ یہ لکھنے کو تو بہت کچھ لکھ گئے ہیں، مگر وہ نہ لکھ سکے جو لکھنا چاہئے تھے، کبھی موسیقی کی چھیڑ کی۔ کبھی شعر و سخن کی بحثوں میں دخل در معقولات کئے، کبھی تمثیل نگار کی طرح قصہ کا ہلکا سا رنگ دے کر دلچسپ مکالمے قلم بند کئے، کبھی اپنی پچھلی زندگی کو دنیائے تخیل میں یاد کیا اور بے پر کی اڑائی۔ مگر ہر جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آسمان سے ایک تارہ ٹوٹا اور بجھ گیا،

اس ادبی کھیل کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ میرے نزدیک ایک تو یہ ہے کہ زندگی اور ستم ظریف زندگی نے انھیں آوارہ بنایا، دوسرے یہ کہ ان کی طبعی اپج بہ ہر حال اظہار اور نمود کا مناسب راستہ ڈھونڈتی رہی۔

شخصی طور پر مصنف کی دو ایک باتیں عجیب معلوم ہوتی ہیں، جو ان کی تحریروں میں بھی عجیب کا رنگ رکھتی ہیں ایک تو یہ کہ دنیا کی بڑی سی بڑی باتیں ان کی ذات اور صفات میں اس طرح بیٹھ جاتی ہیں جس طرح کنوئیں کی تہ میں کنکر وہ تلخیاں پی کر اس طرح گول ہو جاتے ہیں جیسے گونگے کا گڑ کھا لیا ہو، اور ان کا چہرہ بہ قول

سے نکلے ہوئے الفاظ کی جلا پاتا ہے ــــ جھوٹ کے متعلق کہتے ہیں ــ

"........ عبرت کا مقام ہے کہ طوطن خامن کے مقبرے ادھڑے۔ گڑے مردے اکھڑے بال کی کھال نکلی، بلکہ کھال کے بال تک کھنچ گئے اور ہم سونے بھاگوں اس کل جگ میں بھی کہ زمانہ ساز گار اور گردو پیش ہموار ہے، اسی نقطے پر گھوم رہے ہیں، جہاں سے چلے تھے اور جھوٹ سے عالم پسند انسٹی ٹیوشن کے بارے میں محض اتنی ہی منطقی دریافت کر سکے ہیں جتنی یادش بخیر حاجی بغلول نے اونٹ کی پیٹھ کے متعلق کی تھی یعنی "کچھ پیٹھ جو اونچی اونٹ کی، اونٹ کی اونچائی سے نہیں، ہی پیٹھ اونچی اونٹ کی" اس افلاس اور نکمے پن کی دولت جو نہ ہونا تھا ہوا یعنی جھوٹ کے پرانے حریف "سچ" نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ڈنکے کی چوٹ اولیت کا تاج اپنے سر پر اوندھا لیا، پھر جیسا کہ اس کی جنم گھٹی میں پڑا ہے کہ میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو" جھوٹ کو بھی شیطان کے سر تھوپ کر جلے دل کے پھپولے پھوڑے اور ڈھول بجا بجا کے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ "میاں جھوٹ نفقتے میں کیا دم درود تھا یہ تو یاروں کی ضد پر بڑھایا گیا ہے اور بہروپیا ہے"

(یہ جھوٹ ہے)

دیکھا آپ نے؟ خیر و شر، کذب و حق کی آویزش کو کس دل جلے پن سے ادا کیا ہے؟ گوئٹے نے شیطان کی زبان سے کہلوایا تھا ـــ "نور ظلمت سے پیدا ہوا میرا وجود عدم محض ہے" سچ کے متعلق شاید سچ کہا گیا ہے ــ

(Truth is a conspiracy of experts) (سچ ماہرین کی

ایک سازش ہے !"

آوارہ صاحب کا دکھ درد گھرا ہے، لیکن ان کی خوشی سطحی، ان کا خندہ ان کے دل کا چور ہے۔ اسی لئے میں انھیں ناکام کہنے پر مجبور ہوں، لیکن آوارہ صاحب خفا نہ ہوں، ان کی یہ ناکامی ہے کام کی چیز! میں دیکھتا رہتا ہوں کہ یہ بسا اوقات آنکھیں بند کئے ہوئے چپ چاپ بیٹھے رہتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی سادھو دھونی رمائے بیٹھا ہے۔ اور کبھی کبھی ایک آنکھ کھول کر دنیا کو دیکھ لیتا ہے۔ گاہ گاہ یہ بھی دیکھتا ہوں کہ وہ ضرورت سے زیادہ چوکنے ہو کر چہکنے لگتے ہیں۔ یہ افراتفری کیا ہے؟ یہ ایک بے ساختگی ہے جو کسی گھٹے ہوئے جذبے کو آزاد کرنے کے لئے فطرتاً پیدا ہو جاتی ہے۔ آوارہ صاحب کے ایک علمی دوست کی حیثیت سے مجھے افسوس ہوتا ہے کہ یہ لکھنے کو تو بہت کچھ لکھ گئے ہیں، مگر وہ نہ لکھ سکے جو لکھنا چاہیے تھے، کبھی موسیقی کی چھیڑ کی۔ کبھی شعر و سخن کی بحثوں میں دخل در معقولات کئے، کبھی تمثیل نگار کی طرح قصہ کا ہلکا سا رنگ دے کر دلچسپ مکالمے قلم بند کئے، کبھی اپنی پچھلی زندگی کو دنیائے تخیل میں یاد کیا اور بے پر کی اڑائی۔ مگر ہر جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آسمان سے ایک تارہ ٹوٹا اور بجھ گیا،

اس ادبی کھیل کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ میرے نزدیک ایک تو یہ ہے کہ زندگی اور ستم ظریف زندگی نے انھیں آوارہ بنایا، دوسرے یہ کہ ان کی طبعی اپج بہ ہر حال اظہار اور نمود کا مناسب راستہ ڈھونڈتی رہی۔

شخصی طور پر مصنف کی دو ایک باتیں عجیب معلوم ہوتی ہیں، جو ان کی تحریروں میں بھی عجیب کا رنگ رکھتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیا کی بڑی سی بڑی باتیں انکی ذات اور صفات میں اس طرح بیٹھ جاتی ہیں جس طرح کنوئیں کی تہ میں کنکر، وہ تلخیاں پی کر اس طرح گول ہو جاتے ہیں جیسے گونگے کا گڑ کھا لیا ہو، اور ان کا چہرہ بہ قول

ان کے "جذبات کی تعبیر بے نقط" معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی تحریر میں کبھی بے نقط سناتے ہیں، اور کبھی زہر خند کرنے لگتے ہیں۔ دوسرے ان میں ایک نسوانی محبت ہے جو جھینپی اور رجھاتی ہے، یہ حسن کاری کی ایک صفت ہے۔ وہ کبھی بڑی صاف دلی سے لوگوں کے قریب ہو جاتے ہیں اور کبھی "بھس میں چنگاری ڈال کے بی جمالو الگ کھڑی رہی" کے مصداق نظر آتے ہیں۔ ان میں ایک اضطراری کیفیت ہے۔ ذہین ہیں طباع ہیں، شوخ، بذلہ سنج اور صاف گو بھی ہیں مگر پارے کی طرح غیر مستقل! معلوم نہیں قدرت نے انھیں اس قدر سیمابی کیوں بنایا ہے اور ادب میں وہ اتنے سہم کیوں جاتے ہیں؟

آوارہ صاحب کا کمال ان کی زبان ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ ان کی زبان لکھنؤ کی ہے۔ ہاں ہے بھی، جدید ادبی ضرورت یہ سمجھتا ہوں کہ اس زمانے میں انشا پرداز مقامی رنگ اور مخصوص زبان کے دائرے میں محصور نہ ہو۔ آوارہ صاحب محصور تو ہیں لیکن ان کی نگارش میں عالمگیریت کا ایک ہلکا سا عنصر ہے۔ ان کا ہر لفظ و خیال زندگی کا ایک ادا کار ہے! شوخی، برجستگی، ترنم اور وضع داری ان کے الفاظ اور اسلوب تحریر میں لطف اٹھانے کی چیز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آوارہ صاحب مولیئر کی کسی تمثیل میں کام کر رہے ہیں۔ گفتگو میں انھیں میں نے مصوری، موسیقی، شاعری، رقص پر سلیقے کے ساتھ اظہار خیال کرتے ہوئے پایا۔ خصوصاً ان کا ذوق موسیقی پختہ نظر آیا۔ ان کی عربی فارسی کی قابلیت اچھی ہے، لیکن حضرت شاعر کی طرح اگرچہ وہ شاعر نہیں، ہمیشہ ایسے چھپے ہوئے رہنا چاہتے ہیں جیسے اوڑھنی اوڑھے دبے پاؤں کوئی شام کے دھندلکے میں چلا آرہا ہو۔ وہ بظاہر ظرافت کی چاشنی اس طرح دیتے ہیں۔

"...... اتنے میں دیوار کے ادھر سے ایک موٹے تازے

لست جمادری نے لال لال چقندر سا منہ نکال کر نیچے جھانکا
تو خالی میدان، آدمی نہ آدم زاد، ہو کا عالم ـــــ ناشتے کی فکر
کچھ سیمابیت کا تقاضا ۔ نہ رہا گیا، بدن کو تول، ٹہنی کو تھام، لٹکا ہی تھا
جو ٹنڈ سے ایک بڑا سا پپڑا اکھڑا ۔ گرفت چھوٹ گئی اور منو میاں بوکھلا
کر گرتے ہیں تو گھڑونچی پر اڑڑڑ دھم ! "

(سپے پڑ کی)

لیکن یہ انکی نازک ساعتیں نہیں کمزور ساعتیں ہیں۔ نازک ساعتیں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب وہ ظرافت کے پردے میں طنز و تعریض کے نشتر سے چبھوتے ہیں " گدھا کا نفرنس " پڑھ ڈالیے، معلوم ہوگا کہ آوارہ صاحب نے کس شرارت کے ساتھ صدارتی تقریر فرمائی ہے۔ گدھوں کے سوانح بیان کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں :ـــــ

" غرض یہ تھے ہم، اور یوں ہی رہتے، اگر یہ آدمی کا بچہ ہمارے معاملات میں دخل در معقولات نہ بنتا، اور عقل کی لگائی بجھائی میں آ کر ہم سے دشمنی نہ ٹھانتا، اس نے ہر چیز پر اپنا کرو را بٹھایا، جھاڑ پہاڑ کیڑے مکوڑوں تک اپنا گز سکہ چلایا، ہم گدھے تھے، ہم نے احتجاج کیا، اپنی پوری پوزیشن واضح کی، مگر آدمی جو آج تک خود نہ سمجھ سکا کہ " میں کیا ہوں " کیا جانتا کہ گدھے کون ہیں ۔ پھر کیا ہوا ناگفتنی ہے ۔ مختصراً ہم اڑے رہے کہ گدھے رہیں گے وہ مصر رہا کہ آدمیت سیکھنا ہوگی جدائی کی بنیادیں پڑ گئیں، علیحدگی کی دیواریں کھڑی ہو گئیں، رفتہ رفتہ ہم نے اپنی دنیا الگ بنالی اور اپنے رسم و رواج کو کلیجے سے لگائے ہوئے وہ کیا جو ایک گدھے کو کرنا چاہیئے تھا، یعنی آدمی اور اس کی گڑھی ہوئی آدمیت کو ـــــ بھاری پتھر تھا ہم کہ ـــــ چھوڑ دیا

اور ایسے ہو گئے کہ ؎

ان تلوں تیل ہی نہ تھا گویا   ہم سے کچھ میل ہی نہ تھا گویا

اس موقعہ پہ گدھا کانفرنس کے صدر کو شکسپیر کی زبان میں یہ کہنے کو جی چاہتا ہے

"Oh! a fool but what a wise fool!"

(آہ! بے وقوف، مگر کتنا عقل مند بے وقوف!)

سوال یہ ہے کہ آوارہ صاحب افسانہ لکھتے ہیں، یا مضمون؟ پلاٹ کی پیچیدگی، مسائل حیات کے الجھاؤ تنوع۔ وحدت، ان سارے جھمیلوں سے الگ، سیدھے سادھے انداز سے اور آسانیوں کی راہ ڈھونڈتے ہوئے یہ اپنے دل کی بھڑاس نکالے جاتے ہیں۔ جھوٹ، آدمی، گدھا کانفرنس وغیرہ میں ان کا اسلوب کچھ ایسا ہی ہے۔ رہی کردار نگاری، وہ چند مخصوص نمونے پیش کرتے ہیں، جنھیں aut af date کہیے تو غلط نہ ہوگا۔ مثلاً گپوا، مرزا، وغیرہ لیکن یہ زندہ نمونے ضرور ہیں، ان کے کامیاب مضمون "بے پر کی" میں جو مختلف وقتوں میں لکھا گیا، وقت اور زمانے کا دھارا ٹوٹتا گیا، لیکن خیال کا دھارا نہ ٹوٹ سکا۔ ادب کا طلسم ایسا ہی ہوتا ہے، اور ذوق ناکامی ایسا ہی دوامی اس مضمون میں ہلکی سی داستان کا ایک ذخیرہ ہے، لیکن ان کے جملہ مضامین میں تکمیل اور مرکزیت کا رنگ کم ہے۔ وہ اپنے ادبی کارناموں کی مجہول وسعتوں کو چاروں طرف سے گھیرتے نہیں، سمیٹنے اور ترتیب دینے کی ان میں خو نہیں۔ ایک البیلے کی طرح وہ ادب کے وسیع میدان میں سیٹی بجاتے ہوئے چلے جاتے ہیں، لیکن ایسی سیٹی جس میں درد بھی ہو، اور طنز بھی۔ کون کہے گا کہ "آدمی" میں انھوں نے جو خاکے کھینچے ہیں وہ اس کی حماقتوں کے آئینے نہیں، لیکن ان میں ——— آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا ——— کا دل گداز نوحہ نہیں۔ میرا خیال ہے

کہ اگر خدا ان کی داستان گوئی کی روح کو ایک نقش نگار کی روح میں مبدل کر دیتا تو اچھا ہوتا۔ لیکن ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا، کیونکہ ان کی خوشی، ان کی خوشی کب تھی جو وہ اسٹیج پر آ کر کھل کھیلنے کی ٹھان لیتے۔ اصل یہ ہے کہ آوارہ صاحب کے اندر خاموشی اور گویائی کی ایک عجیب کش مکش نظر آتی ہے۔ ان کا ایک کمال یہی ہے کہ وہ ادبی آنکھ مچولی کھیلتے رہیں۔ اور ساتھیوں سے کہتے رہیں "ابھی آنا نہیں"۔

۱۱ر اسفندار ۱۳۵۳ ف

محمد عبدالقیوم خاں باقی
پرنسپل دارالعلوم کالج

نقد پہ نقد

"جس طرح اصرار (یا ......؟) کر کے میں آپ سے مضامین لکھوایا کرتا تھا، اسی طرح اب میرا اصرار ہے کہ آپ کے مضامین کو کتابی صورت میں بھی آپ سے مرتب کرا کے شائع کرا دوں، آوارگی کی ایسی تیسی میں آپ کا کیا ہے، کل کلاں کو رحلت فرما جائیں گے، تو اس ادبی اور قومی نقصان (؟) کا تاوان کون بھگتے گا، جلد از جلد مسودے روانہ کر دیجیے تاکہ آپ کی ایک کتاب تو ہمارے ساتھ گور میں چلی جائے۔"

اللہ رکھے کچھ تو بی مینڈکی کو نعل بند ہونے کا شوق کچھ —— کوڑھ میں کھاج —— "تابش دہلوی کی شہ کہ چڑھ جا بیٹا سولی پہ رام بھلی کرے گا" معنی یہ ہوئے کہ ایک بے معنی سا مجموعہ آپ کے پیش نظر ہے، دیکھیے 'ادبی خرافات' پر شاید آخری لفظ ہو،

ان نگارشات پر اور ان کی لپیٹ میں خود مجھ پر یاران نکتہ داں اتنا لکھ چکے ہیں کہ اب تصنیف اور مصنف کے سلسلے میں میرا طبع آزمائی فرمانا "قوم" کی بولی ہیں.... چھاپنا لازم اور میرے نزدیک "دھیلے کی بڑھیا ٹکا سر منڈائی" ہے، یا طمع کا روایتی

انکسار، اور ہیچ مدانی کا اظہار، اس سے کس کافر کو انکار ہے، البتہ بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اپنے نقاد اور ان کے پرخلوص فرمودات کا شکریہ نہ ادا کیا جائے۔ رشید صاحب جدید اردو ادب کے صناعوں میں اپنے لئے ایک امتیازی جگہ محفوظ کر چکے ہیں۔ اور اپنے انداز فکر و طرز نگارش کے بلاشرکت غیرے مالک ہیں، اور اگر میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں تو مجھے یہ کہنے کا قانونی حق حاصل ہے کہ علی گڑھ اسکول کی ادبی نمائندگی کا حق سب سے زیادہ انہی کو پہنچتا ہے، ربط و رسم کی بنا پر آج کی نہیں، ہمیشہ کی آرزو تھی کہ چاہے کچھ ہو، چھیڑ یا جن گن ہی کی سہی، ہوگی تو سب سے پہلے رشید کو چھیڑوں گا کہ کوئی بھی پردیسی کی سوغات، دامن گل چیں میں کچھ کلیاں ہیں مرجھائی ہوئی

تمنا بر آئی اور رشید صاحب نے پچھلی گھوراگھاری کی یاد تازہ کرکے وہ دلچسپ پیش لفظ لکھا جو ابھی آپ نے پڑھا، حوصلہ افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کمزوریوں کا اعتراف ہے،

سید وزیر حسن دہلوی نے اپنی زبان آوری سے میری آوارگی پر وہ شوخ رنگ چڑھایا ہے کہ آوارگی، آوارگی نہیں رہی، آرٹ ہوگئی وہ بھی اس حد تک کہ اب اس کی سند سے میں اپنے کو سنگین سے سنگین ادبی جرم کے ارتکاب پر جری پاتا ہوں،

سید صاحب "کھدائے میاں" پڑھ چکے ہیں، پھر جو اس کا حشر ہوا ان سے چھپا نہیں ہے کہ شاہد کے بہ قول خدا نخواستہ "چھپ جاتا تو ناشر شہید ہو جاتا" اس پر بھی مولیئر بنانے کے دم داعیے ہیں تو بسم اللہ، قدرت بانجھ نہیں ہے، سلیقے سلامت ہیں، مولیئر بننا آسان، مگر قبلہ اتنا اور معلوم ہو جاتا کہ اس مہنگائی میں کھن توس والے "اے کلاس" کی سفارش کرنے والا سورما کون ہے؟

اپنے فاضل دوست پروفیسر باقی کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ انھوں نے

میری انشا کے خارجی اور داخلی دونوں پہلوؤں کو واضح کر کے ان نظریات کے تحت جانچا جن پر عصری تنقید کی بنیادیں قائم کی گئی ہیں اور جن پر کسے بغیر ادب کھوٹا اور ٹکسال باہر سمجھا جاتا ہے۔

علم و ادب کے معاملے میں باقیؔ صاحب فلاں ابن فلاں کے قائل نہیں، وہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دینا جانتے ہیں اور اس بارے میں بڑے کٹّر ہیں۔ زیر نظر موٗنے ایک وقتی ہیج اور خود میرے نزدیک کاغذ کے پھولوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، ان پر دعوت تبصرہ دینا باقیؔ کی قوت نظر کا منہ چڑانا تھا مگر آپ دیکھیں کہ انھوں نے کس خوب صورتی سے "بے معنی میں معنویت" پیدا کر دی وہ بھی محض لفاظی اور منہ زوری کے بل پر نہیں، بل کہ ان ضوابط کے تحت جو ادبی احتساب کے لیے، اب بین الاقوامی طور پر تسلیم کیے جا چکے ہیں۔

جس طرح تل کی اوٹ پہاڑ ہوتا ہے اسی طرح باقیؔ صاحب کی "دو چار باتوں" کے پیچھے ایک آدھ بات ایسی پوشیدہ ہے جس کی وضاحت مجھ پر فرض تھی مگر چاہتا ہوں کہ ان کی اڑھائی ہوئی "اوڑھنی" میں کچھ دن اور گھونگھٹ کیے رہوں ابھی تو نامحرموں کی ڈھیٹ سے ڈر لگتا ہے!

باقیؔ کی گوناگوں قابلیتوں میں سے ایک مصوری بھی ہے جس میں وہ (symbolic art) کے دلدادہ ہیں، ان کے حسن تخیل کا اثر آپ اس مجموعہ کے گرد پوش پر دیکھتے ہیں،

آرٹ ایک جذبہ ہے جس کا اظہار الفاظ کے ذریعہ کیا جائے تو شعر اور خطوط کے واسطے سے ہو تو تصویر، "بے پر کی" کا مفہوم شعر میں ممکن نہیں، خطوط کے ذریعہ بھی اتنا مشکل کہ آرٹسٹ پانی مانگے، باقیؔ کے خیال نے قیوم کے قلم سے وجود کا جامہ پہنا۔ سمجھنا اور داد دینا آپ کا کام ہے!

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ

قیوم ادارہ

ملک الموت کی دوربین

رات کے دس بجے، خدا خدا کر کے آخری جام، تیتر کے کباب، اور کل کے انتظار میں آج کا پروگرام ختم...... گا ڈ بیو دی کنگ!!

حواس کی تھا، تھک، تھمے پہ عقل ناچ رہی تھی، جھومتا اٹھا، لڑکھڑاتا چلا اور فرش پر قدموں سے زنجیرے بناتا ہوا پلنگ پر گرا تو دین دنیا سے غافل تھا۔

چونک پڑا،

جیسے کسی نے دستک دی ہو؟ پہلو کی کھڑکی کھلی تھی، نیم باز آنکھوں سے دیکھا پچھلے پہر کا نکھرا آسمان، جگمگاتے تارے، شبنمی فضا، اور کائنات کا ذرہ ذرہ محوِ خواب

پھر کسی نے دستک دی،

"اونہہ" بتی جلا کر کے دروازے کا ایک پٹ کھولا، مخروطی روشنی کے انتہائی خط پر کوئی کھڑا تھا،

کوئی کھڑا تھا، خاصا چھ فٹ کا آدمی، گولے دار پگڑی، بڑے گھیر کا جامہ،

جس کے گریبان پر سوپ سے بڑی سفید براق ڈاڑھی ہلکی ہوا میں ایسے لہرا رہی تھی جیسے صلح کے جھنڈے کا پھریرا" اور یہ سب کچھ، مٹی پانی، ہڈی گوشت کا نہیں بلکہ انسانی پیکر میں آدمی کے سانچے میں ڈھلا ہوا دھواں، یا دھنکی ہوئی روئی یا پھر بادل .... غول بیابانی! ورنہ پی ہوئی نظر!

"کون ہو؟" میں نے جی کڑا کر کے کہا۔ "اور کیا چاہتے ہو؟" منہ پھیر کر کہا، چہرے کی ہر جنبش میں طعن تھا،

"غافل! زندگی کے نشے میں بھر پور رہے"۔ پھر متانت سے میری طرف دیکھا "تمھاری سطحی دنیا اپنی گڑھی ہوئی عرفیتوں سے مجھے زیادہ تر یاد کرتی ہے، مثلاً دق سل، ٹائفائڈ، پلیگ، ہیضہ، کالا بخار وغیرہ، اسی طرح کی اور ہزاروں، کہاں تک گناؤں"۔

میں نے کہا اور طیش میں آکر کہا "آدھی رات کو، میٹھی نیند کی گود سے اٹھا کر مجھے امراض کی یہ طویل فہرست سنانے آئے ہو، تم آدمی ہو یا قرابادین؟ میں تمہارا نام پوچھتا ہوں نام"۔

بڈھے نے اپنا سیدھا ہاتھ میری طرف بڑھایا "آپ کی جلد بازی پر ماتم کرنا پڑا، یہ دیکھئے"۔ سفید اور چوڑی ہتھیلی پر تیز سیاہی سے نقش کیا ہوا ایک انسانی ڈھانچا! وہی ہڈیوں کی مالا، وہی ڈراؤنی بتیسی، وہی بے دیدوں کے خالی گڑھے!

"معاذ اللہ" میں نے کہا "تمہارا تمسخر زیادہ سنجیدہ ہوتا جارہا ہے، اور میرے لئے ناقابل برداشت"۔

"اچھا نہ سہی، تو یہ لیجئے میرا تعارف نامہ" چکنے کارڈ پر جلی حرفوں میں لکھا

تھا۔......... "ملک الموت"!

پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا اور ضبط امکان سے خارج ہو رہا تھا، اٹھا کر چاہتا تھا کہ .... مگر چھڑی .... گرفت میں بھاپ سی نکلی اور ہوا میں غائب ہو کر رہ گئی،

نشہ کافور، خون منجمد، دم بند، ہاتھ پاؤں شل، بڈھے کی آنکھوں میں بجلیاں کوند رہی تھیں، میں نے بیٹھی ہوئی آواز سے کہا" تو آپ .... آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں ؟ "

تین لفظوں کا روکھا جواب ملا" تمہارا قبض روح ! "

"مگر جب کہ میں بھی اس پر تیار ہوں، کیا مجھ سے سینئر سب مر گئے ؟ میں جوان ہوں، تنومند ہوں، یہ جوانا مرگ نہایت بے تکی ہوگی اور آپ کی بدنامی کا باعث "۔

قابض الارواح نے کہا، فیصلہ کن لہجے میں کہا" چند لمحے باقی ہیں جتنی چاہو بکواس کر لو۔"

"مگر مرد خدا، یہ بھی تو دیکھو کہ کل دفتر کا دن ہے، صاحب کی میز پر مسلوں کے انبار لگے ہیں، مجھے ان کا تصفیہ کرانا ہے، حقوق کا معاملہ ہے، ایک مہربان کے سو روپے لئے بیٹھا ہوں، آپ کے ہاں رشوت، میرے نزدیک حساب دوستاں یا حق المحنت ان کی تاریخ ولادت دو چار سال گھٹا کر صاحب سے توثیق کرانا ہے ایک دوست ہیں، غریب سے سہواً تین سو کا غبن ہو گیا ہے، وہ معاف کرانا ہے اس کا مزد صرف پچاس روپے ملا ہے، صاحب نہایت شریف حاکم ہیں منصف مزاج اور رحم دل۔

بات کاٹ دی گئی، قاطع ارواح نے کہا " اعمال صالح ہیں اور زادِ آخرت مناسب، چلو دیر ہوتی ہے " زچ ہو کر میں نے ایک تجویز پیش کی " اگر فی الحقیقت مجھے مرنا ہی ہے تو ایک شرط پر راضی ہوں کہ پس مرگ زیادہ نہیں، تین دن کی جگ بیتی کا مشاہدہ کرنے دیجئے "۔

" کیا کہا تین دن ؟ سنو ہم پابند رضا حکم کے بندے ہیں، اب عرض معروض کا وقت نہیں رہا " میں نے ذرا طنز سے کہا " سنتا ہوں خدائی کارخانے بہت اپ ٹو ڈیٹ ہیں، کیا آپ کے ہاں لاسلکی نہیں ہے ؟ اور ہاں آپ تو وہاں کے گزیٹڈ آفیسر ہیں بکار سرکار پیغام بھیج سکتے ہیں "۔

" ہاں ہمارا لاسلکی تمہاری طرح برق و باد کا غلام نہیں، موجودات کا ہر ذرہ ہمارا پیامبر ہے ...... چلو اجازت مبارک، جی بھر کے سیر کرنا " جامہ کی تہوں میں ٹٹول کر کچھ نکالا، " لو ہماری جدت کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ دیکھو، یہ " ملک الموت کی دوربین " ہے اور سطحیات سے گزر کر تم کو حقائق کا مشاہدہ کرائے گی "۔ آخری الفاظ کانوں میں سنسنائے اور میرا وجود عدم سے بدل گیا، اب صبح تھی اور میں تعینات کی قیود سے آزاد !

پلنگ پر دوشالہ پڑی میت رکھی تھی، دو چار صبح خیز پڑوسی دروازے پر کھڑے تھے، دیوان خانے میں صفِ ماتم بچھائے، سر جھکائے، منہ سکھائے، صاحبزادے آبدیدہ رونے پر سلے رہے تھے، اتنے میں پڑوسی سعادت خاں آئے، عینک کے گول شیشے گرم آنسوؤں کی بھاپ سے ماند پڑ گئے تھے، لڑکے کے سر پہ پیار سے ہات رکھا اور کہنے لگے " ہونیوالی بات تھی ہو چکی، بابا دیر نہ کرو، دفتر کا دن ہے لوگ شریک نہ ہو سکیں گے "۔

"ہاں خاں صاحب میں تیار ہوں' دس بجے تک فراغت ہو جائے گی۔"
مولوی فیروز علی بولے "کیا کفن دفن آ گیا؟"
"مولوی صاحب سنئے مرگِ ناگہاں مساوی ہے شہادت کے' شہید کفن سے مستثنیٰ' لہٰذا تکفین نہ صرف فعلِ عبث اور اسراف' بلکہ غیر منطقی۔"
خاں صاحب نے یہ "ملا بد" سنی تو "گر بسجھے خاک" "میاں یہ نئی روشنی کا علم ہے ہم کیا جانیں' ہماری دوڑ تو سول سروس ریگولیشنز اور اکونٹنٹ جنرل کے گشتی احکام تک ہی ہے۔ ان مولوی صاحب سے کہو۔"
مولوی صاحب نے کہا "ہاں بھیا کوئی امر خلاف سنت نہ ہونا چاہیے۔"
"اے قبلہ فرض و سنت کا اب تقوم پارینہ میں شمار ہوتا ہے' زمانہ اپنا پہرا ناچولا بدل چکا' آپ خطا معاف اولڈ فیشن کے باقیات الصالحات ہیں' ان منزی مسائل کو نہ سمجھیں گے۔
میں نے حکومت کو اس واقعۂ فاجعہ کا تار دیدیا ہے جواب کا انتظار ہے' آتے ہی . . . . "
"میاں میں سمجھا نہیں' وہ تو کسی کے لئے دیئے میں نہ تھے' حکومت کو کسی کے مرنے جینے سے واسطہ؟" خاں صاحب نے کہا۔
مولوی صاحب نے سوال کیا "لاٹ صاحب کو دیا ہوگا؟"
"جی ہاں' پھر حکومت لاٹ صاحب کا نام نہیں تو کس کا ہے؟ بات یہ ہے کہ مرحوم اوائل عمر ہی سے ایک خود ساختہ بلکہ بے ساختہ لیڈر رہتے اور ان کی ارواح سے معافی چاہ کر آج یہ راز فاش کرتا ہوں کہ حکومت کے ایما سے ہز مجسٹی کی آنے والی سالگرہ کے موقعہ پر بین الاقوامی لیڈر تسلیم کئے جانے والے تھے' ان کی رحلت سرکاری نقصان ہے' اسی کا مجھے خیال ہوا۔ اب آپ تشریف رکھیں میں دو لقمے ناشتہ کر لوں تو پھر

سینما میں دیر ہو گئی تھی، یوں ہی آ کے پڑ گیا۔"

میت اٹھی، اور پڑوس کے قبرستان میں اول منزل پہنچا دی گئی، ارادہ تھا کہ ذرا دم لے کر اس ڈیڑھ گزی کوٹھری سے نکلوں اور دوربین کی کرامات دیکھوں کہ خدا جانے کدھر سے دو بزرگوار وارد ہوئے ایٹی کیٹ سے بالکل کورے، نہ دعا نہ سلام، خیریت نہ خبر، سلام تکلف نہ اندازے کہنے لگے "چلو اٹھو تم سے دو باتیں کرنا ہیں" میں نے کہا "دو نہیں چار" کڑک کر پوچھا "تمہارا معبود کون تھا؟" عجیب سوال!

"یہ میرے خانگی معاملات ہیں آپ کو سوال کا حق؟ کوئی بھی تھا، آپ کون؟"

کہنے لگے "کبھی منکر نکیر برادرز کا بھی نام سنا تھا؟"

"سنا تو تھا، اور اگر آپ ہی ہیں تو معاف کیجئے گا قائل نہ تھا۔"

"اب تو ہوئے، بتاؤ تمہارا معبود کون تھا؟"

میں نے کہا "یار دراصل یہ ہے کہ ایک ہو تو بتاؤں، میں نے تو سینکڑوں کے آگے گردن جھکائی، ہزاروں کو سجدہ کیا۔"

اتنا ہی سنا کہ "دونوں جہان کا خسارہ" اور دونوں ناپید ہو گئے۔

یہ تو ایک ضمنی بات تھی، اب میں قبر کے سپلیپنگ سوٹ میں برآمد ہوا اور سیدھا گھر آیا عجیب کیفیت تھی، بڑھی، لٹ بکھری ساس، پوپلے منہ میں پن کٹی کا پان، دونوں ہاتھ سے پیک بہتی ہوئی، دوپٹہ ندارد، اثاث البیت پھیلائے بیٹھی تھی گویا کہ آج میری گاڑھی کمائی کی نمائش کا پہلا روز تھا، کپڑے، زیور اور گرہستی کا سامان کیا پھیلا تھا ایک مینا بازار لگا تھا، بھاری جوڑوں میں سے ہلکے چھانٹے جا رہے تھے، جڑاؤ اور سادے زیور الگ الگ کچھ پوٹلیوں میں کچھ صندوق میں بند ہو رہے تھے،

دوربین کا پس منظر بدلا، بی گھربسی سامنے آگئیں، سفید دوپٹہ سر سے ڈھلکائے کرسی پر کھڑی ہیں دیوار کسی سے باتیں کر رہی تھیں۔ میں نے کہا "بیگم" پلٹ کر دیکھا آنکھیں پھٹ گئیں، منہ کھل گیا۔

"کون تم؟ لڑکے کے باپ!"

"ہاں میں ہوں۔"

"اوئی اللہ یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟"

"تم سے دیکھ رہی ہو جس کو شرع نے، قانون نے، تمہارے ماں باپ نے قاضی کی معرفت، ایک وکیل اور دو گواہوں کے بیان پر، ٹوکری بھر مہر اور عمر بھر کے نان نفقے کے ساتھ میرے گلے باندھا تھا۔"

"تو تم سچ مچ زندہ ہو، تمہارے سر کی قسم جب میرا جنازہ دھنک نکالا گیا بی، دوپٹہ اتار دیا گیا اور یہ منڈی کا سفید جھنا اوڑھنے کو ملا، اور بنارسی چوڑیوں کا جوڑ کھول کر ہاتھ ننگے بجھے کیے گئے، ناک کا پھول، گلے کا چندن ہار، بڑھا یا گیا تو تمہارے سر کی قسم، میں نے تمہارے مرنے کو بہت کوسا۔"

"مگر یہ تو کہو" میں نے کہا "میرا یہ عاشقی جوڑا میلا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ نامحرم گھر سے اس بے باکی سے مخاطب، پردے کا خیال نہ پوشیدے کا دھیان۔"

بیگم کی آنکھیں چمکنے لگیں، ہر نگاہ میں ایک طعنہ تھا۔

"پردہ! پوشیدہ؟ کیوں سناؤں کھری کھری؟ وہ دن یاد ہے جب موٹر میں چوک ہوتے ہوئے مجھے ناٹک لے گئے تھے کھلے بندوں، مجھے دیکھ کر ایک شوخ چشم نے آنکھ ماری تھی اور چھپالی کو ٹی تھی، یاد ہے کہ تم سے شکوہ کرنے پر جواب ملا تھا کہ اس کو اپنے فعل کا اختیار ہے، وہ دن بھول گئے جب اس چھچھوری کے جلسے میں لے گئے تھے جو بچے پیدا کرنے کے خلاف لیکچر دیتی پھرتی تھی مجھے کو یہ سمجھا کر

خود کسی فرنگی سے باتیں کرنے چلے گئے تھے اور میرے برابر ایک گبرو نواب کو چھوڑ گئے تھے جو عینک لگائے مونچھیں چڑھائے بیٹھے تھے، شامانے سے شامانہ چھل رہا تھا میں کسمسائی تھی تو تم نے چچا سعدی کا مصرع پڑھا تھا کہ بنی آدم اعضائے یک دیگر اند اور کہوں؟ میں نے پوچھا "صاحب زادے؟" بولیں "کہتے تھے کہ قرآن خوانی کے لئے باوا کے مزار پہ جاتا ہوں" .... یہ بیگم کی نظروں سے غائب ہو گیا

اخاہ! دو گہرے دوست!

"ارماں غضب ہو گیا، سنا خدا بخش میاں...... صاحب گزر گئے؟"

"ہاں گزر گئے اور ایکا ایکی مر گئے"

"میت میں گئے تھے؟"

"نہیں بھئی، جانتے ہو کہ درگاہ والوں سے کنکوے کا میدان بدا ہے دو روز سے لگدی پڑی سڑ رہی تھی، میں نے کہا دو چار ریل انجھا ہی سونت لوں اور بارہا صل یہ ہے کہ زندہ اور مردے کا کیا ساتھ دوستی ساری سانس کی ہے، ہنیہ واس کا قائل ہے، یہ ضرور ہے کہ روز روز کی کشمیری چار اور نیم برشت انڈوں پہ فاتحہ پڑھ دل عجب لت تھی مرحوم کو کہ جب تک یار نہ ہوں کھانا پینا حرام سمجھتے تھے، سنا ہے تو میاں خدا بخش ساتھ ڈٹے ہوئے، ناٹک ہے تو میاں خدا بخش ہمراہ گئے ہوئے، ناک میں دم آجاتا تھا، واللہ، مگر تو از مش، تم بھی تو شاید شریک نہیں ہوئے؟ بے مروت کہیں کے"

یقین مانو جب میت گئی ہے، آنکھیں آسمان پر تھیں اور دل میت میں، تین چار نئے کبوتر گھیٹے ہیں، اکڑی میں ملا رہا ہوں نہیں تو بھٹک جائیں گے"

منظر بدل گیا، شہر کے ایک مشہور وکیل کی کوٹھی، تخلیہ، میز پر آمنے سامنے صاحبزادے

اور وکیل، بیچ میں میرا فول نامہ، شیئر سرٹیفکٹ، سیونگ بنک کی پاس بک، ضابطہ دیوانی امیر علی کا محمڈن لا، کھلا پڑا تھا، خود وکیل صاحب آئی گلاس سے ایک دستاویز دیکھ رہے تھے، میرا وصیت نامہ ایک طرف کانچ کی شیشی اور دو چار مو قلم پڑے تھے ناگہاں انھوں نے سر اٹھایا مسکرائے اور اطمینان کی گہری سانس لی، چہرہ سرخ ہو گیا۔

" زندہ باد کیمسٹری! پائندہ باد مغرب! دستاویز بن گئی، فن اور اس کا یہ خادم! یو رو پ یو روپ! جناب کو دولت مبارک! "

صاحبزادے نے دستاویز لے لی،

" واقعی ہات چوم لے وکیل صاحب آپ کے بہت خوب! والدہ کے نام پانسو کے پچاس رہ گئے، کمال! کمال! غضب خدا کا چھوٹے کو برابر کا حصہ! اس کے بھی پچاس! بہت مناسب بالکل صحیح! اماں کے پاندان کا خرچ پچاس روپلے؟ ہونھ اب صرف پانچ، وہ بھی زیادہ! وکیل صاحب شکریہ شکریہ شکریہ!! "

اہو! دفتر! وہی روز کی چہل پہل، وہی روز کی گھما گھمی، میری میز خالی پڑی تھی، البتہ کرسی پر اردلی کا چپراسی بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا، چھوٹے صاحب حسب معمول پائپ دبائے کلرکوں کا پرا سامنے جمائے زنانیت کا ڈھول بجا رہے تھے،

بڑے صاحب کے روبرو میری اسامی کی خانہ پری کے لیے درخواستوں کا ڈھیر لگا تھا۔ " فدوی کا نال اسی آفس میں گڑا تھا، لہذا . . . .

" خانہ زاد کے باپ، دادا، پردادا، سب اسی دفتر کے ملازم تھے، پس . . . . .

" غلام میٹرک نہیں ہے مگر، . . . .

" کمترین کے نانا غدر میں خیر خواہ سرکار رہے، اس لئے . . . . . ایک عرضی تھی، خارجا " مسموع ہوا کہ . . . . صاحب نے بہ قضائے الٰہی، یا بہ ارادہ خود، یا ہر دو، اس عالم فانی سے کوچ کیا، خاکسار کا تقرر فرمایا جائے "!!

صاحب نے تجویز لکھی "واقعہ مرگ تازہ ہے بعد فاتحہ سیوم پیش ہو۔"

پڑوس کی مسجد میں فاتحہ سیوم کا اہتمام تھا، پیش امام صاحب نے اس پبلک فنکشن کے سلسلے میں آج نماز مختصر ڈریس میں ادا کی تھی اور اس وقت یتیم خانہ کے بچوں کی چنے خوانی میں رہنمائی کر رہے تھے، خود چنے یا تو مقشر ہو کر ہمراہ نقل بتیسی ہاضم تالی کی منازل طے کر رہے تھے، یا پھر بے کھٹکے ایک ایک گر کر چنے خوانوں کے آگے ڈھیر ہو رہے تھے دو تین، حافظ جی، ایک قاری صاحب کی زیر کمان تھوڑے تھوڑے وقفے سے عُون، وُن، کی تفضیح تان میں منہمک تھے، چند خوش پوش مسجد کے پشتے پر بیٹھے اس سوچ میں جمائیاں لے رہے تھے کہ یہ نقل کب ختم ہو، کب ڈراپ سین گرے اور ہم صبح کے ناشتے سے کب فارغ ہوں دفعتاً دوربین ناپید ہو گئی اور چاروں طرف تاریکی چھا گئی، آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ٹائم پیس نے رات کے پورے بارہ بجائے ہیں اور وقت کی آہنی زبان کہہ رہی ہے کہ بس کر آوارہ بس کر،

"شعر بازی" موجودہ مشاعرہ نوازی پر نہایت لطیف طنز ہے"

"ساقی"

شعر بازی

کیا خیال ہے؟ یہ جو حکیم لوگ موتی مونگے کے نام سے لشکر پتھر کھلا کر ایک ہنگامہ برپا کرتے رہتے ہیں کہ دل کو یوں تفریح ہوتی ہے، دماغ میں دوں جو جولانی آتی ہے، سچ پوچھئے تو ہم برملا کہہ دیں کہ قبلہ یہ ہیں سب رئیسوں کے چونچلے اور ان حکیم جیوں کے ڈھکوسلے۔ اپنے مزے سے کھائیے ترترا تا قورمہ اور گیہوں کی ورقی چپاتیاں پھر کلی غرارہ کر کے گلے میں گلوری دبا، بچھونے پر دراز ہو، آنکھیں موند عظیم اللہ خاں سترے گرگٹ اسٹے دور سے خمیرے کے چار چھ کش لیجیے پھر دیکھیے عقل شریف کیا کیا قلانچیں مارتی ہے اور ذہن مبارک کیسی کیسی چوکڑیاں بھرتا ہے۔

چنانچہ اسی عالم میں یہ شگوفہ کھلا۔ دل نے کہا کہ اماں بہت دن سے شعر بازی نہیں ہوئی۔ کیا اب کی چاندنیاں یوں ہی کوری کٹ جائیں گی؟ فوراً دعوت نامے کا مضمون گانٹھا اور یاران طریقت کے نام چلتا کیا۔ اب آپ کی دعا سے شعر بازی ہے جس کی روداد تو بعد کو سنئے گا پہلے دعوت کا یہ بے تکلف رقعہ قبول فرمائیے۔

طرح ندارد، ردیف لقط قافیہ سوختہ دو تین شعر سنائیے اور مسند خالی کی، سرقے کی اجازت عام بشرطیکہ [illegible] دن کے نام سے ہو اور سرقانے والا اتنا پابند وضع کہ روایت

درایت، سماعت، بصارت سب بالائے طاق۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے تو وارد کئے جائیے۔ خاکسار اپنی مالی کمزوری کے اعتبار سے اس بار واردین کرام کے خورد نوش، زادِ راہ، یا دیگر حوائج ضروری کا انتظام نہ کر سکے گا۔ البتہ جوتیوں کا تا بہ امکان ذمہ دار ہو گا۔

گھر کے مختصر صحن میں چھڑکاؤ، دری چاندنی کا فرش، صدر میں مسند اس پہ ایک تکیئہ صاحب قبلہ، خاصدان میں بسی ہوئی گلوریاں ہمراہ اگالدان، کوری صراحیاں ٹھنڈا پانی، یہ تھا ہماری "شعر بازی" کا اہتمام، ادھر آٹھ کا گجر بجا ادھر خوش فکرے ٹپکنے لگے۔

بساط بچھ چکی تھی، مہرے اپنے اپنے خانوں میں ڈٹے ہوئے تھے، فکر یہ تھی کہ شعر بازی شروع کہاں سے ہو۔ دفعتًا کھٹ پٹ کی صدا اور کسی کی آمد نے بزم کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

جل تو جلال تو! یا جوج ماجوج تو دو ہی عدد سے تھے، یہ ثالث بالخیر کون نازل ہوئے

ماشاءاللہ سے چاروں ضلع برابر پورے چھ فٹ کے دیو ہیکل بزرگ، سر پہ شملہ بمقدار علم، نین سکھ کا سفید نیچا کرتہ، خدا جھوٹ نہ بلائے تو کوئی دس بارہ گز گاڑھے کا پٹکا کمر سے لپٹا ہوا۔ ہاتھ میں ایک نفر بہ تنبیہہ الغافلین، جسے دیکھ کر کٹر سے کٹر مولوی کو بھی تپ چڑھے یہ بڑی اور نہایت بے تحاشا داڑھی، آنکھوں پہ کمانی ٹوٹی بینی ٹیڑھی عینک، ایک شیشہ بھوں پہ چڑھا ہوا، دوسرا کھسک کر رخسار کی ہڈی پہ ٹکا ہوا، موٹے دھاگے کی پچھاڑی سے کانوں میں اٹکی ہوئی۔ پان کی سلسل جگالی کرتے جس سے کوئی ایک چوتھائی محاسن شریف حنا آلود۔

گرج کر کہا" سلا مالیکم۔ یہ شعروں کی بازی کدھر ہے، کب شروع ہوگی، شعربان کون ہے؟ ایں۔"

یہ "ایں" کچھ اس جھٹکے سے صادر ہوا کہ چلتے چلتے ہماری نبض نے ایک سکنڈری کھائی اور زندگی کے آثار جب دوبارہ نمودار ہوئے ہیں تو دکھائی دیا کہ مسند پر حضرت ہی حضرت رکھے ہوئے ہیں ڈرتے ڈرتے عرض کیا" شعربازی یہیں ہے قبلہ ہی اس کے بادی ہوں گے اور شعربان یہی ہیچمدان ہے حضرت کا اسم گرامی؟"

"حاجی عبدالقدوس، تخلص حاجی، لکھا ہے حاجی جی، بہر حال حسب ضرورت اور وزن وشعر کا لحاظ کرتے ہوئے۔ جی! اللہ۔ ہاں ساکن عظیم آباد۔"

یہ "جی" اور "ایں" گویا تکیہ کلام کا دونالا پستول تھا جو بار بار غریب مخاطب پر فیر ہوتا رہتا، ساری بزم ابھی چپ کنم ہی تھی کہ حاجی جی نے نہایت بولشویک انداز سے فرمایا" شمع لاؤ ہم شعر پڑھیں گے اور دیکھو ہم شمس العلما بھی ہیں۔ خاص گورمنٹی شمس العلما جی۔"

"قبلہ یہ سوسو بتی کے چار برقی قمقمے آپ کے ملاحظے سے شاید نہیں گزرے؟"

بگڑ گئے اور فرمایا" بغیر شمع کے شاعری حرام ابن حرام ہے ایں:۔"

ان کے تیور اور تفقہہ سے مرعوب ہو کر پڑوسی بنئے کی دکان سے کاٹ کا ڈیوٹ منگوایا اور میٹھے تیل کا دیا جلا کر حاجی جی کے آگے رکھ دیا گیا۔

حاجی جی سنبھلے، کھنکارے اور ریش بیضا کے ٹھوس اور دور رخے گردے میں پینچے سے زیر و بالا خلال کر کے عینک سنے اوپر سے چاروں طرف بزم کو دیکھا اور غزل شروع ہوگئی۔

"پڑھوں؟ دیکھو پہلے پہلا شعر پڑھتا ہوں۔ سنو۔

" تم۔ تم یعنی معشوق۔ جی۔ خفا ہو مجھ سے تو میں بھی علیٰ ہذا القیاس" گردن ہلا کر

"آپ کی خو ہے وہی میری علیٰ ہٰذا القیاس"۔ سلام لیکم' سلاما لیکم "۔

قافیہ پر بزم میں ایک ہڑبونگ سچ گئی حاجی صاحب نے دوسرا شعر شروع کیا :-

"تم جو کہتے ہو۔ کیا کہتے ہو ؟ کہ تجھ سے کچھ غرض ہم کو نہیں" تو حاجی جی کہتے ہیں۔

"ہم کو کب پروا ہے اب تیری علیٰ ہٰذا القیاس" ــــ جی "۔

کون تو مے۔ فاعلاتن' را میں تیرا ۔ فاعلاتن' کون جو تم۔ فاعلاتن' کہتے ہو فاعلن دیکھو ہیں شمس العلما بھی ہوں اور کیا جواب دیتا ہوں "۔

"کچھ مرے بھی دل میں اب سوجھی علیٰ ہٰذا القیاس' دیکھا ؟ سلاما لیکم ! کیوں بھائیو میعاد باقی ہو تو ایک شعر معاملے کا اور ہے "۔

سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ "قبلہ آپ کو تو معافی دوام بہ عبور دریائے شعر ہے۔ ارشاد "۔

"بیٹھتے ہیں جس طرح نزدیک تیرے آکے غیر' اب یہاں سے معاملہ شروع ہوتا ہے "۔

"ہوگا" "آنکھ مار کے" میرے پاس بھی کوئی علیٰ ہٰذا القیاس"۔ ہے کہ نہیں ؟ آیئے! "مقطع لکھا ہے۔ پوچھتے کیا ہو ۔ ارے ۔ پوچھتے کیا ہو میاں حاجی نے دل کو جس طرح ' اس میں حاجی جی نہیں کہا تو وجہ کیا کہ وزن سے گرتا ہے' پھر سے سنو۔ پوچھتے کیا ہو میاں حاجی نے دل کو جس طرح ' کھو دیا تھا جان بھی کھو دی علیٰ ہٰذا القیاس"!

غزل ختم ہوئی' محفل تہ و بالا تھی' حاجی جی نے ناس کی ایک موٹی چٹکی سے بینی پاک کو ہلکا سہل دیا اور مسند چھوڑ کر نہایت شمس العلمایانہ بردباری سے گویا کہ شعر' مشاعرہ اور خود میر مشاعرہ سب پر ان کی یکساں حکومت تھی' بزم کا فرداً فرداً نظری جائزہ لینا شروع کر دیا۔

اب ایک اور صاحب رونق مسند ہوئے۔ ورزش کا کمایا ہوا بدن، اس پر چپی چولی کا پھنسا پھنسا جامدانی کا انگرکھا، تنگ مہری کا شرعی پیجامہ، سر پہ عرق چین کی قسم کی ٹوپی، دولت خانہ بقول میر ع :- "ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے" دلی تھا، تکیہ کھینچ کر پہلو میں لے لیا۔ اس پر کہنی ٹیک کر بہ صد تمکنت اہلِ بزم کی طرف دیکھا "تبرکاً حضرت استاد کا ایک شعر سناؤں گا۔ فرماتے ہیں اور ایمان کی تو یہ ہے کہ انھیں کا حصہ ہے۔

میں جھوٹا اور بات مری، تم سچے اور قاصد سچا، بزم نے مصرع اٹھایا :-

میں جھوٹا اور بات مری، تم سچے اور قاصد سچا،

" طنز ملاحظہ ہو اور ثبوت کتنا لاجواب کہ سبحان اللہ۔

میں جھوٹا اور بات مری، تم سچے اور قاصد سچا۔

پر یہ لفافے حاضر ہیں خط جن جن کو ملفوف ہوئے "

محفل میں کہرام مچ گیا، سبحان اللہ واہ وا کے دونگڑے برس گئے ۔

" اس جواہر پارے کے بعد میرے شعر خزف ریزے معلوم ہوں گے۔ فقط تعمیل ارشاد ہے"

پھر نہایت رس بھرے گلے سے مزے لے کر

نہ رکھا پیرہن میں پنجۂ وحشت نے کچھ باقی
بس اک دامن کہ ہے آزردۂ مشقِ جنوں وہ بھی

دوسری زمین کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔ سادگی اور بلندی کی داد دیئے بغیر نہ رہوں گا

ہر ایک جلوہ نظر فریبی ہے، وہ اگر دلنشین نہیں ہیں، اور حضور کہیں نہیں جو یہاں نہیں وہ، یہاں نہیں تو کہیں نہیں ہیں۔

اس پر لوگوں نے کہا کہ " حضرت خدا کے لئے اور۔ آپ نے تو دلوں میں آگ

لگا دی۔" حاجی صاحب نے واد دی" شاعر ہیں کہ ارگن باجا۔ طبلے سارنگی کی سنگت ہو جائے تو بی اللہ باندی کے مجرے کا لطف آ جائے۔ جی! اور پڑھو میاں دلّی وال اور پڑھو۔"

" ذرہ نوازی ہے آپ کی۔ عرض کرتا ہوں"۔ دھن بدل کر ؎

کچھ اس قدر ہے مزاجِ دلِ حزیں نازک
کہ عشرتِ غمِ الفت بھی ناگوار ہوئی

ملاحظہ ہو۔ عرض کیا ہے ؎

متاعِ زیست ہو شاید دلِ حزیں کے لئے
وہ ایک خلش جو ہوئی اور بار بار ہوئی

اب تخفیف تصدیعہ کرتا ہوں، نواب مجن صاحب کو بھی سننا ہے دور سے تشریف لائے ہیں۔"

ایک مہین سریلی آواز آئی "آپ شوق سے فرمائیے، تخفیف کا وقت آپ پہ سے صدقے۔"

اس پر تھوڑی دیر قبلہ قبلہ ہونے کے بعد نواب مجن صاحب مسند پر تشریف لائے۔ دبلے پتلے نو لونا شیوں کی جان، شربتی ململ کا سنجا فدار انگرکھا، نیچے کیچلی جالی کا ہلکا پشتی کرتا، بنارسی مشروع کا ٹھسا ہوا پیجامہ پیچی کی نکے دار ٹوپی گھونگھر والے پٹوں پر جمی ہوئی ہاتوں میں مہندی، اور فیروزے کی انگوٹھیاں، شرمیلی نگاہوں سے اگالدان پر بائیں ہاتھ سے پردہ کر کے پان تھوکا۔ باریک رومال سے ہونٹ اور باچھیں پاک کیں اور مسند پر ذری کسمسا کر غزل کا آغاز رکھا۔

"کیا عرض کروں، ژولیدہ زبانی سے محجوب ہوں۔ ملاحظہ ہو

ملاحظہ ہو ؎

جھلاتے ہوئے تارے کیسا ہیں
ملگجے پھول ترے بستر کے"

واہ واہ کا شور بلند ہوا، نواب مجن صاحب تسلیمن کرتے کرتے دہرے ہو ہو گئے۔

"دوسرا شعر ملاحظہ ہو،

خار کو گل کے قریں دیکھ کے بس یہ سمجھا
چیختے چیختے بلبل کی زباں سوکھ گئی

بزم۔ "سبحان اللہ نواب صاحب پھر ارشاد ہو"۔ مجن صاحب نے مکرر شعر سنایا۔

"یہ آخری ہے۔ عرض کرتا ہوں :۔

نازکی ختم ہے ان پر جو یہ فرماتے ہیں۔ فرش مخمل پہ مرے پاؤں چھلے جاتے ہیں

پھر تسلیمن بجاتے ہوئے پسینہ پونچھتے خس کی پنکھیا جھلتے مسند سے اپنی نشست پہ آگئے۔

کیا حاجی صاحب خاموش تھے؟ استغفر اللہ! کہنے لگے "آپ شعر کیا پڑھتے تھے معلوم ہوتا تھا اد وائن پہ طوطا تو کہتا جا رہا ہے، جی ————"

مجن صاحب کا کلام ابھی کانوں میں گونج ہی رہا تھا کہ ایک گوشے سے صدا آئی :۔

"صاجواب ہم کیا نہ سنا سے پائیں گے؟ دوئی تین تو کلم اشعار سے ہیں دہو بہی ہوئے جا رہے ہیں"۔

سب نے کہا "آیئے بسم اللہ ضرور ضرور!" دیکھا تو چکن کے کرتے اور باریک دھوتی میں ایک لالہ صاحب بندگی عرض کورنش کرتے ہوئے مسند پہ آئے۔

دریافت کیا گیا "اسم گرامی؟"

"صاحب۔ اسم گرامی تو دیکھئے ...... ہے لالہ ہزاری لال، قوم کا سیتھ

سری بابست دوسرے. فرزند نرینہ منشی بہاری لال صاحب آنجہانی مدظلہ تعالیٰ ساکن وزمینداں قصبہ پالی پرگنہ وتحصیل شاہ آباد ضلع ہردوئی، شاگرد خاص استاد خود مدفیضہ۔
"آپ کا نام ہے! چورن والے کی بانی؟ اور یہ آنجہانی اسپہ مدظلہ العالی! جی! ایں!"

حاجی صاحب کا ڈبل بیرل جو چلا تو لالہ صاحب ذری بوکھلائے مگر ہم نے یہ کہہ کر معاملہ مختصر کردیا کہ "ہاں منشی جی ارشاد"

"بس صاحب ہم تفکر سے جلدی کے مارے ایک ہی مطلع لائے پائے۔ مگر یہ ہے کہ ہے مطلع آفتاب، بسبیل استعجال قلم سے نکل پڑا۔ کہا ہے ؎

معترض موج دامن دریا کستر گئی۔ اور صاحب
کشتی کا بادبان مستر پاکستر گئی

دوسرے قافیہ پہ قہقہہ پڑا۔

"منشی جی مطلع تو درحقیقت نایاب ہے مگر یہ مُستر یا کیا بلا ہے ____ ؟"

"لے اب کیا بتادیں، ارے صاحب چوہے کو فارسی میں موش کہتے ہیں کہ نہیں پھر اس کی مادہ مشریا ہوئی کہ اور کوئی۔ اب تازہ فکر اور سماعت ہوئے جائے۔ شعر قابل تحسین ہے۔

ستلاگے داغ ہیں رخ تاباں پہ اس طرح
مانو کہ کہکشاں ہے کھلی آسمان پہ

بزم تھی کہ ہنستے ہنستے لوٹی جا رہی تھی، لالہ صاحب نے فرمایا کہ "آپ تو ہم کو خارن میں کشید رہے ہیں۔ ملاحظہ ہوئے ؎

سن کے لیلیٰ آ رہا ہے دشت میں
ناقۂ مجنوں روانہ ہوئے گیا

"منشی جی داد، مضمون تو خیر سبحان اللہ مگر لیلی کا ناقہ سنا تھا، یہ مجنوں کا ناقہ آج تاریخ میں اضافہ ہوا"

"لے اب ہم تو شعر کہت ہیں تاریخ نکھت ناہیں ہیں"

"اور منشی صاحب یہ لیلیٰ کو آپ نے مذکر باندھ دیا، قبلہ یہ تو سماعی اور قیاسی دونوں طرح پہ مؤنث ہے"

"پھر اس میں ہم کیا غلطی کہا، آج تک اردو میں کوئی معشوق عورت نبدھا ہو تو سند لائیے، اب رہ گئی یہ عورت مرد کی لڑائی تو بھیا یہ تو دلی لکھنؤ والوں ہی کو مبارک ہوئے۔ عورت ہوئے کہ مرد ہم کا اچھا معلوم دیا تھائے کے شعر میں باندھ دیا"

اس مرتبہ تو حاجی صاحب بالیقین تنبیہہ الغافلین ہی سنبھالتے اور لالہ صاحب کا کچومر نکال دیتے۔ جو ہم نے کہا کہ "حضرات تفریح ہو چکی، دو تین شعر یہیں بیٹھے بیٹھے ہو گئے ہیں، قافیہ حسب حال ہے ملاحظہ ہوں:-

دستِ حنا اُس سے اڑا جاتا ہے۔ غالباً رنگ حنا پاگل ہے
درد مند تپ غم ہے خبطی جو کرے اس کی دوا پاگل ہے

قطعہ بند ہے۔

میں نے کل مادر لیلیٰ سے کہا۔ تیرا داماد سنا پاگل ہے۔
رو کے بولی کہ حسینوں کے نصیب۔ ان کی قسمت میں لکھا پاگل ہے"

حاجی صاحب بولے "اماں تم تو کوئی اسم بامسمیٰ معلوم ہوتے ہو، مگر یاد رکھو کہ ہم بھی شمس العلما ہیں"

فائدے کی بات:- اس مضمون میں کسی شعر کے متعلق اگر شبہ ہو کہ آپ کا ہی تو براہ کرم اپنا بیان حلفی اور صرف پانچ روپے چہرے شاہی "ساقی" کو بھیجکر راقم الحروف کا بازدعویٰ منگوا لیجیے ورنہ خطا معاف آپ جانتے ہیں ع:- ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند۔

مکتب کی گزران

بچپن کے وہ دن، جب بہشت نصیب اماں باوا نے ہمیں حیوان سے آدمی اور بن جائیں تو آدمی سے انسان بنانے کی فکر میں مکتب بٹھایا تھا، آج پچاس برس کے سن میں بھی یاد آتے ہیں تو اللہ جانتا ہے یہ تالو چٹ کھوپڑی، یہ یہ ٹھنڈا لوٹی پیٹھ، یہ کفگیر سی ہتھیلیاں معاذ اللہ کرنے لگتی ہیں، ہڈی ہڈی الاماں پکارتی ہے۔ ہنسی کی بات نہیں، مکتب کی گزران کا اندازہ کچھ وہی کر سکتا ہے جس نے دودھ کے دانت گرنے سے عقل داڑھ نکلنے تک مہینے کے چار جمعے اور سال میں عید بقرعید کے دو دن چھوڑ کر کچھ اوپر ایک صدی کے بچے کھچے میاں جی کے آگے ٹاٹ کے پھٹے فرش پر دوزانو بیٹھ کر قمچیوں کے سائے میں گزاری ہو اور منہ سے اف نہ کی ہو اور نہ خطا معاف، جس کے پیر نہیں بوائی، وہ کیا جانے پیر پرائی۔

آپ جانتے ہیں کہ مکتب کی پہلی سیڑھی بسم اللہ ہوتی ہے اور حیثیت کے مطابق امیر غریب سبھی یہ مبارک تقریب کرتے ہیں اور پرانے چلن پہ چلے تو خدا رات سے چلتے ہیں، بلاوا جاتا ہے، شام ہوتے ہی ڈولی بھر بھر کے برادری کی بیویاں اترنے لگتی ہیں، ڈومنیوں کو کھچڑی جاتی ہے۔ کڑھائی چڑھتی ہے اور ڈھولک کی غنرغوں غنرغوں میں رات بھر گلگلے تلے جاتے ہیں اور یہ رت جگا منا کر تاروں کی چھاؤں

اور چوک کی روشنی میں اللہ میاں کا رحم اور گلگلوں کے طباق محلہ کی مسجد بھجوائے جاتے ہیں، جہاں طاق بھرنے اور چراغی چڑھانے کے بعد یہ زنانی رسم ختم ہو جاتی ہے۔ پھر دوپہر ڈھلے تک مہمانوں کے کھانے دانے سے فراغت ہو، بچے کو نہلا دھلا کے نوشہ بناتے ہیں اور اللہ دے تو باجے گاجے سے گھوڑے پر بٹھا کے مسجد کے سلام کو بھجواتے ہیں، عصر کے قریب مہمانوں کے جھرمٹ میں گھر کا کوئی بزرگ بچے کی زبان سے بسم اللہ کہلوا دیتا ہے اور مبارک سلامت ہو کر لوگ آئے گئے ہو جاتے ہیں۔

یہی معمولات کم و بیش ہمارے ہاں بھی برتے گئے اور دولھا بننے کی خوشی میں ہم ایسے اترائے کہ گاؤدم کی طرح پھولے ہوئے جھم جھم کے کپڑوں اور چنبیلی کی بدھیوں میں اچل مچل کے جو سوئے تو ساری رات یہی خواب دیکھتے رہے کہ موتی چور کے لڈوؤں سے کھیل رہے ہیں، چار برس چار مہینے چار دن کی کھوپڑی کے وہم میں بھی یہ تعبیر نہ گزری کہ صبح کو باسی ہو کر جب بیدار ہوں گے تو میاں جی کے مکتب اور قاعدہ بغدادی کی بھول بھلیاں میں پھنسا ہوگا۔

گٹ پٹ کے یہ اسکول جو آج کل ٹکے دھڑی کے بھاؤ سے گلی گلی ملتے ہیں، ان دنوں تو لے ماشے کے حساب سے بکتے تھے۔ عام رواج یہ تھا کہ کھاتی پیتی سرکاروں میں جہاں رتھ بہلی گھوڑے پالکی یا تیم تماخ کے اور لوازمے ہوتے وہاں گھر کے بچوں کی تعلیم تربیت کے لئے ایک میاں جی کا اسم بھی ضرور ہوتا جو برکت کے پانچ روپے تنخواہ اور عیدی جمعراتی کی بالائی پر ٹکے ہوئے الف بے سے لے کر پنج رقعہ مینا بازار تک گھوٹ اپنے میں مشاق ہوتے، ریز کرتے بچے مکتب کے پنجرے میں بند کئے جاتے اور زیادہ مدت نہ گزرتی کہ خاصے ہزار داستان کی طرح چہکتے ہوئے برآمد ہوتے۔

ایسا ہی ایک مکتب تھا جس میں بسم اللہ ہوتے ہی رونے دھونے اور

خوب خوب نیل مچانے کے باوجود ہمیں بٹھا ہی دیا گیا، میاں جی نے بڑی آؤ بھگت کی چمکارا، ناکندہ بچھیرے کی طرح پیٹھے پہ شفقت کا ہاتھ پھیرا اور مٹھائی اور کھلونے کے دانوں پر رکھ کے قاعدہ کا پہلا صفحہ چت کیا اور "میاں بھیا" ہی کہتے کہتے "الف بے جیم" کے جنجال میں الجھا دیا، پیار کے بھرے پر پہلے دن کا سبق از بر ہو گیا اور چھٹی بھی جلد مل گئی۔

اسی چہ غم میں "عین غین" تک پہنچنے پائے تھے کہ جمعرات آئی اور یہ سندیسا لائی کہ آموختہ سنانا ہوگا، جل تو جلال تو، آئی بلا کا خوف کہیے یا آنے والے جمعہ کی خوشی کہ اتنے دن کا کھایا پیا ہاضم، معدہ خالی، یعنی ہفتے بھر کی محنت اکارت، اول سے آخر تک پوری تقطیع ندارد، مطلع صاف، آگے عین غین، پیچھے عین غین، ناگہاں بڑے میاں کے تار بند تھے دانت نکلے، نچلا ہونٹ دبا، بھویں سکڑیں آنکھیں چمکیں، سیدھے ہاتھ سے کان کی لو پکڑ الٹے سے ایک دو انگشتا جنکٹ جو رسید فرماتے ہیں تو کلے پہ بیٹھا چٹ سے! معاً آنسو بھری آنکھوں سے جھل جھلمل کرتا دکھائی دیا کہ تاڑ کے جھاڑ برابر "الف" کھڑا ہے، اس کے سامنے میں سیدھی سیدھی اور یہ موٹی "ب" پڑی ہے اور "جیم" کے پیٹ میں نقطہ کی جگہ ہم خود دبکے بیٹھے ہیں!

بہرحال کھونٹی اینٹھتے ہی چکارا بولا، بھولا ہوا آموختہ فرفر چلنے لگا، وہ بھی قرات سے صحیح صحیح مخرجوں کے ساتھ، چٹکی کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ گئی اور کلے پر جو لال لال "الف دو زبر آن" بن گئے تھے وہ بھی موٹے موٹے آنسوؤں نے دھو دیے، اور ہلکا سا یہ اطمینان محسوس ہوا کہ پیٹ تو بلا سے کان ہیں منت کا جو در پڑا تھا اس نے میاں جی صاحب کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کا زنبور بھی تھوڑی دیر کے لیے ضرور موتھرا کر دیا ہوگا، طے کر لیا تھا کہ چھٹی ملتے ہی میاں جی کے خلاف گھر کی کچہری میں

استغاثہ دائر کر ہی گئے اور ایک چھوڑ دو دو جرموں کے ارتکاب پہ سزائے برطرفی تو ضرور ہی تجویز کرائیں گے۔ مگر قسمت جس پر ازل سے مکتب کندہ تھا کھوٹی تھی کراہ کراہ کے سسک سسک کے وقوعہ کا ثبوت کان کی لو گلے کا درد ایک سے ایک بڑھ کر دیا، گرامی جان اور اباجان کے متفقہ اجلاس سے فیصلہ ہمارے خلاف ہی صادر ہوا، گوشمالی اور جنکٹ بحال رہے، اباجان تو خیر ان میاں جی کے پرانے زخم خوردہ اور شاید اب تک ہم سے زیادہ بڑے حضرت سے چمکتے تھے، مگر نانی اماں! ان سے بڑی امیدیں تھیں، وہ بھی صرف "مچ! مرا ہوا میرے لال" کہہ کر ٹال گئیں، بوا فہیمن نے بے شک میاں جی کو برا برا کہا اور امرتی کا ٹکڑا دے کر شکایت مضمحل کر دی اس طرح ہماری مسل داخل دفتر ہوگئی،

مکتب کی گزران میں یہ بڑا وصف ہے کہ پڑھائی کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہوتا نہ مُردوں کی چھ ماہی برسی کی طرح ششماہی سالانہ امتحان کی پخ، کتاب ختم ہوئی پانچ پیسے کے بتاشے آئے، مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر فتوح کو پنج آیت کا ثواب بخشا گیا اور نئی کتاب شروع 'یا فتاح' 'رب یسر ولا تعسر' بتاشوں کا حساب یہ کہ بڑے آدھے میاں جی کے، باقی آدھے میں سے پاؤ خلیفہ کا حق، بچا چرا چارا، وہ سارے مکتب پہ تقسیم، ہاں جائز تھا کہ کتاب موٹی تگڑی ہو تو فاتحہ بھی سات پیسے سے ڈھائی آنے تک اور بتاشوں کی جگہ جلیبیاں،

حاضری کے باب میں بھی مکتب کی روایت مخصوص تھی، یعنی بستہ دبائے تختی لٹکائے آگئے تو خیریت اور جو کہیں رستے میں ہوا بیر جامن، امرود کا درخت، اور شروع کر دی بقول شخصے "کلوخ اندازی" اور ہو گئی دیر، پھر کیا تھا، چھوٹے چار سنٹے اور ع
پا بدست دگرے دست بدست دگرے
لائے بھگوڑے کو ٹنگی کر کے،

ان ہی حالات اور واقعات کو جھیلتے جھالتے تھوڑے ہی دن میں مکتب کی

ہوا ہمارے اندر خوب سرایت کر گئی اور قاعدہ کے بعد "آنا پانا جانا" دل دے سن لے' والی کتاب ختم کر کے اردو کی چوتھی پڑھنے اور "بڑی سے" تک تختی لکھنے لگے تھے کہ کیمیا گلے پڑی اور خلیفہ کی کمان میں بلیس تک پہاڑے اور پونے، سوئیے ڈھیئے بھی رٹنا قرار پائے' !

مکتب میں خلیفہ کا وہی رتبہ ہوتا ہے جو اسکول میں کلاس مانیٹر کا فرق اتنا ہے کہ مانیٹر اپنا ہم سبق اور جزوی جزوی اختیارات کا حامل ہوتا ہے' برخلاف اس کے خلیفہ مکتب کا سینئر شاگرد' چغلی کھانے میں طاق' مار کھلانے میں چاق' اور میاں جی کا پرو ڈکٹیٹر ہوتا ہے' تل کے لڈو یہ بھیلا سلے باجرے کی ٹکیاں آدھوں آدھ یہ بٹوا لے مگر وقت پڑے پر جس کا کھائے اسی کو بے بھاؤ کی پٹوا سکے' خلیفہ کی خطرناک پوزیشن کا اس سے اندازہ کیجئے کہ مکتب کے منحنین کے لئے آلات زدوکوب کی فراہمی اسی کے ذمہ ہوتی ہے' چھٹی کے دن باغ سے' جنگل سے' یا محلہ کی ٹال سے چن چن کے لانا اور میاں جی کو بھینٹ چڑھانا' چنانچہ بڑے خصنت کے ہاتھ کے دانوں قمچیوں کی ایک پوری پلٹن ہمیشہ فائل رہتی۔ قصور کی اہمیت کے لحاظ سے ان کا استعمال بھی الگ الگ تھا۔ شاید ہاتھ میں دبدبے جڑے تھے کہ بن دیکھے موزوں چھڑی ہی پر پڑتا مثلاً "چھمو" وہ پلپلاتی چھڑی تھی جو صرف ہتھیلی اور انگلیوں کے لئے مخصوص تھی اور اس وقت بکار آمد ہوتی جب تختی کی مشق کا "الف" تو کیں چھوڑ کر تین نقطے سے کم زیادہ ہو' یا "بے" کی کشش' ۹ یا ۱۱' نقطے سے گھٹ بڑھ جائے۔ یا جیم کا دائرہ آفتابی یا بیضاوی ہونے کے بجائے لٹک کر شہد کا چھتا بن جائے نہیں تو کسی کے چٹکی لی ہو' گدگدایا ہو' قلم توڑا ہو' یا دوات پھوڑی ہو' اس کی ضربیں تابڑ توڑ ہوتیں' اور ہتھیلی کی چکنی سطح پہ اس طرح پڑتیں جیسے تاشے پہ چوب !

تنفالو کی وہ بلغم مزاج چھڑی جو ہفتے میں ایک آدھ دفعہ ہی برتنے میں

آتی "دھنو" تھی، یہ سٹک سے پہلے میاں جی صاحب کے سر پہ گردش کرتی اور دفعتاً جب ہوا اس کے سناٹے سے بجنے لگتی، تب شمشیر کی طرح کندے تول کر گنہگار یا شاگرد کی پیٹھ پہ گر لیتی اور اپنی آمد کی یادگار ایک نیلی بدھی چھوڑ کر اٹھ جاتی اور ایسے دوچار جھپٹوں میں پیٹھ پہ اودا گھیرا بن جاتا، جھوٹ بولنے، فحش بکنے، آموختہ بھولنے یا حاجت کے بہانے مکتب سے نادارد ہونے کی پاداش میں "دھنو" اس دشمن سے پیار ہو کر برستی، جب بہ نفس نفیس یا گوشندوں کے ذریعے بڑے میاں کو کسی موزوں طبع شاگرد کی بچکانہ اشعار کا پتہ چلتا جس کے موضوع خود بدولت ہی ہوتے جیسے "تختی پہ تختی میاں جی کی آئی کم بختی" یا "کریما بہ بخشائے بھونے چنے گڑ دھانی میں ڈالے تو خوب ہی بنے، جو لڑکوں نے مانگے تو دو دو بیٹے، میاں جی نے مانگے تو ڈنڈے پڑے"

ایک چیچک رو، خمدار لکڑی اور تھی، جو شاید کسی سابق خلیفہ نے پہاڑی علاقے سے لاکر نذر کی تھی، اس کی ہر ضرب میں چونکہ ضرر شدید پوشیدہ تھا، جس کا نتیجہ بیننا تو نیلی جبڑ ترہ اور کھلا ہوا جیل، اس سے کم نکلتی، اس خاصیت کو بمصلحت راز میں رکھا جاتا، اور مکتب اتنا ہی جانتا کہ خدا نخواستہ "کبڑی کا" نکلنا اور صور کا پھکنا ایک ہی معنی رکھتا ہے، البتہ مولا بخش نام، ذات کے آبنوسی، قد کے لانبے تھکے بیل کی طرح تھان ہی پہ بندھے رہتے۔ معتبر روایت ہے کہ میاں جی کی جوانی اور ان بزرگوار کی عمر لگ بھگ تھی، اب یہ اتنے جہاندیدہ ہو چکے تھے کہ کسی بڈھے کرنیل کی طرح زبانی ڈرانے دھمکانے اور جوانی کے کارنامے سنانے بھر کے رہ گئے تھے۔

مکتب میں ڈسپلن قائم رکھنے کا یہ ضابطہ بالواسطہ تھا، اس کے سوا "سلف پنشمنٹ" یا "خود بخود سزا" کے دو طریقے اور بھی رائج تھے یعنی "اٹھا بیٹھی" اور "مرغا بننا" اٹھا بیٹھی اگر اکہری ہوتی تو ذرا نرم ہی چیز تھی" دہری، البتہ بڑی ٹیڑھی کھیر تھی، خصوصاً

اس وقت کہ دوگانے کی ایک فرد لمبی پولی کی ہوتی اور دوسری چھوٹی راس کی،

"مرغا بنا" زیادہ تر ان کند ذہن بدشوقوں کے لیے تجویز ہوتا جو سب کچھ کرتے مگر سبق ہی نہ یاد کرتے، ان مرغوں کی سیر اس وقت زیادہ پرلطف ہوتی جب حسن اتفاق سے ایک چھوڑ کئی کئی بنائے جاتے، اپنے مزے سے ٹانگوں میں سے ہات نکالے، کان پکڑے، بیٹھ اچکائے، سر جھکائے، ایک قطار میں اکڑوں بیٹھے جھول رہے ہیں، گردن پہ ٹھیکری رکھی ہے، ہلے اور گری، گری اور ہوئے ضابطہ باہر اور بڑھی سزا کی میعاد، یہاں تک کہ منھ لال چقندر ہو گیا، دل کا بخار آنسو بن کر کچھ آنکھوں سے کچھ ناک سے ٹپکنے لگا، توبہ تلا ہوئی، تب جا کر آئندہ کے وعدے وعید پہ بخشے گئے،

اکتا گئے ہو گے؟ مکتب کی گزران کا یہ ایک گوشہ ہے ابھی خوش نویسی نقاشی، بیت بازی، صنم آمد وغیرہ کے دلچسپ مشغلے، میاںجی کی طرز تعلیم اور اپنے ہم مکتبوں سے روشناس کرانا باقی ہے، فرصت ہوئی تو پھر کسی ملاقات میں ورنہ آگے آیت "والسلام"

ہماری عید

ہماری عید کا لطف اٹھانا ہو تو رمضان سے پہلے، شہر کے ایک مشہور سینما گھر میں کسی فلم کا سترھواں شاندار ہفتہ کھل رہا تھا، بے فکرے شوقینوں کی وہ ریل پیل کہ ماں باپ سے انھیں تو کشم کشتا پہ دم لے کر ڈبو رہے دونے پہ ٹکٹ خریدیں اور تماشہ پہ تماشا دیکھیں، کلمہ درود اللہ کا نام، مگر ڈرامے کا مکالمہ ازبر کیا مجال کہ ازالف تا ی ... ہم ایک شتابہ لگ جائے کوئی کاما، فل اسٹاپ چھوٹ جائے۔ اپنا شجرہ پوچھئے تو ... ہیرا بن شمشیر مگر ہیرو ہیروئن کی سنئے تو ولدیت، قومیت، سکونت زبان کی نوک پہ۔

شامت جو آئی تو آج ہم بھی ایک سیٹ کے لئے ریزرو ہو گئے، اور چراغ بتی سے پہلے سے سو رہے اور سگرٹ سلگا کر گھر سے نکلنے ہی کو تھے کہ گھن گرج کی آواز آئی "نانا نانا! ایک اور نانا نانا!" ہم نے کہا "سنتی ہیں آپ، جیسے توپیں چل رہی ہوں!" کہنے لگیں "حضور کی سلامتی میں رمضان کا چاند مبارک ہو۔" بیگم کا بیان اس پر توپ خانہ کی شہادت، ہم نے بھی ادھر ادھر دیکھ کر ایک ہوائی فیر کیا "امی جان آداب"۔ نہ جانے کدھر سے شاید باورچی خانے سے بڑھی ساس کے پوپلے منہ سے جواب آیا "جیو امی کے لال، دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو، رمضان کا چاند ہے تردد کا

منہ ضرور دیکھ لینا۔"

"ہاں تو" ہم نے کہا "آج کے چاند کا منشا یہ ہے کہ اب کے پورے تیس روزوں پر عید ہے گی۔ مناسب! مگر یہ تو کہیے سحری کا کیا انتظام ہے؟ بس انتیس کے چاند میں یہی علت ہے کہ نہ وقت پر تراویح کا پروگرام بن سکے نہ سحری کا اہتمام ہو سکے خیر تراویح کا تو یہ ہے کہ اگر وقت نہ مل جائے تو قضا سے فرصت ہے مگر سحری کے بغیر روزہ خلاف سنت ہے، بالفعل آپ اور کچھ نہ کریں، بس ایک چوزے کا قورمہ دم ہو، بھنا بھنا شوربا کم، دو تین شامی، مگر ہوں چٹ پٹے اور وقت پر گرم گرم بلیں شیر برنج تو ہووے ہی گی کیوڑے میں بسا ہے، ہوائیاں چھڑکیے اور قلفیوں میں جما دیجیے۔" اللہ اللہ خیر سلا۔"

سینما سے آئے اور گدگدے بستر پر کروٹیں اولتے بدلتے مشکل سے پل بھر آنکھ لگی ہو گی کہ محلے بھر میں ایک حشر ایک اودھم! معلوم ہوا کہ "سحری بیداروں" کی روزے داروں پر یورش ہے، اصطلاح نئی ہے اور تراش کا حق واضع کے لیے محفوظ، ہاں تو پہلی روند میں ایک نغزگو ادھر ہم پر بھی نازل ہوئے اور کان پر ہاتھ رکھ کے لگایا کڑکا۔ "جاگو جاگنے میں بھلا ہوگا اس جاگنے میں خدا ملا ہوگا۔" اے سبحان اللہ سنا کہ جس مکتب موسیقی کے پیرو یہ موسیقار ہیں۔ ان کے سرتقش کی روایتی منقار کے بجائے صور اسرافیل سے لے گئے ہیں، غالباً یہ مطلع تھا اور ہم سمجھے تھے کہ اس بحر ناپیدا کنار کی پوری غزل سے بہرہ اندوز ہونا پڑے گا، بارے ڈفلی کی پے مسلسل ضربوں نے اس نعمت سے محروم یا محفوظ رکھا۔

شعر کی معنویت تو ہم دنیا دار کیا سمجھتے البتہ صوری حیثیت کو دیکھتے ہوئے اب سے دور شہر میں پھر کوئی بے طرح یا طرح دار

مخلوط[5] یا مجبوطہ مشاعرہ برپا ہو تو بانیین یا بانیات مشاعرہ سے سفارش کی جاتی ہے کہ اس شعر کے کسی مصرعے پر ضرور متفکر ہوں۔

ڈفلی نواز کی چھ ضربی گونج مغز پاشی کر ہی رہی تھی کہ اسی اسٹیشن پر اپنے پیشرو سے کم نہ زیادہ گرجے برسے تحت اللفظ تھے یعنی "رمضان کے روزے دارو سحری کرو اٹھو" اور اس مارشل لا کی شدت کو ذری نرمانے کے لئے "روزے نماز عبادت سخاوت قبول، بارگاہِ رسول، چاندی کا چھلا زری کا پٹکا"

ان بلیات کے نزول اور مع الخیر دفع ہو جانے پر ہمیں یقین ہو چلا تھا کہ اگلے پچھلے سب معاف ہو گئے کہ سنائی دیا جیسے مینڈک کے گلے میں کسی نے کھرج پیتک اتار دی ہو اور وہ ٹربولو میں "اٹھو سونے والو سحر ہو گئی" الاپ رہا ہو۔

سراوھیا کے ان بوقلموں مظاہرے کے بعد خیال ہوتا ہے کہ آنے والی شبرات کے پھلجھڑی پٹاخوں سے جی بچیں تو اپنی سرکردگی میں ہم چھٹے ہوئے عاقل بالغ شہریوں کا ایک "وفد" پدرانِ شہر کی خدمت میں باریاب کرائیں اور شہری برادری کے کمزور اعصاب کا واسطہ دے کر قانون بنوا دیں کہ "کوئی سحری بردار جو موزوں طبع نہ ہو، جو خوش گلو نہ ہو، جو کم از کم غزل ٹھمری نہ گا سکتا ہو، بالذات یا بالواسطہ، یا بہردو، یا بذریعہ کسی، یا جملہ آلات موسیقی روزہ داروں کو سحری کے لئے بالارادہ یا بلاارادہ نہ اٹھائے گا یا نہ اٹھوائے گا۔ یا نہ اٹھا سکے گا، بصورت خلاف ورزی مرتکب، ایسے روزہ رکھنے یا روزہ دار کی صورت بنانے کا مستوجب ہوگا جو تحت قواعد اس کے لئے مناسب سمجھی یا تصور کی جائے"

---

[5] شہر کا مشہور مشاعرہ جو شعر سے شروع ہو کر ٹھینوں پر ختم ہوا۔

خیر یہ تو جب "نومن تیل ہوگا تب رادھا ناچیگی" ہوا یہ کہ دسترخوان کی صفائی اور کلی غرارے سے بچنت ہو کہ ہم نے بطور حفظ ماتقدم بیگم کو مخاطب کیا "سنئے صاحب پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔ نیت تو اس وقت ہم تیسوں ہی روزوں کی باندھے لیتے ہیں۔ مگر ایک اصولی مسئلہ سن بلکہ سمجھ رکھئے وہ یہ کہ اگر علی الصباح باورچی خانہ کے اندر نعمت خانہ کے قریب آپ ہم سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوتے یا وقوع میں آتے دیکھ پائیں جسے عرف عام میں کھانے پینے سے تعبیر کرتے یا کر سکتے ہیں تو آپ بھول کر نہ یاد دلائیں اور ہم بھی یاد کر کے بھول جائیں کہ روزہ دار ہیں"۔

چنانچہ بھول ہی بھول میں دن سرکنے لگے اور ہم بھی عادی ہو گئے کہ پابندی کے ساتھ سحری سے شروع ہوں تو صبح کے ناشتے کو دیکھتے ہوئے دوپہر کے کھانے پر دم لیں اور شام کے افطار کے بعد دوسری سحری کا انتظار ہو۔

رمضان شریف تو خیر ایک "خانگی حادثہ" تھے اوران سے مع الخیر والعافیت عہدہ برآ ہونے کے لئے "بقدر وسعت نفس" ہماری مساعی اگر کامیاب نہیں تو کچھ ایسی ناکام بھی نہیں ہوئیں۔ مگر عید کا بیباک داخلہ ع

پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

ہمارے لئے نہایت صبر آزما تھا یعنی ادھر خدا سے قطع نظر خودی کی سالانہ نمائش اور بیگم کے جوڑے کی فرمائش، اُدھر افلاس کی فراوانی اور جیب کی عریانی ڈر تھا کہ عید کے خلاف ہم کہیں ستیہ گرہ بھوک ہڑتال یا سول نافرمانی قسم کی کوئی چیز نہ کر ڈالیں اور یہ اپیوٹ روزے بھی نہ رکھنے لگیں جو کبھی کا لیا دیا کام آیا اور بیگم کی رہنمائی سے "سم سم" کی کنجی تک رسائی ہو گئی۔

تانگہ رکا .... اینڈ کو کی دکان اس وقت لین دین کا محشرستان بنی ہوئی تھی۔ دکان دار نے پہلے تو ہمیں اس چڑی مار کی نظر سے دیکھا جو جال بچھا چکا ہو، دانہ ڈال چکا ہو پھر اس طرح تیور بدل لے اکہ ع۔

ان تلوں تیل ہی نہ تھا گویا،

یہ شاید اس لئے کہ ہم ان خوش دھند گاہکوں میں سے تھے جو دیوالی دیوالی نقد سے زیادہ ادھار کھاتے میں جمع ہوتے رہتے ہیں، جانبین کا سکوت ٹوٹا، فرمائشات کی فہرست سنائی گئی اور بقایا کے تقاضے، ادائی کے حلفی وعدے پر تھمیں، آگئی حلوائی کی دکان سے دادا جی کی فاتحہ کے بعد سا ان سے لدے پھندے ہوئے ہم اٹھے ہیں تو بیگم کی مشکل کشائی پر ایمان لاچکے تھے۔

آج رمضان کی تیرھویں تھی اور کوئی رکھے تو کل منجھلا روزہ، دوپہر ڈھلے ہی سحری کی پخت کے آڈر نکلے اور تیسرے پہر تک چولھوں پہ چڑھ گئے، ادھر ہم نکلے تو شہر کا طواف کرکے رات گئے گھر میں داخل اور سحری کے فراق میں خالی پیٹ ہی سو گئے آنکھ کھلی، آنتیں مچل رہی تھیں، دیکھا تو اندھیرا گھپ! "بیگم بیگم! امی جان امی جان! فخرو فخرو!" تو یہ کیا گھوڑے بیچ کر سوئے ہیں، برقی مشعل سے دیکھا سارا گھر ظلمات، گویا آسمان سے کاجل برس رہا تھا یہ کمرہ، وہ دالان، ہائیں چراغ گل، بیگم غائب، امی جان ندارد، ماما اڑنچھو! چاہا کہ منھ پہ پانی کے دو چلو مار کر حواس ہی ٹھیک کر لیں تو لوٹے، صراحیاں، مٹکے سب خالی پیٹ! یاد آیا کہ مودی خانہ باقی ہے، کھولا، دیکھا تو ایک طرفہ تماشا! یعنی بچھونا بچھا ہے، بیگم چاروں خانے چت پڑی ہیں، نہ منھ سے بولتی ہیں نہ سر سے کھیلتی ہیں، آنکھیں بے شک کھلی ہیں اور ستم ظریفی یہ کہ مسکرا رہی ہیں، ایک طرف پہلو میں مسالا کوٹنے کا موسل رکھا ہے تو دوسری

طرف ایک کشتی میں ڈھائی تین گز سرخ شالباف کا تہ کیا ہوا ٹکڑا ایک سیب اور ہمارے کراکری سیٹ کی سب سے کٹیلی چھری، اور امی جان مراقب ہیں! "استغفر اللہ یہ کیا سوانگ ہے، اٹھیے وقت جا رہا ہے، پیٹ میں آنچ لگی ہے" ساس نے سر کی ڈگڈگی ہلا کر آسمان کی طرف اشارہ کیا پھر بیگم کو دکھایا اب ہمیں یاد آیا کہ آج چاند گرہن ہے اور بیگم صاحب کو جورو سے اماں بننے کے ابتدائی مراحل طے کرائے جا رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے بڑی بی نے شالباف کا پارچہ کشتی سے لے کر بیگم کے شکم پر رکھا اس کے سنٹر میں سیب جمایا، پھر اطمینان سے چھری سنبھالی،

"کاٹوں اول اول"؟

"کاٹو اد اد" بیگم نے کہا، چھری تیار ہوئی

"کاٹوں اول اول"؟

"کاٹو اد اد" بیگم بولیں، چھری اٹھی،

تیسرا کے "کاٹوں" اور بیگم کے ترکی بہ ترکی "کاٹو" پر چھری بیچ سے سیب پر پڑی، دو ٹکڑے، دو کے چار، چار کے آٹھ، بے منھ کا بچارہ پھل قتلے قتلے ہوگیا

بڑی بی کی سپہ گری کے اس بے وقت مظاہرے پر ہم نے جھنجلا کر کہا "لاحول ولا قوۃ، یہ سب لال کتاب کے مسئلے ہیں، اٹھیے دسترخوان چنوا دیجیے کیا آپ لوگ چاہتے ہیں کہ منجھلا روزہ بھی ہڑپ کر لیں اور پورے کافر ہو جائیں؟"

لال کتاب کا نام آنا تھا کہ بڑی بی کا رُواں رُواں غصے کے مارے لال ہوگیا، تڑپ کر بولیں "تم تو کول کے مدرسے میں جا کے نیچری ہو گئے، ہو نیچری، لال کتاب نہ ہوتی اور ماں کے پیٹ سے لے کر چھٹی چلّہ شادی بیاہ کرنی کرتوت کرے کوئی تمہیں پروان چڑھا لیتا تو ہم دیکھتے بیٹا! سات قرآن درمیان، اس حالت میں گہن کی چھاؤں مار جائے تو پیٹ کے معصوم کی کیا گت بنے"

ہم نے کہا "بیت المعذورین کے دروازے کھلے ہیں اور داخلہ مفت! اب سحری . . . . "

جملہ پورا نہ ہوا تھا کہ توپ گرجی دنانا نا !!

صبح کو سنا کہ کھانا مسجد کے ملا کو گیا ہمارے اصیل مرغ کا جوڑا سحری بردار نے مارا، بیگم کا نیا بنارسی دوپٹہ خود ماما کے پسند آیا اور شالباف کا ٹکڑا شہر کے مشہور عملیات کے بیوپاری شیخ اختومیاں کی نذر ہوا۔ تیلی راجہ البتہ گھاٹے میں رہے یعنی ان کی قسمت کا ایک انڈا سوا سیر ماش اور کپی بھر تیل ہی نکلا !!۔

آپ نے دیکھا کہ جاڑوں کے سستے روزے کس اطمینان سے ہم نے رکھے اور کل مطلع پر کس شان سے گئے ہیں، کہ دوربین بھی ہے، بھری ہوئی قرابیں بھی ہے ابر کے ٹکڑے ٹکڑے پر نظر ہے، کیوں نہ ہو تیسویں افطار کی فکر ہے، ناگہاں ع :۔

ہلالِ عید بر اوجِ فلک ہویدا شد   مبارک !

آج عید ہے! اور ہماری عید ہے، منھ اندھیرے اٹھے، نہائے دھوئے جمی ہوئی کائی کو آپ کے برق دم استرے سے کھرچ کر کلوں پر شباب کی آب چڑھائی اور مونچھوں کو کاسمیٹک کی ہٹ دے کر تاناتا ؤ دیا کہ "بقول شخصے نیک نیتی ثابت ہونے پر بھی بعض انسانی کمزوریوں کے سلسلے میں فریق مخالف آلۂ جارحہ سے ضرور شدید پہنچانے کا الزام ہم پر لگا سکے" کنگھی چوٹی سے فراغت کر کے کپڑے پہنے، پتلی نلی کی ٹانگوں چست مہری کا پیجامہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا غلاف چڑھی طنبورے کی جوڑی اوندھی کھڑی ہے خوش وضع جامہ دار کی شروانی کا دامن بار

بار محض اس لئے اٹھا دیا جاتا ہے کہ چکن کے بیل دار کرتے میں سے سرخ ریشم کا کمر بند جھلکتا رہے پاؤں میں ڈھیلی کی نازک بدن جوتی ہے جس کی وجہ سے چال ایسی کہ بتاشہ نہ ٹوٹے المختصر آج ہماری عید ہے اور سر سے پاؤں تک عطر حنا میں بسکر جب ہم اتراتے ہوئے عیدگاہ کو چلے ہیں تو بجائے تکبیر پڑھنے کے ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
رہیں منت قرضم نہ لطف ساہوکار

وردِ زبان تھا۔

"ملاحظہ ہو!"

گنگا جمنا کے بیچ ایک چھوٹے سے قصبے میں جون کی گرمیاں! "ہائے معاذ اللہ کی پناہ!" لو چل رہی تھی، خاک اڑ رہی تھی، بھوبل برس رہی تھی، مختصر یہ کہ دوزخ کا لطف آرہا تھا۔ امیر از منصوری یا نینی تال پر اور ہم ننگ دھڑنگ بہ یک دھوتی سفید کہ از تار عنکبوت ہم باریک تر بود پیچیدہ و ملفوف گھر کے ایک نمناک گوشہ میں بانس کی کھری کھاٹ پر نیم خفتہ و نیم بیدار افتادہ بودیم۔

"صبح بنارس، شام اودھ دیکھ چکے ہو آؤ تمہیں شب مالوہ بھی دکھا دیں گھر سے ٹکٹ لو اور بیک گردش لیل و نہار سیدھے جھانسی، وہاں سے ریل نہیں بدلے یا تم ریل کو ہانک پہنچیں گے پانچویں اسٹیشن پہ اترو، یہاں بھاڑے کے ٹٹو ملیں گے ڈیڑھ روپے میں ایک راس یا دو، تین چار گھنٹے تین چار گھنٹے میں بندیل کھنڈ کے اتار چڑھاؤ، ندی نالے پہاڑ جنگل طے کر لو گے تو مجھے دیدہ و دل فرش راہ، اپنا منتظر پاؤ گے۔ کالے تیتر اور چکارے کا شکار، مہوبہ کے خستہ بھربھرے پان اور ملوے کی سہانی رات تمہارا انعام ہے۔ اپنا ۳۲ - ۴۰ بور ونچسٹر رائفل ساتھ لائیو اور تھوڑا سا نورتن کا اچار۔ اور ہاں بستر و ستر کی ضرورت نہیں نقد دم آنا۔ اشیاء مایحتاج سب مہیا ہوں گی۔"

انبار مایحتاج کی ترکیب پر معنی اور الفاظ خط زدہ تھے اور یہ تھا اللہ جانے کس درجہ کی ایک دیسی ریاست کے ایک آدھ دھچوڑ۔ باقی خاندان کے واحد ہنہم ہمارے کرم فرما مرزا عسکری بی اے ناکام کے طویل خط کا نچوڑ ڈاکیہ لایا ہم نے پڑھا، ساتھ ہی محسوس ہوا کہ جیسے تلوے کھجار ہے ہوں اور پاؤں میں چسکر ہو۔

اب لازماً سوال پیدا ہوا زادِ راہ کا اور سچ پوچھتے ہیں آپ تو ایک ذرا پیچیدہ ہی تھا، یوں کہ خادم نے اپنے خانگی بجٹ کا توازن کچھ اس حساب سے قائم کیا ہے کہ آپ کی دعا سے مداخل سے مخارج ہمیشہ المضاعف ہی رہتے ہیں۔ قریب تھا کہ حالات اندوہناک صورت اختیار کر لیں سکون وانجماد کے ساتھ ارادہ بھی بہ فصلِ آئندہ فسخ کرنا پڑے کہ ع مردے از غیب بروں آید وکارے بکند، گتھی سلجھ گئی اور قبلہ گاہی کی اجازت کے علاوہ زادِ راہ کے پچاس اور امام ضامن کے نام سے ایک روپیہ کی منظوری صادر ہوئی۔ اسباب سفر میں ایک تو وہی میان میں کیا ہوا رفل، ایک مرتبان چٹنی کا اور ایک مختصر سا سوٹ کیس، یہ تیسرا عدد البتہ عمرو عیار کی زنبیل یا مداری کی پٹاری سے کم نہ تھا دو جوڑے کپڑے، پانوں کا ڈبہ۔ چھالیہ تماکو کا الفربہ بٹوہ ڈبیہ دیا سلائی کی، سوئی دھاگا، منجر آیوڈین، نمک سلیمانی، جلاب کی گولیاں، منجن کی پڑیا اور اعادہ شباب کا ضروری سامان۔ مثلاً کنگھا آئینہ، برش، سیفٹی ریزر، ہیئر پین، پوماد، روز وغیرہ حسن اتفاق سے ہم واقع ہوئے ہیں اماں باوا کے لاڈلے اور شاید بلا شرکت غیرے افزائشِ نسل کے تنہا ذمہ دار امام ضامن کے علاوہ جس کے متعلق پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ متھرا پہ ملائی کی کھرچن اور آگرہ کی دال موٹھ کا کفیل ہوگا ہم پر نہ فرق تا بہ قدم کئی قسم کی آیتیں اور پنسو رے دم کیے گئے اور گھر والوں کی یہ

مجموعی دعا لیتے ہوئے کہ جاؤ سدھارو، جیسے پیٹھ دکھائی ہے منہ بھی دکھانا برآمد ہوئے تو اسٹیشن۔

وقت تھا آنے والی ٹرین کا انجن افق بعید پہ ایک کالے دھبے کی طرح نظر آرہا تھا۔

چونکہ دیسی ناداری کے تحقیقاتی کمیشن کو ابھی آخری اعداد و شمار کا انتظار ہے اور چوتھے درجہ کا رواج معرض التوا میں ہے بدرجہ مجبوری "تھرڈ کلاس" کا ٹکٹ کٹوایا اور بسم اللہ مجریہا کہتے ہوئے جا ڈٹے ایک ڈبہ میں تو اب جدھر دیکھئے ع کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست۔

نریل کا دھواں، سلفوں کی مہک، مٹھائی پوری کے خالی دونے متھراجی کے جاتری، دھوتی بند ذکور اور لہنگے پوش مذکورات اور ان کے حوائج ضروری کے سلسلہ میں ننگے بچے اور بلا ترتیب حروف تہجی ان کے سیالات و مغلظات اب منکے تو چھوڑ لس، بالا خرچ، زیر نشین پہ متھرا تک بغیر کسی حادثہ یا ماجرے کے مع الخیر و العافیہ پہنچ گئے۔

یہاں سے جی آئی پی تھی،

یہ زمانہ وہ تھا کہ سمندر پار کی ساری پیٹ بھری دنیا میں جوتی دال بٹ رہی تھی اور ہندوستانی دساور سے بھی امدادی فراہمی لیے جا رہے تھے جدھر دیکھو رنگروٹ بکری تھی۔ ہمارے درجہ میں بھی ایک حوالدار قسم کے صاحب بھرتی کا چھوٹا پاس لئے درجن بھر نوگرفتاروں کو نتھی کئے بیٹھے تھے۔ ریل کیا تھی چلتا پھرتا نیچ قومی عجائب گھر تھا۔

اتنے میں ایک ٹکٹ کلکٹر صاحب نہایت ڈکٹیٹرانہ شان سے "ٹکٹ ٹکٹ" کہتے نازل ہوئے۔

ہماری باری آئی تو حسب عادت ہم نے جوتے کے بند کھولنے شروع کئے وہ سمجھے کہ شاید پاؤں کی عزت ہات میں آنے والی ہے اور صورتِ حال مخدوش جھانک کر ذرا پیچھے ہٹے اور دور ہی سے پنسل ہلا کر کہنے لگے "وَل ٹکٹ؟"

جوتا اتر چکا تھا اور اب پتیا بے کا نمبر تھا۔ اندر سے ٹکٹ نکلا تو ان کے دم دم میں آیا۔

"ٹکٹ کے متعلق ہمارا یہ نہایت قدیم اور محفوظ اصول تھا۔ انھیں بے ضابطہ معلوم ہوا یا کیا کہ ناک بھوں چڑھا کر انھوں نے ہمیں اپنی بلز ئی کی روشنی میں دھرلیا، نظر پڑی بندوق پر، کندے اچکا کر ہمیں دیکھا۔ تھرڈ کلاس کو دیکھا اور دوسرا سوال فیر کیا:- "Have you Got a license for this Gun"

(تمہارے پاس اس بندوق کا لائسنس ہے)

ہمیں سوجھی چھیڑ کی، کہا:-

"Not only for the gun but for shooting with the gun even"

(یعنی نہ صرف بندوق کا بلکہ بندوق سے مار ڈالنے کا بھی)

یہ سنتے ہی صاحب بہادر کن انکھیوں سے ہمیں دیکھتے ہوئے "بیک ٹننٹ" ہو گئے۔

اب دل لگی سنئے کہ آپ نے جاتے ہی پولیس میں رپٹ داغ دی کہ تھرڈ کلاس بوگی نمبر، میں خاکی ڈریس پہنے ایک خطرناک اور مسلح جرائم پیشہ سفر کر رہا ہے۔

بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا، تھانے دار سوچے کہ اچھا نشکار گھا اگر ثابت ہو گیا جیسا کہ ہم ثابت کر لیں گے تو اس خاکسار کو بھی دبوچیں گے اور ع بیک

گردشِ چرخ نیلوفری، عہدہ، ترقی اور نام بھی کما لیں گے۔ وردی ڈانٹ کر جج گنگ رپا رپ کرتے آن دھمکے، اور مستقبل کی خوشی میں ایسے سٹ پٹائے کہ فرمانے لگے "تم بغیر بندوق کے لائسنس لیئے جا رہے ہو۔ حراست میں آنا ہوگا" ہم مسکرائے تو اور بھڑکے۔

"ہم سب انسپکٹر از روئے قانون سوال کرتے ہیں کہ اس بندوق کا لائسنس کہاں ہے؟"

ہم نے جواب دیا کہ واللہ! جون کا بھی کیا پر تاثیر مہینہ ہے۔ داروغہ جی! اس بندوق کے لیے لہسن پیاز کی ضرورت نہیں۔ اس میں کارتوس کا بگھار دیا جاتا ہے"۔ کمر کی پیٹی دکھا کہ "اور ملاحظہ ہو، ایک دو کا نہیں پورے دو سو کا"۔

اب تو یقیناً داروغہ جی کے سامنے پولیس کی کپتانی ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ لپک کر چاہتے تھے کہ کلائی پر ہاتھ ڈالیں جو ہم نے کہا "بوکھلاہٹ کی سند نہیں، قبلہ یہ گلوری حاضر ہے"۔ پھر آہستہ سے کہا "ہمارا نام ہے خان بہادر آدارہ آف سنہ ۱۹۱۸ء سرکاری گزٹ دیکھیے، بندوق تو بندوق ہمیں تو سرکار سے توپ باندھنے کی بھی اجازت ہے۔

خان بہادر اور گزٹ کا نام سنا تو ذرا داروغہ جی کی وردی ڈھیلی پڑی اور وہ ڈبے سے یہ دھمکی دیتے ہوئے نکلے کہ گزٹ دیکھتا ہوں اگر رتی برابر جھوٹ نکلا تو بغیر لائسنس کے اسلحہ آتش فشاں رکھنا، ایک، بھک سے اڑ جانے والے آتشگیر مادہ کا قبضے میں پایا جانا، دو، اور تلبیس شخصی کا تیسرا چالان بھی پیش کرنا پڑے گا۔

اتنے میں گارڈ نے سیٹی دے کر ہری لالٹین کا سگنل دیا دیو پیکر انجن گرجا اور ایک دفعہ بھق بھقا کے جو سمٹنا ہے تو صد ہا قینچیوں

پہ بل کھاتا، فیل مست کی طرح جھومتا ہوا جھانسی لائن پہ دوڑنے لگا۔

پلیٹ فارم کے آخری سرے پر داروغہ جی کھڑے تھے، ریل کی شائیں شائیں میں سنائی دیا "خان بہادر صاحب! آپ سچے، سرکاری گزٹ سچا، مگر میں سب انسپکٹر کہتا ہوں کہ آپ لائسنس بغیر بندوق کے لئے جا رہے ہیں"

"ہم نے کہا "سچ ہے، موسم ہی ایسا ہے"

رفل در بغل، سوٹ کیس کا تکیہ، سوئے تو پچھلے کو ہزاروں برقی قمقموں میں جگمگاتا ہوا جھانسی کا اسٹیشن، دوپہر کا کھایا پیا سب تہ نشین ہو چکا تھا، اب بھوک لگی تھی اور بڑی مشکل یہ کہ جسے بھوک لگی تھی وہ ایک شریف آدمی تھا اور اس وقت دوگونہ کشمکش میں مبتلا تھا، یعنی ادھر تو حلوائی کی دکان اور ہمارے درمیان خالی سوٹ اور ڈیلو کاٹ کا بوٹ حائل تھا۔ ادھر جیب کی تہی دامنی اور ریفرش منٹ روم کا بل کسی ایک نقطۂ اتحاد پر جمع نہیں ہو رہے تھے۔ ناچار آنکھوں پہ ٹھیکری رکھ کے مٹن چاپ اور کٹلس کے مقابلہ میں پوری کچوری اور کدو کی ترکاری کے حق میں اپنا ووٹ دینا پڑا۔

آتما کے اس خالص سودیشی تغذیہ سے فارغ ہوتے ہی گھنٹی بجی کہ مانک پور، بارہ بج کر قریب المارچ تھی۔ ہمیں ٹکٹ بدلوانا تھا بکنگ آفس کی کھڑکی میں جھانکا، بابو صاحب دھوتی بنیان میں ننگے سر، ناک کی نوک پر عینک جمائے ڈبڈبائی آنکھوں سے کوئی رجسٹر دیکھ رہے تھے۔

"بابو جی! ٹکٹ"

"کہاں کا؟"

"مانک پور لین پہ پانچویں اسٹیشن کا۔"

انگلیاں مروڑ کر "ٹھہر کا"

ہم سمجھے کہتے ہیں "ٹھہر کے آؤ"

"بابو جی! گاڑی جا رہی ہے آپ کہتے ہیں "ٹھہر کے آؤ"

"تم کانوں کا آپریشن کراؤ۔ ہم کہتے ہیں 'ٹھرکا' وہ سنتے ہیں "ٹھہر کے آؤ"
بات واجبی تھی، باعزت پسپائی اور ٹکٹ لے کر جھپ سے گاڑی میں بیٹھ گئے، چٹنی کا مرتبان اور سوٹ کیس چھینکے پر رکھا، اپنے لئے جگہ بنانے کی فکر تھی کہ ریل چل دی۔

معاذ اللہ! ریل کیا بھونچال تھا۔ یعنی ریل پٹری پر اچک رہی تھی، ہم ریل میں پھدک رہے تھے۔ کسی چیز کو قرار نہ تھا۔ لوٹا گلاس سے، گلاس ناشتہ دان سے، ٹرنک صندوق سے اور صندوق بنچ سے مسلسل ٹکرا رہے تھے اور اس پیہم تصادم سے لے تال میں پورا آرکسٹرا بج رہا تھا۔

قریب ہی ایک بزرگ سب کی نظر بچائے پو پھٹنے سے پہلے ہی پیٹ کی پوجا میں مصروف تھے۔ ہر دوسرا یا تیسرا نوالہ ہات یا منہ سے نان کو آپریشن پہ تلا ہوا تھا قضا کا مارا چٹنی کا مرتبان کسی پڑوسی سے الجھ پڑا۔ کاغذی کانچ کا میدان جا پایا، گردن الگ، پیندہ الگ اور ناشتہ چٹ ہیں کہ از سر تا پا شیرہ ہی شیرہ، لاحول ولا قوۃ،

نوالہ کی جگالی کرتے ہوئے سر اٹھا کر دیکھا تو تقاطر ابو نیسان سے مروارید آب دار کچھ آنکھوں میں کچھ ریش مبارک پر، اس پر سرکے کی تیزی اور نمک مرچ کی چرپراہٹ، گھبرا کے اٹھے، ایک ڈھیکلی کھائی۔ ناشتہ دان معہ محمولات سربسجود اور خود حضرت رکوع میں لگے ایک سرے سے ہمیں اچار اور ریل کو کوسنے۔ عرض کیا، قبلہ، چڑھندے نہ ہوں۔ اللہ میاں نے کبھی اپنے بندوں کے لیے آسمان سے من و سلویٰ اتارا تھا۔ ۔ نہ جانیے ان کی مسافر نوازی کے

کہ اس مرتبہ آپ کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے نورتن کا اچار مرحمت ہوا ہے مگر اتنا خیال رہے کہ مٹنا دے سے زیادہ نہ چکھنے گا ورنہ منہ کے ساتھ پیٹ چلنے کا بھی اندیشہ ہے۔

چلتے چلاتے ریل ٹھیری، سامنے بغیر پہیوں کی ایک مال گاڑی زمین پر دھری تھی اور انفرادی حیثیت سے بکنگ آفس، تار گھر، مال گودام، لیمپ روم، ویٹنگ ہال اور اسٹاف کوارٹرز کو مخلوط کرکے اس مرکب کا نام تھا "ٹھرکا ریلوے اسٹیشن"۔ اترے، ٹکٹ دیا، بوجھ ہلکا ہو ہی چکا تھا۔ بندوق پیٹھ پر، سوٹ کیس ہاتھ میں، بابوجی سے پوچھا "بابو کہاں ملیں گے؟"

دل لگی باز بابو نے جواب دیا "بابو تو نہیں یہ بابو بیٹنگ حاضر ہے" قلی کو بتا گئے اور وہ ہے کانے ٹٹو کا بدھو نفر، کہاں کے ارادے ہیں؟"

منزل مقصود کا نام لیا تو کہا، لین لین چلے جایئے آگے پگڈنڈی ہے۔ پوقدمے چلے تو بارہ کوس زمین ناپنے کے بعد آئے گی ندی، ادھر انگریزی، اُدھر رجواڑہ، گڈ بائی"۔

اس گڈ بائی نے تو ہمیں بھی بوکھلا دیا۔

جون کا مہینہ وہ بھی بندیل کھنڈ کا، پگڈنڈی کی پیادہ روی، سونا جنگل کہیں کہیں کوئی بندیلا چرواہا اور بار بار کالے تیتروں کی سبحان تیری قدرت، نہ کھانا نہ پانی۔

الحاصل ٹھیک اس وقت کہ آفتاب سوا نیزے پر تھا، ندی دکھائی دی جو بھرپور جا رہی تھی۔ اب اسے پار کرنا ایک معمہ تھا جس کا حل ایک فرتوت کشتی اس کے بارے میں راویانِ اخبار وناقلانِ آثار کا یہ قول فیصل سینہ بہ سینہ چلا آیا ہے کہ تحفظ، پائداری اور خودناخدا کا وجود، اگر محذوف مان لیا جائے تو کشتی نوح کے باقیات

الصالحات یہی بوسیدہ تختے تھے جو چند زنگ خوردہ کیلوں سے جڑے ہوئے ہم میں اور ہمارے مرقدِ آبی میں حد فاصل قرار دیے جا سکتے تھے۔

یہ طرفہ ماجرا بطور جملہ معترضہ ذکر کے قابل ہے کہ کشتی پانی پہ تھی اور پانی کشتی میں۔ شاید کسی ایسے ہی "موقع واردات" پر شاعر کو ع دریا درون کشتی کشتی درون دریا۔ والا صوفیانہ مضمون ہاتھ آیا ہوگا۔

یہ دیکھ کر کہ انتشار انتشار میں خیمہ اٹھ جائے گا۔ ہم نے پانی کا رخ کیا اور ع کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں، کہہ کر آنکھیں میچ، ڈانڈلے اناڑی کے سے ہاتھ چلانا شروع کر دیے۔

کیا ہوا اور کیا گذری، کچھ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، مگر آنکھیں اس وقت کھلیں جب کشتی راج کے کنارے سے ٹکرائی اور بد حواس ہو کر ریتی پر چڑھ گئی۔

کیچڑ پانی میں گل حکمت ہو کر اٹھے ہی تھے اور زبان پر بیساختہ ؎

جان بچی تو لاکھوں پائے خیر سے بدھو گھر کو آئے

جاری تھا کہ آواز آئی "پہلے چوکی پہ اپنا علم، لکھائیے۔ جا کر دیکھا تو ایک ٹیلے کی آڑ میں ٹین کا سائبان، اس میں ایک پرانی آرام کرسی پر داڑھی چڑھائے خضاب لگائے، ہاتھ پاؤں پھیلائے ایک بزرگوار دراز تھے جن کی ہیئت کذائی دیکھ کر خیال ہوا کہ یا تو یہ شہر کے باجہ والوں کے سرغنہ ہیں، یا شاید ریاست میں آثار قدیمہ کا محکمہ ابھی نہیں کھلا ہے۔ ورنہ "پولیس" کا یہ قبل مسیح ایڈیشن" اس سائبان کے بجائے اسٹیٹ میوزیم کے کسی شوکیس میں ہونا چاہئے تھا۔

"السلام علیکم!"

جواب میں کڑ کڑا کے ارشاد ہوا "یہ راج ہے اور ہم پولیس، تمھاری رجسٹری ہوگی اور پھر صاحب سپرنڈنٹ بہادر کا ملاحظہ۔"

ہم سمجھ گئے کہ ان سے کوئی سنجیدہ گفتگو بھینس کے آگے بین بجانا ہے عرض کیا کہ "جناب کی دعا سے یہاں تک تو بیڈ آ گئے ہیں۔ ندی میں البتہ بیرنگ ہو جانے کا خطرہ تھا، و لے بخیر گزشت، اب رجسٹری سے تو ہمیں رکھئے معاف ورنہ محصول رجسٹری بذمہ رجسٹرار ہوگا۔ رہ گیا صاحب سپرڈنٹ کا ملاحظہ، یہ آپ کی صواب دید پر ہے، چاہے مسل پہ بملاحظہ لکھ کر آگے بڑھا دیں، چاہے یہیں داخل دفتر کر دیں۔"

گفتگو کا سلسلہ قلم دوات اور ایک بہی کھاتہ نما رجسٹر کی آمد نے منقطع کر دیا لانے والا پولیس کا جوان تھا اور ہمارا ایمان ہے کہ اس کی صورت و ہیئت دیکھ کر اگر کسی شخص کو اقدامِ خودکشی کا شوق نہ پیدا ہو تو وہ بدذوق درشکمِ مادر بہتر۔

اب ہم درج رجسٹر ہونا شروع ہوئے۔

"نام؟"

"خان بہادر آوارہ۔"

"والد کا نام؟"

"عالی جناب تقدس مآب حضرت قبلہ و کعبہ ..... "

"ٹھیریئے، رجسٹر کا خانہ چھوٹا ہے اور نام بڑا معلوم ہوتا ہے، خانہ پری بالفعل ملتوی، آگے چلئے، کہاں سے آئے؟"

"گھر سے۔"

"شاباش، خانہ کے بالکل برابر، نہ چھوٹا نہ بڑا، کیوں آئے؟"

"اول تو آپ کی ندی میں غریقِ رحمت ہونے، یا پھر، سوئے اتفاق سے بچ گئے تو گھومنے پھرنے، دیکھنے بھالنے۔"

"وہ تو ہم سمجھے ہی ہوئے تھے، یقیناً تم ولایتی جاسوس ہو اور تیزی سے

پولیس کی زد میں آ رہے ہو۔"

"اپنے نزدیک تو موت کے منہ سے اس وقت نکل کر میں پولیس پروف ہو چکا ہوں۔ آگے آپ کی مرضی۔"

"تمہارے پاس سامان کیا کیا ہے؟"

"ملاحظہ ہو۔ اول تو ہم بہ نفس نفیس۔ پھر یہ میگزین رائفل گیارہ کارتوس کا لقمہ، نصف منٹ میں ہضم، اٹھارہ خوراکیں کمر میں موجود، پھر بھی احتیاطاً دو فاضل اس کے بعد یہ سوٹ کیس، جس میں بھیس بدلنے کا مکمل سٹ، اور اخیر میں واسکٹ کے اندر تھرڈ کلاس کا ٹکٹ، اور پوری کچوری کا بل منہا کر کے اکتالیس روپے تین آنہ سوا پانچ پائی زر نقد، چہرے شاہی، کہیے تھانے دار صاحب کیا خیال ہے؟"

بیان ختم ہوا۔ البتہ رجسٹر کے آخری خانہ میں جو عبارت لکھی گئی یہ تھی۔

"فدوی تھانیدار متعین لب دریا کی رائے و تجربہ میں مظہر نودارد بڑا کوئی وہ معلوم ہوتا ہے، حدود ریاست میں نہ داخل ہونے دیا جائے آئندہ جو حکم ہو۔"

اس کے بعد ہمارے اور تھانے دار کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ اشد راز میں تھی۔ اور ع سچ پوچھتے ہیں آپ تو اب یاد بھی نہیں۔ اتنا ضرور خیال رہ گیا ہے کہ شاید حق کا مطالبہ، اس کی رقم کا تعین اور بصورت عدم چکائی حوالات سے لے کر حبس دوام بعبور دریائے شور تک کوئی ذکر تھا۔

شامت اعمال سے ہماری سواری کے لئے جو گاڑی پکڑی گئی اس میں پنجرہ پول کے بیل تھے اور خود گاڑی چھوٹی موئی کی لکڑی کی، پہلی منزل میں اس پہ ہم اور کانسٹبل "بمعہ" بہی کھاتہ نما رجسٹر لدے اور سفر کے آخری حصہ میں جبکہ

خدا خدا کر کے صاحب سپرڈنٹ کے درِ دولت کا کچا احاطہ اور تاروں کی چھاؤں میں لہراتے ہوئے جھنڈے والا پھاٹک سامنے تھا تو گاڑی اور بیل ہم پر سوار تھے۔

ہمارے قافلے نے ابھی دم بھی نہ لیا تھا کہ فضا مرتعش ہوئی اور کان کے پردوں پر "ہلٹ ہُکم سَدر" کا موہوم سا نقش چھوڑ کر ساکن ہوگئی، نیم تاریکی میں دکھائی دیا کہ پھاٹک کے اندر ایک غول بیابانی نے کونے میں سے بندوق کی وضع کی کوئی چیز اٹھائی پھونک مار مار کر اس کی گرد جھٹکی اور ہم سے کوئی چھ سات ہاتھ کے فاصلہ پر پینترہ بدل کر مقابل کھڑا ہوگیا۔ شاید جلدی میں یا ممکن ہے بھول کر، بہرکیف ہم نے غور کیا تو بندوق کا کندہ ہماری طرف تھا اور بیچ سینے کو تاک رہا تھا۔

"ڈرو نہیں، چلانے کے لئے نہیں تم کو چمکانے کی خاطر پہرہ دار نے چھپائی ہے، گرمی گرمی گولی بارود بھرنے کا آرڈر نہیں ہے اور کہنے کو تو ہم برسات میں بھی نہیں بھرتے، ہاں جاڑوں میں آتے تو اب تک کبھی کا چھٹانک بھر سیسہ پی چکے ہوتے"۔ پھاٹک گزر چکا تھا، صاحب سپرڈنٹ کی کوٹھی کا پیش منظر کیا تھا۔ بنجاروں کا ٹانڈا تھا یا کسی دیہاتی برات کا پڑاؤ۔ دو چار جھلملاتی منتشر لالٹینیں، کہیں اناج کے چھکڑے لدے کھڑے ہیں، بیل چارہ کھا رہے ہیں۔ جوئے نکلے گاڑیبان کا چولہا چڑھا ہے۔ مکئی کی موٹی موٹی روٹیاں پک چکی ہیں۔ دال کھد بد کھد بد کر رہی ہے۔ خود نریل کے کش لے رہا ہے۔ فیلبان ہاتھیوں کے روٹ پکا رہے ہیں۔ دو مکنے پیپل کے موٹے موٹے ڈالوں سے سونڈ کو ورزش کرا رہے ہیں، ایک چھپر کے نیچے گھمر گھمر چکیاں چل رہی ہیں۔ گھوڑوں کا دانہ دلا جا رہا ہے۔ گھوڑوں کے منہ پر توبڑے چڑھے عیاروں نے

گھاس کے گٹھے سامنے جھٹک دیئے ہیں۔ کسی کی مالش ہو رہی ہے، کوئی نہلا یا جا رہا ہے۔ لوہے کی سلاخوں کے ایک بڑے پنجرے میں چیتنے پڑے ہوئے ہپ ہپ کر رہے ہیں۔ کہیں جگہ بطخوں کا جھرمٹ ہے، سب بیٹھی ہیں، بطخا ایک ٹانگ پر کھڑا پہرہ دے رہا ہے دو تین اونٹ بھی بلبلاتے دکھائی دیئے۔ سار باوں کی عورتیں بچے کہانی کہہ سن رہے ہیں۔

غرضکہ اس بے محابا مجمع کو پھاندتے پھوندتے آگے بڑھے، سامنے ایک مکان نظر آیا۔ دروازہ پر ٹاٹ کا پردہ، روشنی بھی ذرا مود کی تھی۔ یہ تھی صاحب سپرڈنٹ بہادر کی کوٹھی یا آپ جو چاہیں کہیں، چلتے چلتے کسی نے ہمارا راستہ روکا، گیر دی کھادی کا دھاری دار کرتہ اور جانگیہ پہنے ایک شخص نمودار ہوا سر پر غالباً مقوے کی ٹوپی تھی جس پر پیتل کا مارکہ لگا تھا، گلے میں لوہے کا طوق اور اس میں لکڑی کی تختی پتہ دے رہی تھی کہ یہ کوئی میعادی مہمان سرکار تھا اور اپنے کئی ہم پیشہ برادروں کے ساتھ ڈیوڑھی کا محلدار اور صاحب سپرڈنٹ بہادر کا عرض بیگی تھا۔

اطلاع ہوئی۔

تابڑتوڑ جمائیاں آرہی تھیں، پیاس کے مارے حلق میں آنچ ہو رہی تھی کہ صدر کمرے کی چلمن ہٹی، چکن کا کرتہ، غرارے دار پاجامہ پہنے، پان چباتے صاحب سپرڈنٹ بہادر یا مرزا عسکری بی اے ناکام کھڑے تھے، خاص ان پٹاک دیا، لپکے اور لپٹ گئے، کانسٹبل دم بخود کہ صاحب پر "میاں" آ گئے یا نصیب دشمنان کوئی دورہ پڑ گیا۔

"اٹھے گا بھی یا دن بھر تکین بستر ہی سے بنے رہے گا"

آنکھ کھلی، روز روشن تھا اور مرزا عسکری ناشتہ کا خوان اور چاء کی کشتی ہمراہ ہاتھ میں خاصدان، مچھر دان میں سے جھانک رہے تھے۔

" فراغت کر لو تو آج پاگل خانہ سے تمھاری بسم اللہ کریں جس کے خوش قسمتی سے ہم پاگل ایجنٹ ہیں، واپسی میں سیر و شکار کا تفصیلی پروگرام بنیگا"

" بھئی ہم تو ندی پار کرتے ہی اپنے کو پاگل خانہ میں تصور کرتے ہیں کیا ابھی کچھ باقی ہے ؟"

" ہاں میں کہنا ہی بھول گیا کہ اس سڑی تھانے دار کو روبکار کے ذریعہ تمھارے حالات سے مطلع کر دیا گیا ہے۔ تم سے "حق" مانگتا تھا! احمق کہیں کا تھانیدار تو کجا تم سے تو لاٹ صاحب بھی حق نہ مانگ سکیں۔"

اب ہم تھے اور دن عید، رات شب برات، یعنی صبح کو نمک سلیمانی اور رات کو جلاب کی گولیاں !۔

لطف آرام کا نہیں ملتا
آدمی کام کا نہیں ملتا!

(داغ)

آدمی

حساب کر کے دیکھا، چھ مہینے کے اندر اندر آج گیارہواں آدمی تھا جس نے بوریا بستر اسمیٹا، پینترہ بدل کر "آداب ساب" کہا اور "ملک خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست" کے کڑوے بول سینے پہ نکالتا ہوا خانہ بدر ہوگیا، ہم نے کہا چلئے ع اچھا ہوا عذاب کٹا دردِ سر مٹا۔ سچ ہے پارس کا پتھر، کیمیا کی بوٹی ڈھونڈے تو ملے، مگر کام کا آدمی، اے معاذ اللہ، ملے تو شاید اسی بھاگوان کو جو پورے ۲۴ قیراط سونے کے قلم سے تقدیر لکھا کر آیا ہو،

ہمارا یہ نیٹو تجربہ خالص سودیشی آدمی کو برسوں جیسا نیدہ، مالیدہ صاف مودہ کے بعد حاصل ہوا ہے، ممکن ہے کہ کوئی مسٹر اسکویٹر اپنے بوائے بٹلر کے تحلیل و تجزیہ کے بعد یہ نظریہ غلط ثابت کر دیں،

افضل گنج، فرخندہ بنیاد میں رہتے تھے، ایک روز دیکھا، نیم آستین پہنے نیلے رومال کا تہمد باندھے صحن میں ٹہل رہے ہیں، تیوریاں چڑھی ہیں، ڈاڑھی کا بال بال بکھرا ہے، اتنے میں راوی کہتا ہے، میں پہنچا اور آداب بجالایا، کہنے لگے "آدمی کام کا نہیں ملتا ہیں" میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کی، سبحان اللہ کیا

بے ساختہ مصرع ہے، ترش ہو کر بولے "لاحول ولا قوۃ ہم کہتے ہیں' آدمی کام کا نہیں ملتا' آپ کو سوجھی ہے شاعری' مصرع کی داد دے رہے ہیں' پھر آدمی کی بدعنوانیاں بیان کرتے کرتے کہنے لگے "بھئی تم سچے' مصرع ہو گیا' کیا یاد کرو گے' پنسل کاغذ نکالو اور غزل پوری کرو' مطلع لکھو ؎

لطف آرام کا نہیں ملتا
آدمی کام کا نہیں ملتا

پھر کیا تھا' ٹہل رہے تھے اور شعر پہ شعر الہام ہو رہا تھا' چند منٹ نہ گزرے تھے کہ کام کا آدمی تو نہ ملا' اردو کو ایک دو غزلا ضرور مل گیا'

یہ تھے نواب مرزا خاں داغ' جہاں استاد' بلبل ہندوستان' نواب فصیح الملک بہادر' اللہ کا دیا گھر میں سب کچھ تھا اور نہ تھا سو قسمت میں کام کا آدمی'

شیخ علی حزیں کی سنئے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے' کون نہیں جانتا کہ وہ فقیر تھے! کون نہیں جانتا کہ وہ امیر تھے! اور یہ تو سب کو معلوم ہے کہ ولایت سے آئے' بنارس میں جئے اور وہیں کی خاک ہوئے' مشہور ہے کہ دستِ غیب پر بھی قدرت تھی' اودھ کے لکھ لٹ نواب آصف الدولہ کی دعوت کی' پردیس اور ان کے ناک چڑھے پن کے خیال سے نواب نے باتوں باتوں میں ٹوہ لی کہ شیخ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں' کہا آدمی نہیں ملتا' شکایت کی نہیں تھے شیخ کے آدمی' اسم گرامی میاں رمضانی'

بعض بے فکرے شعر و سخن کی چاٹ میں ملاقات کے طالب ہوئے تا وقت

ہو چکا تھا، رمضانی آقا کے اوقات سے واقف، مزاحم ہوئے اس پر ایک نے بگڑ کر کہا "در درویش را دربان نہ باید" فقیر کے دروازے پہ پہرہ چوکی کیسا! رمضانی بولے "بباید تا سگ دنیا نیاید" منہ کی کھائی اور چپکے چلے آئے۔

برسات تھی اور مکھیوں کی یورش، نازک مزاج شیخ نے تنگ آکر کہا "رمضانی مگساں می آیند" رمضانی بے بس مگر مالک کی دلدہی بھی لازم، جواب دیا "ناکساں پیش کساں می آیند" ذوق سلیم ہے تو جواب کی داد دیجیے، ورنہ رمضانی کی آمد کا آخری لطیفہ اور سن لیجیے، رات تھی اور شیخ مصروف خواب، آنکھ کھلی، وقت درکار تھا، پوچھا "رمضانی از شب چہ قدر رسیدہ باشد"؟ انھوں نے آسمان دیکھ کر کہا "آغا، زلفش بہ کمر رسیدہ باشد" آدھی رات ہو چکی،

یہ تھا حزیں کا آدمی، اور اسی کی شکایت ہوئی تھی نواب سے کہ جسے دے مولا اسے دے آصف الدولہ، ہو سکے تو آدمی دلوائیے،

صفات کے لحاظ سے ہم نے بالفعل آدمی کی تین انواع قرار دی ہیں، یہ ضرور ہے کہ اس موضوع پر تحقیقات کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے، اور دنیا ہر جدید اضافہ کو خوش آمدید کہنے کے لیے چشم براہ،

آپ نے کہا "کوئی ہے؟ دین آمد! ایک گلاس پانی لاؤ" "جی حاضر، بہت خوب، ابھی لایا، لال خاں، سرکار پانی مانگتے ہیں، سنتے نہیں، گلاس دھو کے لے جاؤ نا"

"پانی نہیں آیا دین آمد؟"

"لایا سرکار، گلاس پاک کر لوں، کیا لال خاں، ارے دیتے سرکار پانی پانی

کر رہے ہیں، بھلے کاہل وجود ہو بھیا "
پانی نہ آنا تھا نہ آیا، یہ دین اللہ ہیں گل میخ،

"دیکھو مجو خاں یہ چوانی ہے، بازار سے دیکھ کے اچھی بالائی تو لاؤ "
"بہت خوب، ابھی لایا، مگر یہ ہے کہ دس بجے ہیں، جمی نہ ہوگی، اور جمی بھی تو بک گئی ہوگی "
"بڑے حجتی ہو، جا کے دیکھو تو سہی "
"چلا خداوند، میں نے یوں کہا کہ برسات کے دن ہیں، دودھ دیر سے آتا ہوگا، جوش کھاتے کھاتے بھی عرصہ لگتا ہوگا، پھر بالائی جمتے جمتے اور چار گھنٹے چاہیئے ہوں گے"
یہ مجو خاں کہلاتے ہیں نجومی،

"مدار صاحب "
"جی "
"دیکھو یہ خط لے جا کے بھائی محمد حسین تحصیلدار کو دو، اور ابھی جواب لاؤ دیر ہوئی تو سمجھیں جانو گے "
"میاں ابھی لایا" کہہ کے جو مدار صاحب نکلے تو صبح کے گئے گئے ڈیڑھ بجے لوٹے،
"یہ تم آٹھ بجے گئے تھے اور غضب خدا کا دوپہر ڈھلے آئے ہو، عدن باغ کے پیچھے تو بھائی صاحب رہتے ہیں، جواب لائے ؟ "
"لے میاں آپ ناراض ہوتے ہیں، پہلے پہلے سن تو لیجئے، گھر سے نکلا موڑ سے آگے بڑھا تھا جو پہرے کے جوان نے ڈانٹا کہ رستہ بند ہے، بڑے صاحب

کی سواری آ رہی ہے' کیا کرتا میاں رکنا پڑا' گلیوں گلیوں گھوما' جدھر جاؤں ناکے بندی کہیں ڈیڑھ گھنٹے بعد راستہ کھلا' تحصیلدار صاحب میاں رات سے مجرے میں گئے تھے' سورج نکلے آئے آرام کرنے چلے گئے' بہ مشکل سامنا ہوا' خط دیکھا سرکار کے ڈر کے مارے بھاگم بھاگ چلا تو یہ ہوا کہ ادھر سے آ رہا تھا تانگا' ادھر سے جا رہی تھی موٹر' دونوں میں ہو گئی ٹکر' دونوں پولس میں تھیائے گئے' گواہی میں غلام بھی دھرا گیا' بیان ہوا' چھلکے لے گئے' بارہ پیسے جوان کو پوچھنا پڑے تب جا کے چھٹکارا ہوا خدا خدا کر کے پٹیالا پتا حاضر ہوا ہوں' آگے آپ مالک ہیں"

واقعات اس کے برخلاف تھے' بڑے صاحب لکھتے ہیں' مجرا اور بھائی صاحب! سن پائیں تو مدار صاحب کو سولی ہی تجویز کریں' موٹر کا حادثہ دل کی اپج اور یہ مدار صاحب مصنف: سنا ہے کہ ایک فاضل مفکر نے "آدمی" کی چوتھی نوع کا بھی پتہ چلایا ہے' اندازہ کہتے ہیں کہ یہ قسم ہماری دریافت شدہ انواع سے کہیں زیادہ مخدوش اور بے پناہ ثابت ہونے والی ہے' کہ دار کے لحاظ سے اس کو "شاعر" کے نام سے موسوم کیا جائے گا' تحقیقات مکمل اور مسلم ہو جانے پر جیسے' تو کسی آئندہ صحبت میں آپ سے بھی ملائیں گے'

اتنی بکو اس کے بعد نہیں رہا جاتا' جی چاہتا ہے کہ نمونہ کے طور پر اپنے دو ایک "آدمیوں" کا کردار بھی آپ کو دکھا دیں اور سوال کریں کہ اس کے بعد ہمیں پاگل خانے نہ بھیجنے کا ذمہ دار کون ہے'؟

(نمبر ۱) اسم نام بہ قول ان کے "اماں کے مرشد رکھیں سو محبوب ساب" دیس کر ناٹک' لائے گئے اور چہرہ نویسی کے بعد گھرہ: پھر سے رما گیا' پہلے دن محبوب ساب کا نقشہ بقول عزیزیہ رہا کہ ۔۔۔

دیکھ کر ہر در و دیوار کو ششدر رہنا
وہ مرا پہلے پہل داخلِ زنداں ہونا

دوسرے روز محوب ساب نے گرستی کے ہر جزو کل کو دیکھا، سنا، سونگھا، چھوا اور چکھا اور تیسری صبح کو بے تکلف اعلان کر دیا کہ "سب سمجھ گئے مگر ہمارا بغیر فریم کا چشمہ، پمائمس چولھا، گراموفون اور ترچھا پیجامہ، تو درج کیا! "کار ڈیا نہیں سو چشمہ کیسا اٹکا؟ اندھن نہ چلا کیسا سلگا، چپنی برابر توے میں پتنگی نگاڑ کیسا سمایا اور ڈھیلا نہیں سو پیجامہ کیسا چڑھایا" سمجھانے پر اُن کا منہ پھیر کر کہنا کہ "سرکار ہیپ بولتیں" ہر بیں عقل و دانش رونے رلانے یا رونے کی صورت بنانے کے ماسوا ہم لاجواب بھی تھے،

اسی طرح نام کے معاملے میں بھی ہمارے احساس خداوندی کو زک اٹھانا پڑی کہ ہم نے "محوب صاحب" میں خفیف سی لفظی ترمیم پیش کی اور انھوں نے یہ تکا سا جواب دے کر منہ بند کر دی کہ "آپ کا نوں کھیڑے کے لوگاں" "محبوب صاحب کے آتا بڑا نام کائی کو"

ضمیر متکلم کی بازی ان کے ہاں ایک سرے سے نادارد تھی، اجنبی سے ہم کلام ہوں، تو اس کے تو ہمّ کا دے کو بیٹھیں کہ ایک کہہ رہا ہے دوسرا سن رہا ہے یہ ثالث بالخیر "محوب ساب" کون ہیں اور کہاں ہیں،

کوئی حکم دیجیے، کسی کام کو کہیے، جب تک ضد کی چندی نہ کرالیں کیا مجال جو محوب ساب تعمیل کریں یا کر سکیں، مثلاً پینے کے لئے پانی منگوانا ہو تو کہنا پڑے گا کہ کانچ کا —— بڑا گلاس —— دھو کر —— کوری صراحی سے —— پینے کے لئے —— ٹھنڈا پانی لاؤ" ورنہ یقینی ہے کہ لوٹا، گلاس، صراحی، گھڑا اور مٹکا جس حال میں ہو بہ صیغہ جمع حاضر، اور حق انتخاب آپ کے لئے محفوظ

کھانے پکانے کا احوال بھی مزے دار ہے، اس کا چٹخارہ بھی دیکھئے چاہیئے محبوب صاحب کے ہات کی چپاتیاں ہم خرما و ہم ثواب کھانے سے پہلے ریاضی کا بھولا ہوا آموختہ دہرا لیجئے، اقلیدس کی کوئی شکل ہو کسی مثلث کی ہو دسترخوان پر حل پایئے گا، مرچ مسالے کے بارے میں یہ کسی تناسب کے قابل نہ تھے دال میں نمک ہو یا نمک میں دال بہرحال جزو بدن ہونے کی صلاحیت رکھتی تھی قورمہ جل جائے تو نتیجہ کباب ورنہ ترکاری کے ساتھ چھری بھی دم ہو جائے تو صبح کو خاصا جلاب، شیر برنج میں پیاز کا بگھار اگر مانع نفخ تھا تو مزعفر میں پلنگ کی پٹ دافع نقص،

معاف کیجئے گا آپ کے ضبط سے حسن ظن رکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے، ورنہ محبوب صاحب کی "تاریخ وار آدم بیتی" یعنی آپ بیتی سے جو خدا کو حاضر ناظر جان کر ان کے پیٹ سے لکھی گئی اور یہ ثبات خوش دھواں دھار انکے منہ کھے لکھی جائے گی، نقل مطابق اصل کر کے آپ کے لئے "سرمۂ منظور نظر" بناتے، پھر بھی ان عجائب المخلوقات کی دو ایک کرامات اور سن لیجئے۔

شہری تہذیب کے تحت انھیں سدھایا گیا تھا کہ صبح صبح بڑوں سے پہلے بڑوں کو سلام کیا کریں، خوب یاد ہے کہ جاڑوں کا موسم سردی جو بلا کی پڑ رہی تھی محبوب صاحب نور کے تڑکے اٹھے اور سلام کا پہلا بات ہم پر صاف کر کے جو نکلے تو دیوار بیچ مولی صاحب کو کھٹکھٹایا،

معبود اللہ وظیفہ شبینہ سے فارغ ہو کر قبولیت کے بیم و رجا میں کروٹیں بدل رہے تھے کہ منادی غیب نے صدا دی، لحاف کا غلاف اتار کر آنکھیں ملتے

ہوئے برآمد ہوئے تو محوب ساب نے سارے جسم کو موشن پہ دف بنا کے آداب
کافی کیا اور دوسرا لفظ کہے سے بغیر وہاں سے رفو ہوئے تو اس بوکھلاہٹ
سے حکیم جی کو جا اٹھایا کہ گویا ہم پہ سکرات طاری ہے اور طبیب کی فوری خدمات
درکار۔ حذاقت آپ سوچے ہوں گے" اچھی بھلی ہوئی آج سویرے سویرے
قشعریرہ تشخیص کردوں گا" یا نہیں' تو وجع الکلیتین' ——— یا پھر سوء القنیہ
— بیمار اچھا ہی معلوم ہوتا ہے' مرض ذرا نفیس نہ ہو تو گننا مشکل" ہتیلی
کھجانے اٹھے اور اندھیرے میں جو ہاتھ لگا عرق' شربت' گولی' معجون۔ مسلح
ہو کر نکلے تو محوب ساب!

"خیریت ہے" انھوں نے پوچھا'

"خیریت کائی کو' آداب" انھوں نے جواب دیا اور سنا! پھر کے جو سمٹتے
ہیں تو ایک سلسلہ سے سارے محلہ کو "آداب ہوتے ہوئے" واپس اور تعمیلی رپورٹ

شاید اس میں کچھ لذت ہو!

ایک روز دفتر سے واپسی پر سارے گھر کو مہکتا ہوا پایا' آپ کی دعا سے
شامہ تیز ہے' سوں سوں کر کے چاروں طرف ناک لگائی' شبہ ہوا کہ خوشبو
کے منبع ہیں محوب ساب' بھوک کھائے جا رہی تھی' دسترخوان بچھا' آدمی صاحب
قریب آئے تو خوشبو اور بھی نکھری' شاید آج عطردان کی سیر فرمائی گئی ہو' دریافت
کیا' آدمی تھے سچے اور دروغ مصلحت آمیز کی حکمت سے بھی نا آشنا' کہنے لگے
"کون محوب ساب! عطر چھڑکے تو بولو' وہ تابدان میں تیل کی چھوٹی شیشی تھی نا؟
واس میں محوب ساب دو پیسے کا کھوپرے کا تیل لاکو' ملا کو' سر کو لگائیں'
فیلسٹی میں شہر کے ایک مشہور اور شوقین طبیب کا کشید کیا ہوا نہایت

بیش قیمت طلا تھا، جس میں سانڈے اور سقنقور کے ساتھ ڈھیروں مشک عنبر ملا تھا اور داشتہ آید بکار کے خیال سے ہمارے خانگی سلیح خانہ میں محفوظ دھرا تھا،

سنبل سے گیسو سنتے آئے تھے، سروسے بال آج دیکھئے بولو بھائی حکیم جی کی جے!

شہر کی ہوا ہم تک پہنچی تھی، پیجامہ بنوایا، ترچھی کاٹ میں ہماری تقلید، پتلون کے پائنچے اپنی جدت، کھڑے ہوں تو کمر سے ٹخنوں تک معلوم ہوں جیسے غلاف میں اوندھا طنبورہ! فرمایا کہ "آستیناں بڑے رہے تو ست بول کو چڑھتیں نیں تو ساب دو دن میں پھٹ کو چندیاں بن تیئں"

پرسنل اکونومی کا یہ نازک مسئلہ کاش ہماری کھوپڑی میں بھی گنجائش نکال سکتا!

بعض احباب آئے بیٹھے اور چلے گئے، محبوب ساب کچھ کچھ کھوئے کھوئے سے رہے، کبھی زیرلب بڑبڑائے، کبھی بھویں سکیڑ کر در و دیوار کو گھورا، آخر شاید نہ رہا گیا، ہمیں مخاطب کیا "ساب"؟

"کیا ہے"؟

"یہ ہے کہ ایک بات ہے"

"کہہ ڈالو" ہم خوش طبعی کے موڈ میں تھے،

آہستہ سے "وہ جو آپ پاس آتو گاتے کرتے نئیں؟ کالے سر کے بڑی بڑی انکھیاں، سیدی کے، بالاں ہیں سو؟"

"ہاں تو"

"آپ کہے، اون نیں کرے سو بات محوب ساب بی کرناکیا' بولیں'
محوب ساب؟"

ہماری صورت ایسی بن گئی جیسے چونچ کے نیچے ایک نقطہ!

وہ سمجھ گئے بولے "جس میں نشا آئی تھی سو بات"

ابکے سمجھنے کی باری ہماری تھی" یاکم بخت کورنشات، کورنشات"!

جانوروں کا شوق ہمارا ایک مزمن مرض ہے، اور حیرت ہوتی ہے کہ تقدیر کے رجسٹر میں کسی چڑیا گھر کے داروغہ ہونے کے بجائے ہم ڈاک خانہ کے محرر کیوں کر لکھ گئے، خیر یہ سوال تو فیڈریشن کورٹ کے حل کرنے کا ہے یا لیگ آف نیشنز کے، ہوا یہ کہ محوب ساب رخصت لے کر گئے تھے وطن اور واپس آئے اس وقت کہ ہم نہ تھے اور رات گئے آئے گھر کا چرخا حسب معمول چل رہا تھا، خیریت خیر سلا لیتے ہوئے بڑھے اور بڑی بے فکری سے آرام گھر کا دروازہ کھولا دروازے کا کھلنا تھا کہ "غرادُں" کرکے ہم پر کوئی جھپٹا، ساتھ ہی پیچھے سے آواز آئی "اجی! چوراں گیراں کو اب آنے بولو" جھپٹنے والا پلنگ کے پائے سے بندھا ہوا دو پہر کا بھوکا تیندوے کا بچہ تھا، آدمی صاحب وطن سے گاڑی پر لاد کر آقا کے شوق کی خاطر آٹھ آنہ میں یہ سستا سا تحفہ لائے تھے اور اپنی حسن خدمت کی داد چاہتے ہوئے اس بات پر مصر تھے کہ بلی خالہ کے یہ مورث اعلیٰ چڑیوں کے بڑے پنجرے میں چھوڑ دئے جائیں، جہاں "دو چار دناں چڑیاں ستا نے کرے نیں تو ہل جائیں گے"

وہ تو کہیے کہ خیر ہو گئی، انھی کا کیا دیا کام آیا، یعنی کمر اور گلے کی رسی۔

بےغیرتی تھی اور پلنگ کا لنگر بھاری ورنہ ......

نمبر (۲) پنجابی ساخت کے خوش رنگ چہرے پر گھنی پلکوں کی چلمن کے پیچھے دو سرد آنکھیں، بے حس، غیر متحرک بن تیور اور اپنے ماحول کے ساتھ مل جل کر کچھ اس ترکیب کی جیسے "سفنی خیز" یا "سپکی آور" - یہ مہیا کرنے کے بعد عبداللہ خاں جو بانی بیچے وہ جیسے ہم آپ کسی سپرنٹنڈنٹ پولس کی بیوی کے آدمی تھے جو بہ لحاظ ضابطہ میاں سے زیادہ پولس واقع ہوئی تھیں، نام کو دس روپے کھانا اور پنچ ہیں "چاہئیے تھے نشا روز" مقرر تھا، آپ جانتے ہیں" کھاتے چبا رہتے بنا، بادی گوشت چھٹا، رنگ روپ نکھرا جب ہم نے دیکھا ہے تو خاں صاحب تشریح کی تصویر تھے،

جو خود عمر بھر تعزیرات ہند کی اصطلاح میں "ما بہ الاحتفاظ" کو ترسا ہو، وہ بھی تو اصلاح تو کیا کرتا، البتہ ہیشگی دس اور دونوں وقت کے روٹی گوشت کے راتب پر عبداللہ خاں کا تقرر ہمارے ہاں کس کنٹرولر کی خالصہ جائداد پر عمل میں آ گیا،

خدمت کا جائزہ لیتے ہی یہ عجیب سے عجیب ترک گھر پر ایک جمود طاری ہو گیا، ہر چیز جیب جیب مری مری دکھائی دینے لگی، چڑیوں کے چہچہے اور زمزمے، بطخوں کی قیں قیں، فش فش، مرغوں کی ککڑوں کوں گویا کسی نے سب کا منہ سی دیا، خود رب البیت کی یہ کیفیت کہ ادھر عبداللہ خاں نظر آئے ادھر رونگٹے کھڑے ہو گئے، بدن جھرجھرانے لگا، ان بدکیفیوں

تو ہم نے موسم کی بے ہنگامی یا تیزی معدہ پر محمول کیا' عرق پیے' چورن کھائے' لعوق چاٹے' سفوف پھانکے' اس پر بھی تنقیہ مزاج نہ ہوا! تو فصدیں کھلوائیں جونکیں لگوائیں اور دل بہلانے کی وہ سب ترکیبیں برتیں جن کے ہم اہل تو کیا نااہل ضرور تھے' مثلاً گانا شروع کیا' خاں صاحب کا خیال آیا اب ہم ہیں کہ نے سے خفا شعر سے ناراض' ایمن کی استائی' بھیروں کا انترہ' نقاشی کی' ان کا تصور بندھا' آدمی بنتے بنتے بندر ہو گیا' مضمون لکھا' عبداللہ خاں سامنے آ گئے عنوان تھا "عورت" قلم سے نکلیں عریانیاں اور فواحش

اس کا پلیٹ کو شاید دو ہفتے بھی نہ ہوئے ہوں گے' شب آدھی اور ہماری خوابگاہ آدھی رات کی بھیگی ہوئی چاندنی سے نور و ظلمت کی دورنگی میں سموئی ہوئی' ناگہاں کسی کی آہٹ نے ہلکی نیند چوکنی کر دی' آنکھ کھل گئی روشنی اور تاریکی کے خط اتصال پر' ننگے پاؤں ننگے سر عبداللہ خاں ہات جوڑے کھڑے تھے' لمحہ بھر بعد وہ قدم قدم چلے اور میز کے پاس خاموش حرکات سے گویا انھوں نے لمپ روشن کیا' وہاں سے پلنگ کے قریب جھک کر ہمیں گھورنے لگے' آنکھیں پتھرائی ہوئی اور سارے جسم کی طنابیں کھنچی'

"یا وحشت! عبداللہ خاں' عبداللہ خاں' عبدل" گھو گھلے گلے سے جواب ملا "بیگم صاحب! اماں سے بٹوا میں نے نہیں لیا۔"

"دیوانے تو نہیں ہو' عبداللہ' کون بیگم' کیسا بٹوہ' ہوش میں آؤ"

اب وہ رو رہے تھے آنکھیں خشک اور چھوٹی چینی کی طرح روکھی' چہرے سے عضلات بے جنبش' عبداللہ خاں نہیں' ان کا حلق ہچکیاں لے رہا تھا' دفعتاً جیسے القا ہوا' ہمارے منہ سے نکلا "سومنیمبولزم"

صبح کو بطور حفاظت خود اختیاری پہلا کام یہ کیا کہ اپنی ریوالور کی جوڑی کمر کی ولایتی اور ہات کی چھڑی جلا وطن، گھر کا سل بٹا معطل، دیا سلائی اور ایندھن کا آنا بند، رہ گئی پاؤں کی عزت، وہ تو کھو چکے تھے، مگر ہم تکیے تلے رکھنے پر مجبور ہو گئے، یوں کہ پٹھان کا پوت گاہے ولی گاہے بھوت، سنا تھا اب آنکھوں سے دیکھا،

اکتائیے نہیں عبداللہ خاں کا قصہ مختصر ہو رہا ہے،

چنبیلی کی جھاڑی کے زیر سایہ صحن کے ایک گوشہ میں لال کپڑے سے ڈھکا ہوا، پھولوں سے لدا ہوا کوئی بالشت بھر کا لانبا زیادہ چوڑا کم ایک غیر معمولی زمین کا ابھار نظر آیا، انوکھی چیز تھی اور بالکل بے محل، شغل بیکاری کہیے یا بے معنی تجسس، کپڑا ہٹایا تو بعینہ چھوٹی موٹی تربت، دیکھنے سے کریدا، نرم مٹی ہٹی تو صندوق کے آثار، اندر سفید کپڑے میں ملفوف کوئی شئے، ہیئت ایسی جیسی میت، بند کھولے تو لاحول ولا قوۃ، ایک عدد مینڈکی کی کھانگڑ !!

ہم اسی کوہ کندن و کاہ برآوردن میں تھے کہ خود گورکن صاحب نمودار ہوئے اور اس بدعت کو دیکھ کر چھاتی کوٹنے لگے،

بی مینڈکی کی حرکت قلب بند ہو کر سورگ باش ہوئیں یا دماغ کی کوئی رگ پھٹ کر آخر تک ایک معما ہی رہا، البتہ وہ پوسٹ مارٹم انکشافات جو ہمارے "انفرمیشن بیورو" کی وساطت سے ہمارے فردوس گوش ہوئے یہ ہیں کہ ان کے باقیات الفاسدات ایک روز باورچی خانہ کی صفائی کے سلسلے میں عبداللہ خاں کو دستیاب ہوئے تھے، بہ نیت ثواب اور فرض کفایہ سر سے اتارنے کے خیال سے انھوں نے پورے واجب اور ناواجب ارکان ادا کر کے تجہیز و تکفین کی تھی، اس کار خیر میں اس حد تک غائبانہ ہم بھی شریک تھے کہ

کفن ہماری پرانی دیگچن کے دامن ہی کا دیا گیا تھا اور حنوط کے لئے عطر بھی ہمارے ہی سنگار دان نے بہم پہنچایا تھا۔ میت چونکہ زنانی تھی تدفین شام کے دھندلکے میں عمل میں آئی تھی۔ اب ہم نے "مدت" کی تھی، ہم پہ "بی صاحبہ کی مار پڑ گئی، ان کی ارواح چڑیل بن کر ہم سے لپٹ جائے گی" اور ٹیپ کا بند یہ کہ خود عبداللہ خاں حشر میں ہمارے دامنگیر ہوں گے۔"

عبداللہ خاں رات بھر انگاروں پہ لوٹتے رہے، کھانا کھایا نہ پانی پیا، اور صبح کی ہوں میں لالوں کے ارغنوں نے جب ہمیں بیدار کیا ہے تو نہ وہ تھے نہ ہمارے گھر کی وہ افسردگی، چنبیلی کی مہک، چڑیوں کی چہکاریں، اٹھے اور ضروریات سے فراغت کر کے اپنی سب سے بڑی جانماز پہ آسمان کی طرف منہ کر کے بصمیم قلب عہد کیا کہ "دنیا میں اکیلے آئے تھے، ہو سکا تو اکیلے جئیں گے اور بن پڑا تو اکیلے ہی مریں گے، مگر آدمی کا نام نہ لیں گے"

. . . .

. . . .

صورت حال،

یہ ہے ۱۳۵۵ فصلی ہے، اور ہم ایک بڑے اجگر قال اللہ قال الرسول کی سمجھ دار ہوئی شرعی "نادیں" کی آڑ میں کفارے کے تین روزے رکھ کر جو بس ہنگے تھے "رائٹنگ بورڈ کی مساعی جمیلہ" کی بدولت سحر سے، فطار تک تین ساڑھے تین روپے روز کے حساب سے سستے ہی پڑے ہیں،

"آدمی" کے معاملے میں اپنے قول و فعل و قسم کا بندھن توڑ کر آزاد ہو چکے

ہیں، اور اس زرین ڈپلومیٹک اصول کی سند پر کہ کھا کر بچا لینا ہی قسم کے پختہ ہونے کی دلیل ہے، اپنے اور ایک عدد "آدمی" کے تعارف کی عزت حاصل کر رہے ہیں،

جانی صاحب،

ہمیں ان آدمی کے افعال و خواص کا تجربہ ابھی بہ قدر بزرگ ہی ہوا ہے مگر ہو نہار بروا کے چکنے چکنے پات، جو ہوئے کو ہے اس کا اندازہ کچھ اس واردات سے ہو سکتا ہے کہ ملاقاتی کمرے کا ایک پاانداز اتفاقاً بھیگ جانے سے دھوپ میں ڈالا گیا اور سوکھ جانے پر ان سے کہا گیا کہ جگہ پر رکھ دیں جانی صاحب نے پاانداز کے بدلے پہلی چیز جو "جگہ" پر رکھی وہ البوتم کا دھلا منجبا پنسیرا دیکچہ تھا!

"عجب آدمی ہو بھئی، پاانداز لاؤ پاانداز"

سمجھ کے اور سے ان کا چہرہ جھاک اٹھا، اچھا دُو اُدُو؟" کہہ کر لائے تو کھیا کدو کا وہ نادر نمونہ جو ایک ترکاری اگاؤ، شوقین کے باغیچہ سے سرکاری نمائش میں اور وہاں سے ہمیں تحفۃً آیا تھا،

رفتار کے اعتبار سے جانی صاحب کا سالم قد نا ف کو نقطۂ تقسیم مان کر کم و بیش ایسے دو جز میں بانٹا جا سکتا ہے جو ایک ہی وقت میں دو مخالف خطوط مستقیم پر حرکت کرتے ہوں یعنی کمرے اوپر سر تک، چوڑائی میں چلتا ہے، تو کمر سے نیچے پیروں تک لمبائی میں بھاگتا ہے اور شاید اس خیال سے کہ شاید نقطۂ تقسیم کہیں اپنی جگہ سے سرک نہ جائے جانی صاحب چلتے وقت کرتے کے دونوں جاکوں کے اندر ہاتھ ڈالے کمر کو مضبوط پکڑے رہتے ہیں اور ہلنے نہیں دیتے،

کورے گھڑے میں مٹی بھر جھنجھی کوڑیاں ڈال کر خوب ہلائیے اور اس گھڑ گھڑا میں کسی گندے گڑھے کے لمبوترے مینڈکوں کی ٹر ٹر سمو دیئے، پھر اس آمیزے کو انسانی حلقوم کے سانچے میں ڈھال کر الفاظ کا جامہ پہنا دیجئے۔ اس کا ما حصل جانی صاحب کی گفتار نہ نکلے تو کان کاں ہم بدتے ہیں۔

روز کا کوڑا، چولھے کی راکھ، دستر خوان کی ہڈی گوڈی، حجامت کا تراشہ آٹھ آٹھ دن گھر میں امانت رہنے کے بعد بھی صاحب خانہ کے بلا اذن باہر چلا جائے تو ان کی جان ایمان میں درز پڑ جائے۔

ڈزسٹ کا نا، چائے کے برتن بے جوڑ، گلاس پر گلاس نرے کانچ کے ٹکڑے، صراحیاں گھڑے فولاد کے نہیں ہوتے، گھی کی بھری مشکی میں پھولے ہوا چوہا تہ نشین، قورمہ میں اکثر مکھیاں دم، حلوے میں ٹیبل سالٹ کی مٹھاس سچ بولیں جانی صاحب، خمیازہ بھگتیں ہم، رہی بے احتیاطی سو خطا ہے کوئی تعزیری جرم نہیں۔

بہر حال ان کے ساتھ ؎

زندگی اپنی جو اس طرح سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

گھر پھونک تماشا

چیخ کر بولیں "کیا خوب! اماں باوا کے گھر سے مجھے یوں ہی ننگی بچی لائے تھے جو اب میری لڈن کے لئے جھومر اور گلو بند کے نام پہ ایک نہیں کی ہزار نہیں ہو رہی ہے؟ بلا سے بالی پتے نہ سہی، کرن پھول جھمکے لانا ہوں گے اور بھی چاہے کچھ ہو، جڑاؤ کنگن کی جوڑی تو لونڈیا کے ہات میں ڈالوں گی ضرور ڈاؤں گی پہنچیاں چوہے دتیاں میں نے اپنی اجلو اکے علاقہ بندی کے لئے دے ہی دی ہیں، رہ گئی پازیب، وہ ایسی کیا سونے کے سوا لاکھ ٹکے کی ہو گی، لانا ہی پڑے گی، نتھ، میں نے سوچا تھا نانی اماں کے سہاگ کی رکھی ہے چڑھا دیں گی کیا کیجئے اس کے موتی چھوٹے ہیں، پھر کا کا باسی، فوج میں اپنی ناک کٹاؤں دو موتیوں میں لنکا سونی نہ ہو جائے گی، برابر کا جوڑا ہو، خوش بیاض، غلطان، بے ڈول کا داک نہ ہو ....

تیوری کیوں چڑھ گئی، تانبے کے باسنوں کی فکر آپ کے سر نہ ڈالوں گی الحمد للہ کیا، میں نے سب جگو رکھے ہیں، قلعی بھی ہو چکی، چاندی کا لوازمہ بے شک کر کے آنا ہے۔ بس ایک سادہ سادہ مخمل کا پاندان اسی کے لائق کا اگال دان، نقشی لوٹا، خدا کے لئے اتنا سی نہ اٹھا لائے گا۔ مجھے

زہر لگتا ہے، انگوری بیل کا ہزہ اور سجل ہو، منی سی سلفچی، بیسن والی اور دیکھئے . . .
. . . . تھالی جوڑ، عطر دان، کنگھا، آئینہ، اور ہاں بڑی کتاب کے
لئے رحل . . . . پھر ہاتھ گوٹ کر فرمایا" بھئی اللہ بخشی پڑے اس
نگوڑی یاد پر کچھ رہ گیا ہو تو آپ بجو دیجئے گا . . . . مگر خاتون جنت
کی قسم جتائے دیتی ہوں، ایک عدد بھی ان میں سے کم ہوا تو کنبے برادری کے
اپنے سہنے کو سلامتی سے آپ جلیں نبدی تو سہرا چاٹ کے سو رہے گی"۔
ملاحظہ ہو اسے کہتے ہیں تیرا ماہٹ۔ اور یہی ہے "گھر پھونک تماشے"
کا پہلا پردہ۔

ایک دومنزلے مکان کا صدر ہال در و دیوار کا لال چھپا تار نگ دیوار وں
پر جا بجا گلدستے، گئو ماتا اور گنیش جی کی دھار ک چیزیں، دری پر میلی چاندنی
اس پہ پرانا زدہ قالین۔ چھوٹے بڑے تکئے، تجوریاں، بہی کھاتے قلم
پنسل کی دواتیں، ریت کی ڈبیاں، کسوٹی، دھرم کانٹا اور ان کے بیچوں بیچ
ہیں سیٹھ

خیال کس کا الٰہی دماغ میں آیا
کہ چلتے چلتے مری نبض مار بار رکی

گاڑھے کی مرزئی، موٹی دھوتی پہنے، پگیا جمائے، تلک لگائے، عینک چڑھائے
توند بڑھائے" اشٹں کے شو، شو، دو شو . . . . دو شو . . . . . . اوپر کہ شو اشو"
. . . . . . ایک بہت گہری ڈکار سے اصل اور سود کی میزان لگا دی . . . . شو تین
شو . . . . . برابر شو تین شو". . . . . . لالہ پارس رام جی اگروال دیکھنے
میں سا ہوکار برتنے میں کیمیا گر، چکنی ڈاہیں، منھی بھر بکالیں، کوڑی بو یٹں

اشرفی کا بیٹی اور کھیے کو کوٹھی کا یہ بڑا ہال، گر برتنے میں کمرٹی کا حال۔

"آؤ میاں جی، بندگی ...... آج کدھر برا سے؟ جہاں آؤ گلیا پے کو، تمہارے چرن چھونے سبے کو تو ترس گئے، ساب منگہ .... برکھا کی گھام تو بڑی تیز ہو رئی اے آج، ...... رچھنا! اور مجھنا ارے جے دیکھ میاں جی آئے ہیں، کچھو بورا ہوئے تو سربت پھرت بنائے لائیں نا ہیں پیونگو، سنی، انہیں کے لیے لا ——— اور بورو نیں اے تو جان دے، تیں ٹھنڈو جلے کھبائے دے، کانچ کو بلاتی الکھورا ہے سو بامیں لیو بھلا"

"لالہ شربت ور بت رہنے دیجئے، ایک شد یاد ضرورت سے حاضر ہوا ہوں وہ سن لیجئے"

"سو بولو ساب منگہ، جو ور کرکے بولو، جے ساری شو بھا تو تم میاں جی کے چرن کی ہے، ہم پہ کا دھرو ہے، لیٹا ٹھریائے کے آئے، تم نے آ بود ولئی تو دو ئی بیشیا کے چنا چبائے ہے کو ہمن کو بی ل جات ہیں، ساب منگہ"

"لالہ یہ ہے کہ تمہاری بچی کا کارج آن لگا ہے، سب بندوبست تو ہو گیا، رقم کی کسر ہے، وہ بھی کوئی لاکھ دو لاکھ نہیں، تین ایک ہزار روپے ہو گئے تو جیسے بنے گا تنگی ترشی سے گزر ہو نت کرکے چار برادری والوں کے ہات دھلا دوں گا"

روپے کے نام پہ معلوم ہوا کہ جیسے لالہ کے بچھو نے ڈنک مار دیا، عینک ڈھلک کر ناک کی نوک پہ آ گئی۔

"کا کہی، تین ہجار! ساب منگہ ہمنے تو اب لوں یا تیوں تین ہجار نائیں کریں، تین ہجار؟"

"سنئے یہ تو ہم خرچ ہلکا کرکے بتا رہا ہوں، بیگم ہو تیں تو پنجے سے کم نہ آتیں
" روپیا پانچ پچیس چھیں تولے جاؤ، تم سے ایسی کا متی کھائے لگے کل آپ کا
رکا پرچا ہوئے جائے"

"پانچ پچیس کی بھی آپ نے ایک کہی، پانچ پچیس کا تو لالہ گرم مسالہ اٹھ جائے گا۔ مجھے تو سردست تین ہزار سے کوڑی کم کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ہے رام رام! بیجارن کا تونا تو ہیں نہ لیؤ۔ ایسا کھُراب سمت آن لگو ہے کہ روپیا تو جیمن مور کی بو لی ہے کتو ہے جیمن مور کی بو لی! اب کلے انبرسرے بیہاری لال بارن کی پانچ ہیجارہ کی درسنی منڈی آن ٹپکی۔ ہمن کے تو ہات پائیں پھول گئے کچھو اپائے نہ بن پڑی، تب جے منیم جی ہیں نا، سو اِن نے کہی کہ ساب منکہ بڑی للی کو گہنو آڑ کر کے دے دیو، تب جائے کے کہیں منڈی سکھری، چون منیم جی ہے کہ نہیں؟"

منیم جی، آن کا سر، لالہ کے لاؤڈ اسپیکر، "لے اب اس میں کہا جھونٹ ہے ہم نے سوچی کہ پان گئی تو گئی کوٹھی کی مرجاد نہیں رہے گھڑی بھر گہنو لئے لئے ہات پھرائے گئے، سانجھ ہوئے گئی، نہ جل نہ پانی، تب کام ہنو، ایں لالہ جی؟"

"سو تو ہیں اور ساب منکہ بے چینا جیا ن کی جیھ نے تو آور و لٹیا ڈبوئے دئی ہے، ردی کا بجاد آگ سند اہے رہا ہے، دو دی رہیا گٹھا تو کلکتہ بار سے چھوٹنے نائیں، تو ساب منکہ جے الو تو کھیس ہوئے نائیں سکت، آگے جو کہم ہوئے سو کرے کو ہم تیار ہیں"

"لالہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، کل رت جگا ہے، اور پرسوں شادی کی بسم اللہ میں تو آپ کے بھروسے پہ رقعے بھی بٹ چکا، ایسا ہی ہے تو رہنے کا جھو نپڑا باپ دادے کے وقت کا ہے اور نہیں نہیں کر کے بھی بیس بائیس ہزار کی آبرو کا

وہ آڑ کر لیجے" "

لالہ کے چہرے کا جغرافیہ بدل گیا، ڈھلکی ہوئی عینک پھر سے جمائی پیشانی پر بل ڈالے اور کھوئے، اور دل ہی دل میں مستقبل کا نقشہ جما کر بولے "لے اب کا بتائیں، تمن نے تو ساب منکہ بڑے سوچ میں ڈار دئو۔ اس بکھت تو نانے کے بڑے میاںجی کی یاد آئے گئی، چون منیم جی" ؟

" لے اب اس میں کہا جھونٹ ہے، بنکو تمہیں دیکھے بنا چین نا ہیں پڑتی اور تم بن کو دیکھے بنا سکھی نائیں ہوتے، ہے کہ نیں لالہ" ؟

" تو اب جے چھوٹے میاںجی تمنا کے ای پوت ہیں، تو ساب منکہ بجے سودا تو کرنے ای ہے گی .... سو میاںجی اب تو تم جاؤ چار چھ دنا پیچھے ایو، کچھو تجبیج کر نگے، .... بندگی"

پشتینی تعلقات، کچھ پڑوس کا حق، خود لالہ بڑے دیالو، جھکنا ہی پڑا (دستخط) ... لکھ گئی، دو حرف، لالہ نے نتنے سے گھر کے تین کے بدلے چار ہزار چہرہ شاہی گن دیے، سود بالکل جزوی، جیسے دال میں نمک، یعنی مہینہ پیچھے صرف سات روپے بارہ آنے، وہ بھی سیکڑے پر،

شادی رچ گئی اور وہ دیکھیے نقار خانہ سے کیا میٹھی ٹکور بج رہی ہے .... شادی رچ گئی، اچھا، ساچق، اس کے بعد مہندی اور پھر برات کا جلوس اس ٹھسے سے نکلا کہ سارے شہر میں دھوم مچ گئی، لوگ عش عش کرنے لگے، جوڑے توڑے دیے گئے، تورے بندی کا کھانا ہوا، قاضی صاحب آئے، نکاح بندھا، چھوارے بٹے، ڈومنیوں نے سہاگ گائے اور باجے گاجے اور آتشبازی کی بیٹ فوں

میں بدا ہوکر لڈن بنی پرایا دھن ہوگئیں،

مہانوں میں سب سے ممتاز نکلمی کپڑے پہنے، بنارسی دوشالا اوڑھے کوئی تھا جو بھنگیائی آنکھوں سے یہ "گھر پھونک تماشا" دیکھ رہا تھا اور ہتھیلیاں کھجا کھجا کر کہہ رہا تھا "اشل کے چار ہجار ...... چار ہجار" کہ پردہ گر گیا۔

دن بیت گئے!

آج اسی اسٹیج پہ "گھر پھونک تماشے" کا ڈراپ سین ہو رہا تھا! نوٹس! سمن!! دعویٰ، ڈگری، قرق امین!!!

"اس مکان کی سرکاری بولی ایک ہزار! ایک ہزار ایک! ایک ہزار دو!"

لالہ پارس رام جی اگروال انگلیوں پر چپکے چپکے حساب جوڑ رہے تھے، "اشل کے چار ہجار .... چار ہجار ..... اوپر کے تین ہجار سات سے بیس، سوجے ملاکے بھئے سات ہجار اور سات سے بیس، برابر اور ساب منکہ مختانہ کے دو شو، اور طلبانہ کے دو شو اور ہرجانے کے دو شو، بیجان بیٹھی آٹھ ہجار اور تین سے بیس" ....

"ہماری بولی آٹھ ہجار تین سے بیس"

"آٹھ ہزار تین سو بیس، آٹھ ہزار تین سو بیس ..... ایک، آٹھ ہزار تین سو بیس .... دو! آٹھ ہزار تین سو بیس ...... تین"!

میم جی نے بڑھ کے گھر کو اپنا تالا لگایا اور پردہ گر گیا۔

یہ جھوٹ ہے

اگر ہم خود اس وقت جھوٹ نہ بول رہے ہوں تو کہہ سکتے ہیں کہ پرانے سے پرانے دقیانوسی جھوٹ بولنے والے بھی قصور معاف، ٹھیک ٹھیک نہ بتا سکے کہ جھوٹ کی ابتدا کیوں کر ہوئی، پہلا جھوٹ کب بولا گیا اور بولنے والا کون ذات شریف تھا،

زیادہ سے زیادہ مواد جو اس فن لطیف کے متعلق ماہرین کے سینہ بسینہ چلا آ رہا ہے، اتنا ہی ہے کہ جھوٹ پہلے بولا گیا، پھر فن کے خادموں نے اس کو محفوظ اور زندہ رکھنے کے لئے اتنی ترقی اور کی کہ جھوٹ بھی لکھا گیا اور بس گویا اسی ادھوری معلومات اور سرسری تحقیقات پر جھوٹ کی ترقی تمام آگئی۔ آیت والسلام، عبرت کا مقام ہے کہ طوطن خامن کے مقبرے ادھیڑے گئے مردے اکھیڑے، بال کی کھال نکالی بلکہ کھال کے بال تک کھینچ گئے اور ہم ہوتے بھاگوان اس کلجگ میں بھی کہ زمانہ سازگار اور گرد و پیش ہموار رہے اسی نقطہ پر گھوم رہے ہیں جہاں سے چلے تھے، اور جھوٹ سے عام پسند انسٹی ٹیوشن کے بارے میں محض اتنی ہی منطقی دریافت کر سکے ہیں جتنی بادشاہ بیخبر حاجی بغلول نے اونٹ کی پیٹھ کے متعلق کی تھی یعنی "کچھ پیٹھ جو اونچی اونٹ کی اونٹ کی

انچائی سے نہیں ' ہی پیٹھ اونچی اونٹ کی" اس افلاس اور نکمے پن کی بدولت جو نہ ہونا تھا ہوا ' یعنی جھوٹ کے پرانے حریف " سچ " نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ڈنکے کی چوٹ ' اولیت کا تاج اپنے سر پہ اوندھا لیا ' پھر جیسا کہ اس کی جنم گھٹی میں پڑا ہے کہ میٹھا میٹھا ہپ ' کڑوا کڑوا تھو ' جھوٹ کو بھی شیطان کے سر تھوپ کر جلے دل کے پھپولے پھوڑے اور ڈھول بجا بجا کے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ " میاں جھوٹ نفقتے میں کیا دم درود تھا ' یہ تو یاروں کی ضد پہ بلوایا گیا ہے اور بھروایا ہے " یہی نہیں ' جھوٹ کو بدنام کرنے اور اس کی بدلعزیزی کو صدمہ پہنچانے کے لئے ' رقابت کی دھن میں " سچ " کے متعلق ایسے واقعات بھی سننے میں آئے جن کی ہم جھوٹوں کو جھوٹوں بھی خبر نہیں مثلاً طعنہ دے کر کہا گیا کہ جھوٹ خود اپنا کوئی وجود نہیں رکھتا ' بلکہ تعالیٰ اور سچ کے پورے چربے اتارنے کا نام ہی جھوٹ ہے ' اس دعوے کا ثبوت یوں دیا گیا کہ فرض کیجئے ' ہماری جیب میں روپیہ نہ تھا ' آپ نے مانگا اور ہم نے کہا " نہیں ہے " یہ ہوا " سچ ہے " اور جیب میں روپیہ تھا ' آپ نے مانگا ' اور ہم نے ان ہی سادہ تیوروں سے ' پیشانی پر جھول ڈالے بغیر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے جیب ٹٹولتے ہوئے کہا " نہیں ہے " اس کا نام ہے " جھوٹ "

اس موقع پہ افسوس کے ساتھ ہمیں اپنی نااہلی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ کافی مہارت ہونے پر بھی جھوٹ بولتے بولتے اکثر سچ کا مشتبہ لگ جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسلسل کوشش کے باوجود ابھی تک ٹکسالی جھوٹ بولنے کی ڈگری نہیں ملی ہے ' بڑی سعی سفارش اور جوڑ توڑ ملانے پر جھوٹوں کی ہر قومی کانفرنس " نے سادہ سادہ جھوٹ بولنے کا لائسنس دیا ہے '

التماس دعا ہے کہ یہی کسی طرح بنھ جائے اور کانفرنس کے اجلاس میں جواب کے ہمارے صدر مقام ولایت میں منعقد ہونے والا ہے دیسی جھوٹ کی نمائندگی کرتے ہوئے ہم سرخ رو ہوں'

آرزو یہ تھی کہ اپنے جیتے جی دشمن ہی کے فراہم کئے ہوئے مواد سے جھوٹ کے متعلق اتنی تحقیقات ضرور چھوڑ جاؤں کہ آنے والی نسلوں کے لئے سند ہو اور عندالضرورت کام آ ئے مگر ع بہت ارمان ایسے ہیں کہ دل کے دل میں رہتے ہیں' معلومات کے یہ انمول موتی روم سے شام تک اتنے بکھرے ہوئے ہیں کہ ان کی لڑیاں پرونے کے لئے انسان کی تو کیا ہستی ہے' شیطان کی عمر بھر بھی پوری نہ کرے' ایک جھوٹ بولنے ہی کی پرانی قسمیں اتنی ہیں کہ آخری سانس تک بولتے رہیئے پھر بھی آمدنی میں گولر کا پھول برکت ہی برکت دکھائی دے۔ جمع کی مد بھری کی بھری رہے' ان پر جو دھوپ صدی کے محققوں نے جو قیمتی اور کارآمد اضافے کئے ہیں وہ گویا مدمحفوظ ہیں' ان میں کر بعض کی افادی نوعیت اور مقبول عام حیثیت خاص طور پر تسلیم کی گئی ہے' جیسے شرعی جھوٹ' جیسے بولنے میں ثواب بھی ہے اور سہولت بھی' ہمیشہ "انشاءاللہ" سے شروع ہوتا ہے اور آنکھوں کی چمک' ہونٹوں کی لچک سے "سچ" کی جھلک دیتا ہوا "ضرور ضرور" یا "بسر و چشم" پر ختم کیا جاتا ہے' البتہ یہ فیصلہ بولنے والے کے اختیار تمیزی پر ہے کہ موقع محل کے اعتبار سے بولنے کا رنگ نکھارنے اور تیکھا کرنے کے لئے "آپ کے سرعزیز کی قسم" واللہ باللہ" کی ٹیپ بھی اس میں دیتا جائے'۔

اسی جھوٹ کی ایک قسم وہ بھی ہے جو نکاح کے وقت کام آتی ہے' نوشہ میاں کسی "سرکار" کے خدمت گار ہی ہوتے ہیں اور تیس دن' صبح شام جلیبیاں

بھرنے کے بعد اگر خوش قسمتی سے نادر شاہی آقا کے جرمانوں سے صحیح سلامت بچ گئے تو اصل خیر سے مہینہ پیچھے چھ روپلی کا منہ دیکھتے ہیں، مگر قاضی صاحب قبلہ کے آگے سیر تو ڑھائے سہرے مقنع کی آڑ میں دبی زبان سے چبا چبا کے لجا لجا کے جب کہتے ہیں کہ مسماۃ فلاں بنت فلاں کو بہ عوض مبلغ پانچ ہزار سکہ شاہی ایک اشرفی رائج الوقت دین مہر کے قبول کیا میں نے" اور سسرالیوں پر جو خطا معاف اکثر اسی کشتی کے سوار اور نیک نیتی کے سینبر عہدہ دار ہوتے ہیں اپنی ساکھ کی دھاک بٹھانے کے لیے شین قاف کے صحیح مخرج اور زیر زبر کی پوری پابندی کے ساتھ اس قول کی تکرار بھی فرماتے ہیں تو اس وثوق سے فرماتے ہیں کہ روپے کا ذکر تو چوں مد بہ حساب اندر ہے خطبہ ختم، رقم بے باق اور دلہن بطور رسید وصول، اس معاملہ میں توبہ توبہ بدگمانی سے بچنے کے لیے یہ سمجھ لیجیے کہ دولہا دلہن کی یہ جوڑی اگر محض ہوا پر جینے کا تہیہ کرے اور سنت پیغمبری کے ساتھ ساتھ بیاہی زندگی کے دوسرے واجبات میاں کے گلے نہ پڑیں تو معمولی ضرب تقسیم کا سوال ہے کہ چھ روپیہ ماہوار قسط کے حساب سے پانچ ہزار کی خفیف سی رقم صرف اٹھتر سال پانچ مہینے اور دس دن کی قلیل مدت میں ادا ہو جائے گی، رہی ایک اشرفی سو اسے حسن کلام سمجھنے میں کوئی امر مانع نہیں،

لکھے ہوئے جھوٹ کی ایک معمولی مثال وہ سارے دیوان، مثنویاں واسوخت اور کلیات ہیں جو اس مٹی پانی کی دنیا میں اگر وجود پا جائیں تو آپ ایک عجیب ہڑبونگ دیکھیں یعنی عاشقوں کی بھرمار سے ادھر دوا فروش اور بزازوں کی دکانوں پہ الو بولنے لگے۔ اودھر دنیا بھر کے اسپتالوں اور گورستانوں میں تل دھرنے کو جگہ نہ ملے۔ "حسن رہ گزر سے" یا "پس دیوار سے" انزیہ ات

کی کسی نہ کسی دفعہ کے تحت جیل خانوں میں ہو، یا حبس دوام بہ عبور دریائے شور ورنہ پھانسی گھر تو یقینی، اور ازالۂ حیثیت کے مدعی، رقیب اور آسمان وکیلوں کی دربارداری یا عدالت کے کٹہرے میں،

اس جھوٹ کا نمونہ ملازمت کے کارناموں اور بیمہ کمپنیوں کے اقرارناموں میں عمر کا خانہ ہے، جو سوچ سمجھ کے اس حساب سے بھرا جاتا ہے کہ آگے چل کر یا تو پنشن دیر سے ملتی ہے یا پالسی کی رقم جلد ہاتھ آتی ہے،

یہ عام جھوٹ کی ایک مجمل تشریح تھی، اب جھوٹ کے دو ایک نادر نمونے پیش کرنے کی عزت حاصل کی جاتی ہے۔ اگر پسند خاطر ہوں۔ آپ سے بڑھ کر نہیں، شوق سے کام میں لائیں، اتنا ہے کہ فن کے اس خادم ہیچ مداں کو جس نے محض رفاہ عام کی خاطر ذات خاص کے لیے ان کا پیٹنٹ کرانا گوارا نہیں کیا، دعا میں یاد فرمائیں ؎

سرمۂ مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا

عجب بات ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بولنے اور لکھنے کے علاوہ جھوٹ لگایا بھی جاتا ہے، اور ان عمر دراز شوقین بزرگواروں کے کام آتا ہے جو نکاحوں کے عادی اور بیویوں کی اکھاڑ پچھاڑ کرتے کرتے پیشہ ور شوہر سے ہو جاتے ہیں، اس جھوٹ کی محرک یا تو وہ مشاطہ ہوتی ہے جو ہر پیغام کے وقت جناب ممدوح کے اوصاف حمیدہ کی فہرست گناتے ہوئے سن وسال کو "برس بتیس یا چھتیس" کی لپیٹ سے جس میں نزلہ بھی شامل ہوتا ہے نکلنے نہیں دیتی، یا خود ان کا وہ مغالطۂ نفس جو چشم بد دور پچیسویں سالگرہ کے بعد کلوں پہ ہر دوسرے تیسرے چیونٹی کے انڈے دیکھ کر سرکشی کرتا ہے، یا ہفتہ دار منہ پر سفید چیونٹی کا لگنا برداشت

نہیں کر سکتا۔ اس جھوٹ کا بازاری نام خضاب ہے اور اس لحاظ سے نہایت کارآمد بنا ہے کہ بڈھوں کو بہلالو، بچوں کو ڈرالو اور بیوی کو پھسلالو۔

اس سے عجیب تر وہ جھوٹ ہے جو دانتوں کی شکل میں لگایا جاتا ہے کڑاکے کے جاڑے ہوں، پوپلے منہ میں چوکا جڑا ہو، بڑے میاں کہیں گے اور آپ بیتی کہیں گے کہ "میاں پانی دانتوں میں لگتا ہے سردی کے مارے دانت سے دانت بج رہے ہیں" مگر جھوٹ کی یہ شکل جب عینک کی صورت میں لگائی جاتی ہے تو اکثر مخدوش ہو جاتی ہے اور لگانے والے پر اکثر یہ مثل صادق آتی ہے کہ "بابا تیرے تین نام، پرسی، پرسا، پرسرام" مطلب یہ کہ لگائی نہ تھی برابر کا دیکھتے تھے، لگائی، ڈیوڑھا دونا دیکھنے لگے، جاتی رہی اندھے ہو گئے،

جھوٹ بول چکے، لکھ چکے، لگا چکے، اب لگے ہاتھوں پہن بھی لیجئے بٹیر سا چپکا ہوا سینہ، ڈھلے اترے ہوئے شانے، ہنسلی کی ہڈیاں، جیسے بندھیاچل کا پہاڑی سلسلہ، تیلی فرفرے کی سی گردن، گئے اور جوڑا بدل کر برآمد ہوئے تو اے سبحان اللہ! یہ تو آواگون کا مسئلہ طے ہو گیا، راست قد، چوڑا، ابھرا، تنا ہوا چھاتا، سطح ایسی ہموار کہ مزے سے فنگر بلیرڈ کھیل لیجئے دونوں مونڈھے ایسے چورس کہ آپ کہیں رندا کر کے بنوائے ہیں، گردن سیدھی، جس پہ سر ایسے گھومے جیسے لوہے کی سیخ پہ مرغ باد نما، یہ سب ملا کے ایسا چوکور کہ اقلیدس کے مربع کی تعریف جھوٹی پڑ جائے اب اسے کوٹ شروانی یا درزی کی کارستانی کہہ لیجئے ورنہ ہے دراصل یہ پہنا ہوا جھوٹ اور اب اس کثرت سے پہنا جاتا ہے کہ کسرت حرام اور اکھاڑے مقفل!

اور تو اور جھوٹ رویا بھی جاتا ہے، اس کا مظاہرہ اکثر اس کنجوس

باپ کی وفات مسرت آیات پر ہوتا ہے جس نے اشرفی تولہ کی اولاد کو جیتے جی کوڑی کوڑی کو ترسایا ہو، اور خود کوڑی کوڑی کو ہات سے نہیں دانت سے اٹھایا ہو، یہ جھوٹ حساب سے رویا جاتا ہے، یعنی ترکہ اگر بے منت غیرے مال موذی نصیب غازی ہونے والا ہے تو آنسو موتی موتی لڑی بن کر گرتے ہیں اور کم سے کم پھولوں تک مسلسل گرائے جاتے ہیں اور مد محفوظ میں یہ گنجائش بھی احتیاطاً رکھی جاتی ہے کہ اس تقریب کے سلسلہ میں ہر نووارد کی آمد پر یہ جھوٹے موتی آنکھ بھر بھر کے نچھاور کئے جاسکیں، اور حصہ رسدی یا واجبی ہی واجبی ملنے کی صورت میں آپ رسائی کی مشین البتہ کوتاہی سے کام کرنے لگتی ہے، اور جھوٹ صرف پسیج کر ہی رہ جاتا ہے، رونے والے کا عالم یہ ہوتا ہے کہ حلق میں ہچکی آنکھ میں لالی، لب پہ آہیں، دل میں تجوری اور نئی زندگی کا نقشہ پیش نظر، قصہ مختصر یہ جھوٹ ہے اور بولنے والا آپ کا خادم آوارہ "

"الکشن سے پہلے"

رواج کہیے یا قدرت کی وضع داری کہ برسات آئے تو ہیضہ پھوٹے، جاڑوں میں پلیگ سے پالا پڑے اور گرمی کے ساتھ ساتھ چیچک سے دو دو منہ ہوں،

تقسیم عمل کے یہ کاروباری اصول برتتے ہوئے اپنی اپنی فصل پہ یہ بیماریاں آتی ہیں اور انسانی آبادی سے حیثیت کے لائق اپنے حسنِ خدمت کا صلہ" اصل مع سود لے کر یتیم بچے، کچھ بیوائیں اور ان دونوں کے حاصل جمع کے مساوی مٹی کے چند تودے یادگار چھوڑ جاتی ہیں،

مگر الکشن ایسی وبا نہ کسی فصل کی پابند ہے نہ کسی موسم پر موقوف، جب دیکھیے تب، الکشن کی مشین کہیں نہ کہیں چلتی ہی پائیے گا، اسکولوں میں الکشن، کالجوں میں الکشن، کلب اور انجمنوں میں الکشن، میونسپلٹی میں الکشن کونسل میں الکشن، غرضکہ جہاں چار دو پاؤں والے اکٹھے ہوئے اور الکشن کے جراثیم پھیلے، فرق اتنا ہے کہ ہیضے اور پلیگ پر جانوں کی بھینٹ چڑھا کر پیچھا چھوٹ جاتا ہے مگر الکشن جب پھیلتا ہے تو بیمار کی جیبوں کو تلی پھولتی ہے،

برسوں کے ڈھکے چھپے ابھرتے ہیں، دلوں میں غبار آجاتا ہے، اور الکشن کا بحران محمود نہ ہوا تو دیکھا گیا ہے کہ بات اکثر اپنا طبعی وظیفہ چھوڑ کر پاؤں کا کام دینے لگے اور زبان، یہ پورا برابر کی منی جان بڑھ کے ہات بھر کی ہو گئی

اگر ایک طرف آپ نرس، ڈاکٹر، ٹیکے انجکشن، قرنطینے اور اسپتال کا زور پائیں گے تو دوسری جانب آپ کو ووٹر ممبر، پولنگ اسٹیشن، اور ٹاؤن ہال نظر آئیں گے،

یادش بخیراب سے دور ایک بار یہ خاکسار بھی اس بلا سے دوچار ہوا ہے جس کی روداد حرج نہ ہو تو آپ بھی سن لیں کہ داشتہ آید بکار اگرچہ بود سرِ مار

ہوا یہ کہ ایک دن ہم" بمعہ" اپنے اہل وعیال صبح کے ناشتے سے نپٹنے میں ہمہ تن مصروف تھے، ماشاءاللہ نصف درجن کے لگ بھگ برخوردار اور برخورداریاں اور ایک عدد" وہ" دسترخوان کی بساط پر شطرنج کے مہروں کی طرح بسے ہوئے، پراٹھوں سے انڈے، انڈوں سے قیمے، اور قیمہ سے اچار تک چوطرفی لڑ رہے تھے کہ دروازے پر بائسکل کی چرچر اور گھنٹی کی ٹن ٹن کے ساتھ صدا آئی" کیا نام کہ مولوی صاحب ہیں"

معلوم ہوا کہ چلتے جبڑوں میں کسی نے فل بریک لگا دیا، سہمی آنکھوں کے کئی پھٹے پھٹے جوڑ مختلف تیوروں سے اس کھڑکی کی طرف دیکھنے لگے جدھر سے چلمن کی تیلیاں توڑ کر" کیا نام کہ مولوی صاحب" کی دخل در ماکولات صدا زنانہ پنجرے میں آئی تھی، خود ہماری یہ کیفیت ہوئی کہ انڈے کی زردی جو نہ نشین ہونے کی پہلی منزل طے کر کے ابھی سلامتی سے ٹینٹوے ہی کے اندر کھیل رہی تھی" کیا نام کہ مولوی صاحب" کے ساتھ جہاں کی تہاں ٹھس کے رہ گئی، دم خفا ہو جاتا اگر سلیم کی اماں پانی کا چھل چھلاتا کٹورا فوراً منہ سے نہ لگا دیتیں

یاد ہی "کیا نام کہ مولوی صاحب" کے بم کا دوسرا دھما کا کانوں کے رستے اتر کر حلق کی سکڑی ہوئی چوڑیوں کو ڈھیلا نہ کر دیتا، چنانچہ ادھر زردی کھٹ سے منزل مقصود کو پہنچی ادہر لائن کلیر ہوتے ہی اس مضمون کی پہلی اطمینانی سانس بھی آئی کہ آواز دینے والا نصیب دشمناں مکان دار کا آدمی، بنئے کا گماشتہ یا ساہوکار کا پیم نہیں ہے، اس لئے کہ تنخواہ کی پانچویں کو "مولوی صاحب ہیں؟" کی صدا پر اگر ہامی بھر لی جائے تو چنور بین کے لذیذ پروگرام کی تکمیل خطرے میں پڑ جائے، احتیاطاً گلے کا روپ بدل کر پوچھا "کون صاحب ہیں"؟

جواب ملا کہ "میونسپلٹی کے منشی جی ہیں اور کیا نام کہ اسم نویسی کو آئے ہیں، گھر میں کوئی مرد ہو تو بھیجئے"

مرد کا قرعہ تو خیر ہمارے نام نکلا، مگر یہ اسم نویسی؟ آئینہ پر نظر پڑی ہمارا کھایا پیا چہرہ انگریزی کی علامت سوال کی طرح جوں کے نیچے ایک نقطہ بن کر رہ گیا تھا!

نکلنا ہی پڑا،

دیکھا تو نو وارد سیج میچ کے منشی جی، بغل میں بلا مبالغہ چھوٹے چھپر کی برابر رجسٹر دبائے کھڑے تھے، مردانے میں بٹھایا اور رونق افروزی کی علت پوچھی فرمایا "فدوی کو جو ہے سو کہ منشی بدرالدجیٰ صاحب کہتے ہیں، مڈل فیل ہوں اور میونسپلٹی کی کچہری میں الکشن کے صیغہ کا محرر، اس علاقہ کے ووٹروں کی اسم نویسی کیا نام کہ میرے سپرد ہوئی ہے"

یہ کہتے کہتے رجسٹر کے پٹ کھولے جو اتنا لمبا چوڑا تھا کہ ہماری تو ہماری باوا آدم سے ایں دم تک کی اسم نویسی کے لئے بھی کافی اور خانوں اور جدولوں کے مارے پوری سنہ رممبئی کے ریلوے اسٹیشن کا نقشہ معلوم ہوتا تھا۔

غرض کہ منشی جی نے یا فتاح کہہ کر قلم سنبھالا'
"فرمائیے' اسم شریف؟ کیا نام کہ چھوٹا کر کے بتائیے گا' چھاپہ خانہ کی غلطی سے نام کا گھر ذرا اوچھا ہو گیا ہے۔"

ہم نے کہا" منشی جی' دعا سے آپ کی' آدمی خاندانی ہوں' کنیت عرفیت' شریعت' طریقت ملا کے اس نیاز مند کا اسم شریف اتنا طویل ہے کہ آپ کے دس خانوں میں بھی ہضم نہ ہو سکے گا' مگر آپ کی اور رجسٹر کی خاطر نچوڑ کر بتاتا ہوں' لکھ لیجئے' چمن' ولدیت کی ضرورت تو نہ پڑے گی؟"

خوش ہو کے فرمایا" ٹھیک ہے' بالکل خانہ کی برابر' سوت بھر کم نہ بال بھر زیادہ' اور کیا نام کہ ولدیت سے ہم کو کیا کام' ہوئی تو کیا اور نہ ہوئی تو کیا ووٹ کے لئے تو جو ہے سو آپ کی اہلیت درکار ہے' اس کا خانہ آگے آتا ہے' اچھا صاحب مکان کرایہ کا ہے یا ذاتی؟"

ہم نے کہا" لے اب آپ سے کیا پردہ' مکان تو کرایہ ہی کا ہے مگر مکان دار لاولد' اور عمر کا لحاظ کرتے ہوئے شبے مانند شبے دیگ یعنی مانند برسات کی دھوپ ہی معلوم ہوتے ہیں اور معتبر راویوں سے سنا ہے کہ نام خدا ہمیں گود لینے والے ہیں' اس رشتے سے مکان ہمارا اور ہماری اولاد ہی کا سمجھئے کیا خیال ہے؟"

منشی جی کو سمجھنے میں کیا دیر تھی' خانہ پر ہو گیا" مکان ذاتی' مگر کیا نام کہ بہ امید آئندہ' ٹھیک ہے نا؟ کرایہ کوئی ہزار روپے' سالانہ لکھے دیتا ہوں" منشی جی نے تجویز کیا' ہم نے مشورہ دیا کہ" پورے ہزار ذرا مخدوش ہوں گے' ایک آدھ سیکڑہ اور کچھ آنے پائی بڑھا دیجئے تو بہتر" کہنے لگے بات تو معقول ہے' کیا نام کہ آپ بھی دفتری داؤ گھات سے واقف معلوم

ہوتے ہیں، اچھا صاحب، ماہوار آمدنی کا حساب اور بتا دیجئے" ہم نے کہا
" منشی جی یہ ٹیڑھی کھیر ہے، ہمارے اندرونی معاملات میں میونسپلٹی کو کیا
دخل" ؛ کہنے لگے " مجبوری ہے، خانہ جیب چکا ہے اور آپ جانیں ہم
روٹی اسی خانہ پری کی کھاتے ہیں"

" یہ ہے تو سنئے" ہم نے کہا " ڈیڑھ سو سرکار سے اتنے ہی ساہوکار
سے، تاش گنجفہ سے پچیس تیس، دوست احباب سے دس بیس"

بات واجبی تھی، منشی جی بولے " سیدھے سیدھے تین سو ساٹھ لکھے
لیتا ہوں، جو ہے سو کہ بکھیڑے سے کیا حاصل، اور آپ تو ضابطہ کی رو سے
تہرے چہرے ووٹ کے حق دار نکلے، لے اب حلیہ کا خانہ اور بھروا دیجئے"
ہم نے کہا " منشی جی پہلے الکشن کی تاریخ بتائیے پھر حلیہ کا تصفیہ ہوگا
یوں کہ ۲۰ تاریخ کے اندر اندر ہوگیا تو آج کا حلیہ پورے باون تولے پاؤ
رتی اترے گا ورنہ تلبیس شخصی میں ہم دھرے جائیں گے اور حلف دروغی
میں آپ"

یہ سن کر منشی جی جو رجسٹر کے " تصدیقی دستخط " کا خانہ گھر سے بیٹھے ہی
بھر لائے تھے ذرا سٹ پٹائے اور شملے کے پیچوں کو ہٹا کے کھوپڑی کو جگہ جگہ
کریدا کھجایا اور کھسٹ کھٹایا، مگر اس معمے کا کوئی حل نہ پاکر قفل ابجد کی طرح
بند کے بند ہی رہے۔

" منشی جی" ہم نے کہا " معاملہ یہ ہے کہ ہمارا حلیہ جیب کی موجودات
کے ساتھ ساتھ اسی طرح بدلتا رہتا ہے جس طرح سورج کی روشنی کے
ساتھ گرگٹ کا رنگ، آپ دیکھیں گے کہ ۲۰ کے بعد ہی یہ کنول سا چہرہ دھتورے
کا پھول ہو جائے گا، صاف اور سپاٹ پیشانی پر اتنے بل پڑے ہوں گے

کہ معلوم ہوگا کسی نے ہل چلا دیا ہے۔ یہ پھولے ہوئے گال تباشے کی طرح بیٹھ جائیں گے، ان چمکیلی آنکھوں پر جو آج دن میں تارے گن سکتی ہیں بس کے بعد کیچلی چڑھ جائے گی، ٹوٹنے پر پانی بھی نہ سوجھے گا، ہات پھیل جائیں گے کہ صبح شام کسی مایا مندر کی پکرما کر لیا کریں۔"

منشی جی کے چہرے پر اقلیدس کی مختلف شکلیں بنتی بگڑتی رہیں نتیجہ یہ نکلا کہ بڑی ہمدردی سے فرمانے لگے "گھبرائیے نہیں، مہینے کے شروع اور بیس کے بعد کا ملا کر کیا نام کہ معتدل حلیہ لکھے دیتا ہوں، دھرے گئے تو جرمانہ، ورنہ جیل کا دھڑکا تو نہیں رہے گا"

دفعتاً سلسلۂ کلام چار اور مکھن چپڑے توسوں کی آمد نے منقطع کر دیا اور اس سے پہلے کہ کشتی کا باضابطہ تعارف ان سے کرایا جائے منشی جی نے جھٹ سے رجسٹر گردانا اور یہ کہہ کر کہ "جو ہے سو کہ اس کی کیا ضرورت تھی" رسمی اصرار اور فرضی انکار کا مختصر کر دیا اور ایک پر ایک چار توس اور حلق کی چکنائی دور کرنے کے لئے چائے کے ڈبل ڈونی کی رسید معدے سے وصول ہونے پہ پان سگرٹ کا معمول سے کر شکریہ کی ضرورت نظر انداز کرتے ہوئے رخصت ہو گئے،

اسم نویسی کی یہ اتفاقی واردات باسی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ایک دن تڑکے شہر جو بیدار ہوتا ہے تو یہ طرفہ تماشا دیکھتا ہے کہ ع کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر دیوار کا، یعنی ہر گلی کوچہ اشتہاروں کی کثرت سے نوٹس بورڈ بن گیا ہے اور ہر اشتہار میں ممبری کے کوئی امیدوار صاحب باتعاون چوب قلم سے چھپے ہوئے منظر عام پہ چپکے پڑے ہیں،

گشش اور دائروں کی اس جرنل پریڈ میں ایک ایسا اشتہار بھی تھا

جیسے پڑھنے، دیکھنے یا کم از کم سننے کے لئے شائقین یا تمکین اس طرح زیرِ بالا ہو رہے تھے جیسے مٹنی شو کے ٹکٹ کے لئے چوتھے درجے کے معزز تماشبین "

ہم ان حضرات کے بلدی احساسات کا احترام کرتے ہوئے جو الکشن لڑانے کا بیوپار کرتے ہیں فن استہار بازی کے اس نادر شاہ کار کا خلاصہ عرض کرتے ہیں کہ ان کا روباریوں کی آئندہ نسلیں اسی شغل کا کام لیں اور ہماری رفاہ عام نیت کو فاتحہ خیر میں یاد فرمائیں، ملاحظہ ہو۔

"پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی "

بفضلہ تعالیٰ کہ امسال بارش اچھی، غلہ سستا اور شہر ہر قسم کی بیماریوں سے پاک ہے، ہم یعنی خاکسار المشتہروں نے آپ دوشر بھائیوں کے بھروسے پر رمضانی میاں کی ممبری لڑانے کی بات پکی کرلی ہے، خود رمضانی میاں نے بڑے ذوق شوق اور دھوم دھام سے آخر دم تک ممبری کرنے اور اپنے حلقہ کی عملی، علمی، ادبی، سیاسی، اقتصادی، اختیاری، بے اختیاری، مذہبی تاریخی، جغرافی غرضکہ ہر قسم کی پستی جڑ بنیاد سے مٹانے کا وعدہ کیا ہے یہاں تک کہ اسٹام لکھ دینے کو تیار ہیں، رمضانی میاں کا ہر طرح کا علم بہت بڑھا ہوا ہے، مادری زبان کے علاوہ شعر و اشعار، قصیدے چاربیت وغیرہ وغیرہ میں رمضانی میاں اتنا دخل رکھتے ہیں کہ سننے والے کو مشکل یقین آتا ہے صفائی کا رمضانی میاں کو اتنا شوق ہے کہ دن میں تین دفعہ چار ابرو کا صفایا کرتے اور پنج وقتہ چوتا ٹوپی دھلواتے ہیں، رمضانی میاں کا خیال ہے کہ نلوں میں دو وقت پانی کے بجائے سوڈا واٹر چھوڑا جائے اور جمعرات جمعرات حلقے بھر کا نون، تیل، لکڑی بنئے کی دوکان سے مفت ملے،

رمضانی میاں کا دل ذات پات چھوت چھات کے حیا لاتسے پاک ہے، جس کا غالباً ثبوت یہ ہے کہ رمضانی میاں جب دولھا بنے ہیں تو سر پہ مکٹ، بدن میں جاکٹ، چکن کا کرتا، اور سینہ پر کٹائی کلیدار پیجامہ اور پاؤں میں گھتیلا ناٹ باٹی تھا، فادر بگ بیر نے خطبہ پڑھا، پنڈت گنج بہاری نے وکالت کی، دستور کیقباد اور سردار جھنڈا سنگھ نے شہادت دی تب قاضی چراغ دین نے نکاح باندھا، اور بادام مصری کے ساتھ چاکلیٹ کی پڑیاں اور مونگ کی بڑیاں لٹائی گئیں"

یہ تھا اس اشتہار کا خلاصہ، آخر میں لکھا تھا ؎

کاغذ نہیں اگر نہ ہو الجھنا
تھوڑا لکھا بہت سمجھنا!

فقط المشتہر"

پانی کو دیکھ کر جس طرح مرگی کا دورہ پڑتا ہے اسی طرح "المشتہر" پر نظر پڑتے ہی ہم بھی "الکشن" میں مبتلا ہو گئے اور خانہ خراب مروت کہئے یا اعمال کی شامت، ورنہ شئے لطیف کی قلت سمجھنے ہیں آپ کو واللہ تکلف نہ کیجئے کہ شام ہونے سے پہلے "الف" سے بڑی "ے" تک ہمارا ووٹ ہر حلقے کے لئے وقف ہو چکا تھا، اور الکشن کے روز آفتاب سوا نیزے پہ بھی نہ چڑھنے پایا تھا کہ لوگ ہمارے ووٹ کی تلاش میں دروازے پر اس طرح مسلط تھے کہ گویا ہم نے قتل عمد کا ارتکاب کیا ہے یا اشتہاری ڈاکو ہیں!

ایک "اماں جمن میاں ہو شنا" !

دوسرا "جما خاں صاحب ہیں ایں ایں" !
تیسرا "شیخ جمّو اُد اُد" !
چوتھا "مرزا جمن بیگ صاحب" !
پانچواں "اجی میر ضامن علی صاحب" !
یہ ہمارے نام کی صرفی گردان تھی۔

کوئی "ہو کفد" "ب" کا لونڈا اور ووٹ دے "ج" کو ! کیا مجال" پھر کوئی "جمن میرا لنگوٹیا یار ہے قتل کر کے رکھ دوں جو "ل" ووٹ لے جائے"

اس پر کوئی "واہی ہوئے ہو، جما میرا ننھیالی ہے" "د" کو دیگا آخر ہیں کوئی۔" اور یہ "ک" "جوان کے باپ کے ملنے والے ہیں" ان سب پر کوئی۔ "معلوم ہے، ہم بڑے "ق" کے ہیں"! یہ ہماری ترکیب نحوی تھی اور یہ سڑبونگ دیکھ کر خود ہم، بیگم اور بچے مل کر جملہ سہمیہ پریشانیہ بنے کھڑے تھے۔

مکان کی عقبی دیوار میں ایک رخنہ تھا جو مدت سے خنفار بداماں چلا آ رہا تھا آج مکان دار کے حق میں دعائے خیر اور گھر والی کے نسوانی مشورے پر عمل کرنے کا پہلا موقع تھا کہ اسی سوئی کے ناکے سے اونٹ نکل بھاگا جسکی بلبلاہٹ ہیں سنائی دے رہا تھا ؎

جو ہم ایسا جانتے کہ ووٹ دئے دکھ ہوئے
نگر ڈھنڈورا پیٹتے کہ ووٹ نہ دیجو کوئے

گدھا کانفرنس!

کیوں جناب ہم نہ کہتے تھے؟ اور بنایئے انجمنیں! اور کیجئے کانفرنسیں! لاکھ سمجھایا، بار بار جتایا کہ دیکھو یارو گھر کے جو اس کٹھیا میں بند کر کے اگر وہ کی عقل کو تل چوڑ کے پرائے جھگڑے پہ ٹھیکرا پالنا، بات بات پہ وہ جو مثل ہے کہ دون نہیں، لا میری پانکی، تیل نہیں، لا میری پانکی، تو رے تمہاری کے سنے چوڑھے چکی کے لئے انجمنیں بنانا، کانفرنسیں بٹھانا تمہیں راس نہیں آنے کا، بقول ہمارے لالہ جی کے "جے ما لو بڑ وکھو تو ہے سا سب منگ کے" تو بھلے مانس کان میں انگلیاں دئے بیٹھے رہے، ایک نہ سنی، لگی پھانس اور بنی انجمن، آئی چھینک اور چائی کانفرنس! پھر جو یہ آندھی چلی تو اللہ دے اور بندہ لے،

اتنے ہی پہ قرار آ جاتا تو بس تھا۔ ایک لال بجھکڑ کا پیٹ جو پھولا تو نہ مدھ بدھ کی لی اور نہ منگل کی لی، آؤ دیکھا نہ تاؤ، اس سرے سے اس سرے تک اپنے بیگانے اڑوسی پڑوسی سب کو سمیٹ لگا دم گزا نام رکھا "آل انڈیا کانفرنس" اب حالت یہ ہے کہ یہی "آل انڈیا" آکاش بیل کی طرح جو پھیلا ہے تو ہمالیہ کی چوٹی سے لنکا جی کی ایڑی تک، تو بیما ایرا

خیرا نتھو ا خیرا سبھی اس مہا جال کے جنجال میں پھنسے ہیں، جیسے آل انڈیا پیٹ بھرے کانفرنس، آل انڈیا خالی پیٹ کانفرنس، آل انڈیا سالن کانفرنس آل انڈیا روٹی کانفرنس، آل انڈیا میاں کانفرنس، آل انڈیا بیوی کانفرنس آل انڈیا دھوتی کانفرنس، آل انڈیا ٹوپی کانفرنس، آل انڈیا بلیہ کانفرنس، آل انڈیا وہ کانفرنس، غرضکہ اس آل انڈیا کے ایک انڈے سے اتنے بچے نکلے ہیں کہ اب گھر میں کھانے کو دانہ ہے نہ جبر سے ٹاپے میں رہنے کو ٹھکانا، اب بھگتیئے اس کانفرنس بازی کا خمیازہ، یعنی سن لیجئے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزے نے رنگ پکڑا، غضب خدا کا جو مخلوق قطب شمالی سے قطب جنوبی تک سندی احمق، بین الاقوامی گھامڑ کہی سنی اور سمجھی جاتی تھی، اس نے سنبھالا لیا، اور علی الاعلان اس وقت کہ ہم کہہ رہے ہیں اور آپ سن رہے ہیں، گدھا کانفرنس جڑی ہے اور صدارت کا خطبہ صادر ہونے کو ہے،

افسوس ہے کہ جلسہ کا پورا پورا لطف آپ نہ اٹھا سکیں گے، وجوہ ناگزیر ہیں، تقریب گدھوں کی ہے، کارروائی راز میں ہے اور خود آپ کا رپورٹر غیر برادری ہونے کی بنا پر یا دولتیوں کے ڈر سے جلسہ گاہ کے باہر۔

لیجئے ہل چل بند، چیخ پکار ممنوع، فضا میں سناٹا، کان کھڑے ہوئے، دم ہلی اور صدر صاحب شروع ہو گئے،

" قوم کے کھمبو! برادری کی چھتو! بھائی گدھو! اور گدھی بہنو! جیٹھ بیساکھ کی چلچلاتی دوپہر، تپتی دھوپ، اور جھلسی ہوئی دوب کے اس فرحت بخش بنجر میں آپ کے یہ مطمئن اور بشاش چہرے، آپ کی یہ خاموش اور ہمہ تن جوش بھیڑ دیکھ کر جی بے اختیار "ہیں چو ہیں چو" کرنے کو چاہا، مگر میرے جذبات خودداری جوتی پیزار دھینگا مستی پر اتر آئے، جب میں نے محسوس کیا

کہ اس یادگار موقع پر آپ میں سے بعض حضرات کے پھولے ہوئے نتھنے اور تکی ہوئی تھوتھڑیاں چغلی کھا رہی ہیں کہ جیسے خدا نہ کرے مجھ میں مانس گند آتی ہو! منہ میں ہری گھاس لے کر کہتا ہوں کہ اگر میرے شبہات صحیح ہیں تو آپ نے گدھے کی فطرت میں ٹبا لگایا اور قصور معاف، اپنے کردار کے خلاف بغاوت کی۔ آپ بدگمان نہ ہوں، حریفوں میں عمر کا سو فیصدی حصہ گزارنے اور دودھ کے دانت گرنے سے، دم جھڑنے تک، دشمنوں میں ایک جان دو قالب کی طرح بسر کرنے کے باوجود، پاتا ہوں کہ بفضلِ اعدا آدمیت کی بو باس سے آج بھی ویسا ہی مبرا ہوں جیسا کہ روحِ خس کی مہک سے مٹی کا تیل، یا خود ہمارے سر سے سینگ! یقین کیجئے کہ آپ کی روائتی برد باری اور پشتینی تحمل پر مجھے بدہضمی کی حد تک اعتماد نہ ہوتا تو شاید آسمانی... سلطانی، یا بجلی پانی کی بڑی سی بڑی طاقت اس پیر خرفت کو اپنے خداوند مجازی یعنی کلو دھوبی کی ہاتھی برابر لادی پٹک کر راہِ فرار اختیار کرنے اور اس قومی جلسے کی صدارت کا خوشگوار بار اٹھانے پر مجبور نہ کر سکتی، یہی نہیں نیک نیتی مجھے یہ عرض کرنے پر مجبور کر رہی ہے کہ خدانخواستہ گدھا کانفرنس کی صدارت کا اعزاز اگر آپ نے اس مغالطے میں بخشا ہے کہ یہ ہیچ مدان قوم کا سب سے برگزیدہ، تجربہ کار اور زمانہ کا نبض شناس فرد ہے تو معاذ اللہ مجھے آپ کے حسن ظن پر ماتم اور اپنے ساتھ ساری جماعت کی پوزیشن صاف کرنا پڑے گی، سمجھئے اور ہو سکے تو یاد رکھئے کہ گدھے کی حیثیت سے ہماری ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ حسنِ اتفاق سے جو گدھا ہے وہ ازل ہی سے گدھا ہے اور اس کا فرض عین ہے کہ ابد تک گدھا ہی رہے اتنا ہی نہیں، گدھے پن میں اصولاً مساوات پہ ہمارے اسلاف اتنے

مصر اور سختی سے کار بند رہے ہیں کہ ہر گدھے کا بچہ ماں کے پیٹ ہی میں آخری کسر تک باپ گدھے کے مساوی ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ آزمائش کے لئے آپ میں سے جس کا جی چاہے آدمی کا بہروپ بھر دیکھے، چیلنج دیتا ہوں کہ رنگ روغن جب اڑے گا، گدھا اور نرا گدھا ہی برآمد ہوگا۔

بہرکیف باپ دادا کے نقش قدم پر چلنے والا یہ بدنام کنندہ نکو نامے چند کسی مغالطہ یا خود فریبی کو اپنے لئے کسی قیمت پر بھی جائز رکھنے کے لئے تیار نہیں۔ مدارج کی زیادہ سے زیادہ برتری جو آپ کے کسی فرد پر میرے سر تھوپی جا سکتی ہے اتنی ہی ہے کہ دو مٹھ گھاس آپ سے بڑھ کر کھائی ہوگی یا چار دولتیاں آپ سے زیادہ جھاڑی ہوں گی۔ بس۔

دوستو! آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ آرام کی میٹھی نیند سونے والے کو جھنجھوڑ کر چونکایا جائے تو ننانوے فیصدی بالوں کی عزت ہاتھ میں لے لیتا ہے، پھر یہ بیسویں صدی کے فلفل مزاج گدھے کچھ ایسی تیلی کا تیج کا مزاج لے کر آئے ہیں کہ ادھر کسی پرانے خرانٹ کے منہ کی بھاپ لگی، ادھر تاؤ تیز ہوا اور ہوئے چھن سے ایک کے ہزار ٹکڑے۔ اسی خطرے سے بچاؤ کے لئے میں نے آپ کی صدارت کا جوا کاندھے پر رکھتے ہوئے ٹھان لی تھی کہ دھواں دھار تقریر اور ملمع کی تحریکوں سے اتنا ہی گریز کروں جتنا پانی سے ایمپی یا پولس سے بدمعاش، اور بیداری کی پہلی جماہی آتے ہی یاد دلا دوں کہ آپ کیا تھے، کیا ہوئے اور بنصیب دشمناں اب بھی لوٹ نہ لی تو کیا ہو جائیں گے۔ آپ گھوڑا نہیں گدھے ہیں، اگر بارہ برس بعد اس کے دن پھر سکتے ہیں تو کیا معنی کہ آپ کے دن نہ پھریں۔

علم سینہ کی بعض پیچ در پیچ اور گول مول بلکہ سچ پوچھئے تو بے معنی

روایتوں سے ہمارے کسی نہ کسی جد اعلیٰ کا وجود اس دور میں ثابت کیا جا سکتا ہے، جب حکیم فقفس مشہور ماہر فلکیات کی تحقیق کے مطابق آسمان زمین نئے نئے بنے تھے، سورج برف کا ٹھنڈا گولہ اور چاند کی بڑھیا تاروں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلا کرتی تھی اور بادلوں سے پانی کے بجائے کھیلے بتاشے یا لڈو پیڑے برسا کرتے تھے، ان ہی روایتوں سے اس بات کے بھی اتے پتے ملتے ہیں کہ ہماری جدیت کے دعویدار دو بزرگوار تھے، ایک گھوڑے صاحب، دوسرے خچر میاں، اپنے اپنے دعووں کے ثبوت میں دونوں نے کیسا کیسا لیتا دکیا ہوگا، تاریخ کا منہ کیلا ہوا ہے، البتہ ہمارے پرائیویٹ احساس ٹٹولے جائیں تو بے سمجھے بوجھے یہ بدیہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان دونوں اولوالعزم ہستیوں میں ہمارے دادا بننے کی اتنی ہی صلاحیت پائی جاتی ہے جتنی کسی مرغی میں انڈے دینے کی قابلیت، کان کی نوکیں چھانٹ دیجیے، دو مٹھی قد غائب ہو، بات بھر بیل بڑھ جائے اور گلا ...... اک ذرا سریلا ہو جائے پھر کوئی سلوتری ہم میں اور گھوڑے دادا میں رتی بھر فرق نکال دے تو چوتھیا کرا دیجیے، اور یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ میاں خچر اور ہمارے درمیان صرف مزاج کی ٹیڑھ اور قد کی اونچ نیچ کا بل ہے، سو ایک توے کی روٹی کیا چھوٹی، کیا موٹی!

غرضکہ ع دو عمل بین ہمارا آشیاں تھا کہ تاریخ کے ورق ماند پڑ گئے، اور پیڑھی در پیڑھی گزرنے پر دوبارہ ابھرے تو وہ سنہری دور آ چکا تھا جب ایک گلے پہ چانٹا کھا کے دوسرے کی مانگی دکھانا ثواب سمجھا جاتا تھا، اور ہمارا منطقی بھائی انسان، انسانیت کے اونچے چھپرے قلابازی کھا کر آدمیت کی خندق میں نہیں گرا تھا! اپنے منہ میاں مٹھو بننا اگر عیب نہ گنا جاتا تو

خاک چاٹ کے کہتا ہوں ڈھول، پیٹ پیٹ کے یہ بھید کھولتا کہ ہماری یہ مرنجان مرنج طبیعت' یہ سیدھا سپاٹ مزاج اور ہماری یہ پالیسی کہ "ادھو کا دین، نہ مادھو کا لین" جو اس کھینچ تان کے زمانے میں بھی ہمارا قومی امتیاز ہے' اسی دورِ زرین کی امانت ہے جس کی ایک ادنیٰ سی برکت یہ ہے کہ دنیا ایک ہی گت ناچتے ناچتے اتنی اکتا گئی کہ بے تالی ہوگئی مگر ہم ہیں کہ آج تک اسی لے میں گڑے ہوئے ہیں جس سے اٹھے تھے'

بھائیو آؤ اس زمانہ کی یاد تازہ کرتے ہوئے ایک جھرجھری لیں اور منہ اٹھا کر بے ساختہ " ہیں چوں چرا" کریں' یوں دنیا کو جتا دیں کہ ؏

ہر چند بے سرے ہیں مگر بولتے تو ہیں

برادرو! بات پر بات یاد پھر آئی' ہوچکی تھی اگرچہ ساری بات آج مجمع کو اغیار سے خالی پاکر جرات کرتا ہوں اور اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ایسی ڈھکی چھپی بھی تم پر کھول دوں جس کو بھلا کر تم نے ہمسایوں کی نگاہ میں اپنا نہیں ساری گدھا برادری کا وقار عزت ربود کر دیا' اور انھیں یقین دلا دیا کہ ان ہری چگوں کے چارجانہ تو کیا مدافعانہ ہتھیار بھی کند ہو گئے۔

جانتے ہو کہ تمہارے کردار کو ایک مکمل گدھے کی باعزت حیثیت تک ترقی دینے میں باہری علتوں کے سوا ایک اندرونی حادثہ بھی کارفرما رہا ہے' یہ تمہارے اعضا کی بناوٹ اور کردار سے ان کے لگاؤ کا مسئلہ ہے اور اس حد تک نازک اور دقیق ہے کہ بجز ہمارے قومی مفکروں کے تحقیق اور کاوش کے دوسرے مدعی اس کو نظر انداز کر دینے پر ہمیشہ مجبور پائے گئے ہیں'

باوجودیکہ اس کم سواد پہ قومی معلومات کے ماہر اعظم ہونے کا شبہ

کیا جاتا ہے، مگر میں بھی پریشان ہوں کہ دم سے شروع کروں یا سر سے، گدھے کی کوئی چیز ایک دوسرے سے افضل نہیں بہرصورت گفتگو کی ابتدا سر سے کیجئے، تو آپ پائیں گے کہ اس کے اندر بھیجا تو ہے مگر کھانے کے کام کا نہیں یہی وجہ ہے کہ ہم ذات بھائی دس پانچ مل کر کبھی کاؤں کاؤں کرتے سنائی نہیں دیے، اپنی اپنی جگہ اپنے خیال میں ڈوبے ہوئے کھڑے ہیں تو کھڑے ہیں، جس کا جی چاہے اس ایک سوئی کی تقلید کرے، طرفہ ماجرا یہ کہ اس بھیجے میں نہ کوئی حجرہ ہے نہ دالان، کہ عقل سی مفرِ صحت، مخل اوقات بس کی گانٹھ، فساد کی پڑیا، فتنہ کی جڑ اس میں رہے بسے اور کرایہ میں ہماری ہی زندگی اجیرن کردے، بھیجے کی اس سادگی کا طفیل ہے کہ آج تک ہماری قوم کا کوئی فرد کبھی جیل گیا نہ پاگل خانہ میں دیکھا گیا، اور چھٹے چھ ماہے اگر بھولا بسرا کا بجی ہوس چلا بھی گیا تو اس کا محرک ہمارا دماغ نہیں گیہوں یا چنے کا وہ لہلہاتا کھیت ہوتا ہے جس کی سبزی اور گل ریزی کا لطف اٹھانے اور ایسا ہی من بھایا تو نمک چشی کے لئے چار تنکے منہ میں ڈال لینے بھر کے ہم ذمہ دار ضرور ہوتے ہیں، یا وہ خسیس تنگ دل اور بدمذاق کسان، جو ہمارے ذوق بہار پرستی کی داد نہ دیتے ہوئے اپنے "پتے پتے" کو جیون مور کی بوٹی یا اکسیر اعظم سمجھ کر ہمارے اور کھیت کے درمیان ببول کے کانٹے حائل کر دیتا ہے اور ذرا نہیں شرماتا کہ ہم کس فراخ دلی اور کشادہ پیشانی سے اپنے آبائی رمنوں میں اس کو گھاس چھیلنے یا الاؤ کے لئے سوکھے پتے بٹورنے دیتے ہیں اور اف نہیں کرتے،

خیر، یہ ایک سرسری بات تھی، ہماری قوت حافظہ اس ڈھنگ پر رکھی گئی ہے کہ حد سے زیادہ پاؤں نہ پھیلا سکے، نہ خواہ مخواہ ہمارے روزمرہ میں دخل

دے، خانگی انکار، یا قومی کاروبار میں ڈبے ڈوبے، دن دو دن، کسی چراگاہ میں، قصبہ کے گلی کوچوں یا کسی اور سر پنجر میں گزر جائیں تو یاد دلا دے کہ اب سٹھو دھوبی کے گھر جانا ہے، یا رامو کمھار کے، اور یہ نہ بتائے کہ اس رخصت غیر مستحقہ پر ڈنڈے پونگے، لات کی کے ذریعہ جو بازپرس ہوگی اس کا ہمیں چوں میں چرا" کے سوا ہمارے پاس اور کوئی جواب بھی ہے،

ہونٹوں چڑھی کوٹھوں چڑھی، کے ڈر سے صاف صاف نہیں کہہ سکتا، اشارے کنائے کی آڑ میں کہتا ہوں کہ اسی دماغ میں ان خوردبینی جراثیم کی پشتیں گوئی بھی کی گئی ہے، جن کی پُراسرار اور ترقی یافتہ قوتوں سے ایک زمانہ آئے گا کہ دجال سی فتنہ خیز ہستی اٹھے گی اور فائدہ اٹھائیگی، یہ سوال کہ اس کے انتخاب کی داد دی جائے یا اپنی قوم کو مبارک باد، آجتک چیستاں بنا ہوا ہے،

کہتے ہیں کہ ہم ہر وقت گردن ڈالے، سر جھکائے کھڑے رہتے ہیں گویا ایک پیکر جمود ہے کہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے، کم نظرے کیا جانیں کہ یہ دراصل ہماری دماغی ادھیڑ بن کی دلیل ہے کہ گھاس کی درآمد برآمد گھسیاروں کی چوری اور سینہ زوری، یا واٹسنگ کمپنیوں کی کمی زیادتی کا ہماری آئندہ زندگی پہ کیا اقتصادی اثر پڑنے والا ہے، یا پھر علامت ہے اس انکساری کی جو طاؤس، لقہ کبوتر اور راج ہنس سے اکڑ باز شیخی خوروں کے ہاں عنقا کا حکم رکھتی ہے،

کبھی اپنی بتیسی دیکھی ہے؟ کیسی صاف جیسے موتی، کیسی مسلسل، جیسے مالا، اور کتنی بے ضرر کہ ڈرپوک سا ڈرپوک آپ سے نڈر، آپ پر شیر کا گماں! نعوذ باللہ! آپ کے جبڑوں سے، اندیشہ! استغفر اللہ!

اس موقع پر یہ بھی نوٹ کیجئے کہ اگر ہم گدھے اہنسا کے قائل نہ ہوتے تو اپنے سم پنجوں سے بدلو اکہ اس خونی برادری میں جنم لیتے جس کا نام نکر اور نہیں اور نہایں، تب تو چڑھ ہی آتی ہے، ہمارے نزدیک مچھر کی نکسیر پھوڑنا بھی قتل عمد کے مساوی سمجھا جاتا ہے، چنانچہ یہ سم ہماری ٹانگوں کی قوت رفتار کو اعتدال پہ رکھنے کے کام آتے ہیں، یا ایسے ہی کبھی دولتی چلانے کی نوبت آئے تو اس کے جھٹکے کو چوٹ پہ دفت بنانے میں،

دوستو! گفتگو شیطان کی آنت ہو چلی، میں دیر تک تمھارے ضبط سے کھیلتا رہا، ایک جملہ اپنی کھال کے متعلق بھی سن لو وہ یہ کہ فی الحال تمھاری کھال، شال کا کام دیتی ہے، مگر جب تم نہ ہو گے تمھاری کھال کی یادگار کیمخت کے جوتے بن کے جائیں گے، اور قیامت کے بگل ہونے تک تمھاری ارواح کو ثواب پہنچائیں گے،

لو بات ختم ہوئی، فقط دم کی کسر ہے، سر سے پاؤں تک تمھارے بدن میں اگر کوئی بے چین ہے تو تمھاری دم ہے، کوئی مانے یا نہ مانے مگر کسی طبلچی سے اس کی قدر پوچھو اس کے نام کا ٹھیکہ بجاتا ہے، تمھاری استادی، اپنی شاگردی کا اعتراف کرتا ہے اور تمھارا نام آتے ہی کان پکڑتا ہے،

غرضکہ یہ تھے ہم اور یوں ہی رہتے اگر یہ آدمی کا بچہ ہمارے معاملات میں دخل در معقولات نہ بنتا اور عقل کی لگائی بجھائی میں آکر ہم سے دشمنی نہ ناندھتا، اس نے ہر چیز پہ اپنا کرودا بٹھایا، جھاڑ پہاڑ، کیڑے مکوڑوں تک اپنا گز سکہ چلایا، ہم گدھے تھے، ہم نے احتجاج کیا، اپنی پوری پوزیشن واضح کی، مگر آدمی، جو آج تک خود نہ سمجھ سکا کہ "میں کیا ہوں، کیا جانتا کہ

گدھے کو ان ہیں، پھر کیا ہوا، ناگفتنی ہے۔

مختصراً ہم اڑے رہے کہ گدھے رہیں گے، وہ مصر رہا کہ آدمیت سیکھنا ہوگی، جدائی کی بنیادیں پڑ گئیں، علیحدگی کی دیواریں کھڑی ہو گئیں، رفتہ رفتہ ہم نے اپنی دنیا الگ کر لی اور اپنے رسم و رواج کو کلیجے سے لگائے ہوئے وہ کیا جو ایک گدھے کو کرنا چاہیئے تھا، یعنی آدمی اور اس کی گڑھی ہوئی آدمیت کو بھاری پتھر تھا، چوم کر چھوڑ دیا، اور ایسے ہو گئے کہ ؎

ان تلوں تیل ہی نہ تھا گویا

ہم سے کچھ میل ہی نہ تھا گویا

اس ترک موالات کا انتقام آدمی نے اس گندے پروپیگنڈے سے لیا، جو صدیوں سے ہمارے خلاف جاری ہے اور اگر ہم گدھے ہی رہے جیسا کہ رہیں گے تو اس وقت تک جاری رہے گا کہ دجال کی پر جلال تشریف آوری کا ہنگامہ مچے اور ہمیں ان کی سرپرستی اور غاشیہ برداری کا شرف حاصل ہو۔

آپ کی دلچسپی کے لئے "نقل کفر کفر نباشد" آدمی کی زبان درازی کے دو چار نمونے سناتا ہوں، ہنسی اس پر آتی ہے کہ تیزی میں آ کر کہہ تو جاتا ہے مگر ذرا نہیں سوچتا کہ الٹی آنتیں اسی کے گلے پڑتی ہیں، مشہور ہے کہ ؎

خر عیسیٰ اگر بمکہ رود

چوں بیاید ہنوز خر باشد

اول تو تاریخ کے اعتبار سے اس واقعہ کا امکان غلط، پھر ہم کہتے ہیں کہ بھلے آدمی تیری ذات والے کتنے ایسے ہیں کہ وہاں جا کر آدمی ہی لوٹتے ہیں، شکر ہے کہ ہم تو جیسے تھے ویسے ہی ہو کر آ گئے،

ایک کہنے والے نے یہ کہہ کر اپنے نزدیک بڑا ہدف مارا کہ ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بہ زیر پالاں
طوقِ زریں ہمہ در گردنِ خر می بینم

یعنی گھوڑے بوجھوں مرتے ہیں، گدھے سونے کے طوق پہنتے ہیں، آپ نے دیکھا کہ اس مطلبی آدمی نے گھوڑے دادا کو چنگ پہ چڑھا کر ہم سے بدظن کرانے کی ٹھانی، کوئی پوچھے کہ بھیا طوق پہنے پہ تجھے کس رشتے سے حسد ہوا، اس کا گلا کوئی بچھیڑا اکڑتا تو ایک حد تک واجبی تھا، ہم دونوں بھگت لیتے،

یہی کیا، ہمیں چڑانے کے لئے مذموم چیزوں کے لئے ہمارا نام لگا کر الفاظ تراشے،

جھنجھی کوڑی کو "نشترِ مہرہ" فیل وار کہتے منہ دکھتا تھا "خر مہرہ" خروار کہا زخم کے لئے "خراش" گرا ،ھا، غل غپاڑے کے لئے "خر دوش" بنایا، چڑ چڑے کو "خر دماغ" کہا، بڑے کو "خراب" ویرانے کے لئے "خرابہ" وضع کیا، گھنو نے کیکڑے کو "خرچنگ" پکارا، بڈھے "خرف" بنے، مال گنوا کر "خرچ کیا" شراب خانہ کو "خرابات" جھگڑے کو "خرخشہ" بنایا، اس پر چین نہ آیا، کتے نے کاٹا "گوش خر" تجویز ہوا، کھا کھا کر موٹا ہوا تو "گدھے کی طرح پھولا" کہا

دوستو! سنتے سنتے کان بہرے ہو جائیں گے اور یہ فہرست ختم نہ ہوگی،

واقعات ہو چکے، حالات سن چکے، مطالبات کی باری ہے، گدھوں

کی جھیر رہے، گرمی کی رت آئے، پت جھڑ ہو، گھاس سوکھے، تب اسی بنجر میں، اسی جلتی لو میں، آئندہ جیٹھ کی پورنماشی کو ہم تم پھر ملیں گے، لوند ملا کے سال کے تیرہ مہینے دیتا ہوں، سوچ بچار کے آنا کہ اس کانفرنس کی رائے ہیں۔

ہم اور مشین گنوں کے ساتھ ساتھ دنیا کا جغرافیہ بدلنے کے لئے گدھوں کے ہل چلانا بھی ضروری ہے، فوج میں گدھوں کی سفر مینا بھی رکھی جائے

یہ کہ اس کانفرنس کی رائے میں گھوڑے اور گدھے میں تمیز کرنا ہمارے قومی احساسات کی توہین ہے، جرم قابل دست اندازی پولس قرار دیا جائے،

یہ کہ اس کانفرنس کی رائے میں ڈربی کی ریسوں میں صرف گھوڑے دوڑانا گدھوں کے سول حقوق کو پامال کرنا ہے، آئندہ سے ہمارے منتخب نمائندوں کو بھی اشتراک عمل کی دعوت دی جائے، ورنہ گدھے اپنے کو دیوانی چارہ جوئی پر مجبور پائیں گے اور ہرجے خرچے کا بوجھ نہ اٹھا پائیں گے،

یہ کہ اس کانفرنس کی رائے میں جائز نہیں ہے کہ آدمی اپنے کسی ہم جنس کو ہمارے معزز نام سے، یاد کرے، بشرطیکہ گدھوں کی پنچایت تعلیتہ آراسطے کر دے کہ کسی، ہمارے کم از کم تین چوتھائی خصوصیات کا حامل ہے۔

یہ کہ اس کانفرنس کی رائے میں . . . . دوستو ٹھیرو، وہ دور سے کلوا دھوبی، ہاتھ میں ڈنڈا، بغل میں رسی دبائے دکھائی دے رہا ہے، خطبہ ختم، کانفرنس ملتوی، با عزت

پسپائی، مارے پہلے پکار کی نوبت نہ آئے، داد مولا ایک دولتی جھاڑو، اور دم دبائے جدھر سینگ سمائے غائب ہو جاؤ ۔

شاہد

درشن کیا دے، آج تو سوریہ مہاراج انگاروں کی بوچھار کرنے لگے، دھرتی ماتا کو تپ چڑھی ہے، دہر دہر جل رہی ہیں، کھوپڑی چٹکی جاتی ہے، آنگ کے جوڑ کھلے پڑتے ہیں، مانو اگنی دیوی کا راج ہے،

کھری آسنی پر آدھے دھڑ سے ننگا سنیاسی بنا ہاکرتا بیٹھا ہوں پسینہ چو رہا ہے، ٹیڑی کی سی آتما ہر گھڑی پیاس کے مارے تج رہی ہے پنکھے اور ٹھنڈے جل کی بہار ہے، یہ رت نہیں میں تو جانوں کرموں کی پھٹکار ہے، پو لو بھائی رام دوہائی اور سنو کہ ایسے تتے ہیں وہ جو دلی کے، بنات النعش والے ڈپٹی صاحب تھے نا؟ ان کے پوتے یوں کہہ رہے ہیں . . . . کیا کہہ رہے ہیں کہ بھئی لکھو، ان سے کوئی پوچھے کہ بیرن میرے تیرے گھر تو پرکھوں سے یہی ہولی آئی ہے، لکھنے کا بیٹا ہے لکھنے کا پوتا ہے، ہم تو بھیا ڈاخانہ کے لکھنی جیند ہیں ڈاخانہ کے۔ بڑے بڑے اینٹ پتھر کے گھروں میں ایک جگہ تباکے مرنے جوگے ہو گئے، موٹے موٹے پوتھیں گھوٹتے گھوٹتے انجر پنجر ڈھیلے آنکھوں پہ کانچ کی اندھیری چڑھ گئی

تب بھی ہم پہ سچ پوچھو تو اتنا ہی لکھنا آیا کہ اپنے وہ جو کہتے ہیں رجسٹر لکھ لیے، فارم لکھ لیے اور اس سے بچ پائے تو بیٹے کو نون تیل کی چھٹی لکھ دی، اس پہ ہم نے کہا کہ لاؤ بھئی تیری میری بٹ ماری کر کے پوت پورا کر دیں، کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا، سو یہ تیر نہیں جوڑنے دیتا، بڑے مغل کی کڑی کمان سے چلا تو اب تک چلے ہی جائے ہے، اور "بوجھل" جبڑوں پہ جیسے ان گنا بھاری ہو تو اہم برس کا یہ آٹھواں مہینہ ہم پہ بڑا کٹھن ہے،

جمرات، پیروں کی کرامات، ریوڑی چنے بانٹے مراد پائے، الف شاہ کا تکیہ، طنبورے کی جھنکار، ڈھولک کی غٹر غوں غٹر غوں میں قوالی کا چوکھا رنگ اور شیپ کے سروں میں "مرزا اچھا" کا شعر ؎

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

گلے کے مدوجزر کے ساتھ کھیل رہا تھا،

درباری لباس میں عبا و عمامہ سے چست، پاؤں سر سے درست، شاہ صاحب بہ نفس نفیس عقیدت کیشوں کے جھرمٹ میں، صندلی مسند تکیے اور قوال کی "ٹہے دا" پر قانون حرکت کی ہر ممکن و ناممکن مثال کا عملی مظاہرہ فرما رہے تھے، بوٹی بوٹی پھڑک رہی تھی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ بدن کے نچلے حصے میں کہیں بجلی کی بیٹری لگی ہے جس کا سوئچ یا تو گوئے کے ٹینڈے میں ہے یا شعر کے بولوں میں،

حرکت سے حرارت اور حرارت کا تقاضا ہے پھیلاؤ، چنانچہ شاہ صاحب

کی خبر نہیں، یہی وجہ تھی کہ جب وہ اچانک جھومتے ہوئے اٹھے ہیں تو الفت کے مرکز پر مرید دل کا پورا دائرہ بھی گھوم رہا تھا، بالآخر دم چڑھے پھیپھڑے جو تب کہیں جا کے یہ شرعی نرت ختم ہوئی، موقع شناس قوال نے بھی غزل کا قصہ مختصر کر کے ساز رکھ دیا، فضا پر سکون، یا قانونی اصطلاح میں "صورت حال" قابو میں آگئی، اب جلسے میں تبرک کے تورے پوست خوان پر پہنچا، بیت شروع ہوئی، اس مجمع میں کسی نے جماہی لے کر جیب سے ڈبیہ نکالی پان کھایا، کسی نے صرف مٹھی ڈلی کے چورے پر اکتفا فرمایا، کسی نے دو گھونٹ پانی سے حلق بھگویا، تو کسی نے ناس کی چٹکی لی، خدا خدا کر کے فاتحہ کا منت خوان سر ہوا، اور نذر دینے کی باری آئی، رات کی لگی روشنی میں استطاعت کے موافق ملی ہوئی دوانیاں، گھسی ہوئی چوانیاں، یا ایک آدھ کو توفیق ہوئی تو ٹکے کی اٹھنی،

شاہ جی کی دو دستی چلنے لگی، ایک ہاتھ سے دوانی لی، دوسرے سے جلیبی سرکائی، کہیں سے چوانی پہنچی، ادھر سے لڈو لڑھکا، اٹھنی والا تو گویا حلوائی کی پوری دکان کا دعوے دار تھا، برفی کی ڈلی کے ساتھ چار ریوڑیاں بھی لے مرا، بہرحال فریقین نے اس لین دین میں ع

رہتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

کے اقتصادی اصول کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

نمبر آیا ہمارا، یہاں کچھ تو وضع قطع ضابطہ باہر اس پہ ٹھیرے سے بہرے سے بھی، کڑوا کریلا دوسرے نیم چڑھا، نقل کے چند دانے ہی پلے پڑے، ہم نے بھی "فرو نہ رود" جان کر سر آنکھوں پہ لئے،

نفل برخاست، شاہ صاحب یہ فرماتے ہوئے کہ "منت مرادوں والے

اندر آئیں" خلوت میں چلے گئے۔

ہسپتال کے آپریشن روم کی طرح شاہ صاحب کا خلوت کدہ بھی "مراد بر آمدی" کے ضروری آلات سے آراستہ تھا، صاف شفاف فرش پر استنبولی جانماز، قرینے سے وردو وظائف کی کتابیں، نقش سلیمانی، حرز سلیمانی، وغیرہ کا مکمل سلسلہ، اور موقع محل کے اعتبار سے چھوٹے بڑے دانوں کی تسبیحیں، رمل کے پانسے، حاضرات کا سفید، جنوں کی تسخیر کا چراغ، بخور کی انگیٹھیاں، عود دان، تعویذ لکھنے کا کاغذ، گھلی ہوئی زعفران، اور شاید دعا کے ساتھ دوا بھی برتتے تھے، جو حب سیاہ مقلیہ افلاطون، ضماد قائم المیل، معجون مشکل آسان وغیرہ کی شیشیاں اور مرتبان، خود شاہ صاحب چولا بدلے، چکن کے مکلف تکیے کرتے اور ریشمی تہبند کی ساری روائی میں مشغول،

"میں نے ایک جبڑہ توڑ السلام علیکم سے ہم نے اپنے داخلے کا اعلان کیا، شاہ صاحب نے چشم نیم باز سے دیکھا اور اس خیال سے کہ قرأت چھانٹنے میں ہم ان سے بازی نہ لے جائیں" وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا جوابی حملہ مخارج کی اتنی شدت سے کیا کہ سلامتی کی حدود سے فرسنگوں پیچھے ہٹ کر ہم ایک گوشۂ عافیت میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

"حضرت۔ شادی ہو کر بیس سال ہو چکے ہیں، اولاد ہوتی ہے پر جیتی نہیں، ہر بار وضع حمل ہو جاتا ہے" ہاتھ جوڑ کر ایک زنگ خوردہ بزرگوار نے عرض کیا۔

"قبلہ حاجات، ساہوکار نے تین مہینے کے وعدے پر سو روپے دیئے تھے، کیا کہوں، ادائی نہ ہو سکی، سال پلٹ گیا، اب بے ایمان نے نالش ٹھونک دی ہے، منصف صاحب مل گئے ہیں، کہتے ہیں روپیہ اصل سود ملا کر دلاؤں گا، دعا فرمایئے ڈگری نہ ہونے پائے، بنیہ مرجائے یا تمسک کو آگ لگ جائے" ایک پیشہ ور ناد ہند نے کہا"

"حضور، غلام کے ایک ہی بیٹا ہے، جوانی دوانی میں نہ جانے کیا کر بیٹھا کیا نہیں، جو دق کا روگ لگ گیا، حکیم ڈاکٹر کہتے ہیں چوتھا درجہ ہے حضور کا نام بڑا ہے، آس لگا کے دور سے آیا ہوں" تیسرا عقیدت مند بولا۔

"شاہ صاحب نے فرمایا، "بابا بڑی مشکل میں ڈال دیا، حضرت شکمائیل بڑے جلالی موکل ہیں، ان کے نام کا چلا بیٹھنا ہوگا، ترک حیوانات کرنا پڑیگا جمعرات جمعرات ایک سفید مرغ، ڈیڑھ پاؤ روغن زرد، اکیاسی تولے باسمتی کے چاولوں پر نیاز ہوا کرے گی، سخت کی تکلیف بھی فقیر ہی کو اٹھانا پڑے گی، پھر فقیر دیکھے گا کہ وضع حمل کیسے ہوتا ہے"

"اور میاں، منصف کی زبان بندی کا نقش زحل کے طالع میں لکھنا پڑے گا، سوا تولہ عطر شمامہ، تین ماشہ کستوری اور باریک ململ کا ایک تھان چاہیئے ہوگا، مشک سے نقش بھروں گا، ململ خیرات ہوگی، عطر پڑھا جائے گا، جہاں تک خوشبو جائے گی منصف تو منصف، تمھارے خلاف صور کی آواز بھی بند ہو جائے گی"

"اور بھائی اپنا لڑکا تو اب اچھا ہی سمجھو، ایسے مریض کو چوتھا درجہ مبارک ہوتا ہے، درویش کا کہا کبھی ٹلا نہیں، البتہ یہ تین دن اس پہ بھاری ہیں

نقش دیتا ہوں، صدقہ بتاتا ہوں، روز شام کو گیارہ روپے، پانچ پیسے اور ایک نقش ٹول کی پوٹلی میں کچے دھاگے سے باندھ کے سرہانے رکھنا، صبح منہ اندھیرے فقیر کا خادم آکر لے جائے گا، مستحقین کو بانٹ دے گا، روپے کھوٹے نہ ہوں اور پوٹلی مضبوط، تین دن یہ عمل کرکے چوتھے روز بچے کو نہلا دھلا کے نئے کپڑے پہنا کے مسجد لے جانا، یاد رہے تو فقیر کا "تانبے کا سوا پیسہ نہ بھولنا، ورنہ فقیر کی درگاہ بے نیاز ہے"

اس بھاؤ تاؤ کے بعد شاہ صاحب نے کچھ نقد کچھ ادھار اپنا بیوپار ختم اور بادامی کاغذ کے چوتہ کئے ہوئے تعویذ موم جامہ میں لپیٹ کر بطور پرامیسری نوٹ حوالے کرکے ہمارے سوا سب کو خدا کے سپرد کیا،

چونکہ "آج کا تماشا بعد ایک نقل" کے ختم ہونے کو تھا شاہ صاحب نے نام ولدیت، سکونت کا ابتدائی بیان لے کر ہم سے سوال کیا کہ کیسے آنا ہوا عرض کیا گیا کہ "سرود خانہ ہمسایہ سن کر حاضر ہو گیا تھا، حضرت کی زیارت باکرامت نصیب ہوئی، اذن عام سن کر "اندر" بھی آگیا، گزارش ہے کہ یوں تو اللہ کا دیا لیا سب کچھ ہے، مگر تھوڑے دن سے ایک ذری ذہن کند اور فہم کج ہو گیا ہے، شرم کے مارے کسی سے اپنی کمزوری کا اظہار بھی نہیں کر سکتا آپ بانجھ کو بیٹا، دیوالئے کو دولت و زر، اور مردے کو حیات عطا فرماتے ہیں کیا عجب کہ فدوی کی شکایت بھی رفع ہو جائے"

فرمایا "بابا فقیر کو حاضرات سے سب کچھ روشن ہے گھبراؤ نہیں، یہ درویش کی گدی ہے، یہاں سے نامراد کوئی نہیں پھرا" پھر الماری کی طرف اشارہ

کرکے ارشاد ہوا "کندی اور کجی کے لئے فقیری چٹکلے موجود ہیں، اتنا ہے کہ روحانیات کے شعلے ہیں، موکلین کے خرچ پانی کے لئے کچھ کرنا ہوگا تم جانو آگ پانی کا ہمیشہ سے بیر ہے، بغیر نذر بھینٹ چڑھائے یہ لوگ انسان کے ہاتھ نہیں آتے"

تھوہ بھینچتے ہوئے ہم نے کہا "خرچ پانی اٹھانے کے لئے فدوی تیار ہے مگر حضرت نے مرض کی تشخیص میں ذری جلدی کی، میرا مطلب یہ تھا کہ کوئی ایسا تعویذ فلیتہ تجویز فرمائیے کہ یہ کمبخت حواس کسی طرح درست ہو جائیں ابھی کی بات ہے کہ قوال سے

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

گا رہا تھا، حضرت نظر کر رہے تھے، میں اتنا تو ضرور سمجھا کہ شعر کیا ہے بڑے شیشوں کا ایک طوفان ہے، باقی اللہ اللہ خیر سلا"

شاہ صاحب کو اتنا ضرور محسوس ہوا کہ ان کا پھندا ذرا اوچھا پڑا، مگر دنیا ساز امید قائم فرمایا "ارے بابا یہ فقیری شعر ہیں ہوتی ہیں بڑی پیچ در پیچ میں، پھر مولانا روم کا شعر سمجھنا دنیادار کے بس کا نہیں، یہ تو درویشوں اولیاؤں کا حصہ ہے، اس پہ غضب یہ کہ اس نے گایا غلط، تم نے یاد رکھنا غلط، میاں یہ "اصل" نہیں، "اصلی" ہے، اب سے صحیح پڑھیو اور مطلب سے پہلے معنی سمجھ لو، یہ سب عربی ہے، اسے بڑے بڑے علم دار نہیں سمجھتے، سنو اصلی کا مطلب تو اصلی ہے، بالکل سہل، "شہود" البتہ ذرا کٹھن ہے، میاں بزرگان دین نے یوں لکھا ہے کہ تھوڑا ہو تو شہد اور زیادہ ہو، من دو من، تو شہود، شاہد و مشہود، جو ردو مرد کہتے ہیں، یہ خاص عربی ہے، تو اب یوں سمجھو کہ میاں

بیوی کا معاملہ تو اصلی شہد سے بھی زیادہ میٹھا ہوتا ہے، پر یہ "مشاہدہ" یعنی ساس بیچ میں آکے سارا مزہ کرکرا کر دیتی ہے،

شاہ صاحب کی یہ غالب نواز سخن فہمی سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں اور وہیں بیٹھے بیٹھے پہلا کام یہ کیا کہ مرزا چچا کی ارواح کو اس کا ثواب چلتا کیا پھر تہیہ کر لیا کہ بن پڑا تو شاہ صاحب سے اسی طرح پورے دیوان غالب کی تشریح اردو شاعروں کو مفت ٹکٹ چسپاں تقسیم کریں گے۔

اتنی سرکھپی کے بعد شاہ صاحب "بہ لقمۂ دوختہ بہ" کے ضرور مستحق ہو چکے تھے چنانچہ ہم نے اپنے نزدیک آج کی "خوش گپی کا محنتانہ" اور ان کے خیال میں آئندہ عقیدت کا بیعانہ" نئی گولی کا ایک چہرہ شاہی نذر چڑھایا اور تکیہ سے رخصت ہو کر چلے تو بقول شاہ صاحب "مولانا روم کا یہ خاص عربی شعر ورد زبان تھا کہ

"اصل شہود و شاہد ...."

چلتے چلتے خیال ہوا کہ الف شاہ ایک حد تک معنی خیز ضرور تھے ان کا مطلب اگر ہمارے مطلب کا نہ ہو نہ سہی، مگر کتنے ایسے ہوں گے جن کے سر پر یہ ٹوپی" ٹھیک اترے گی۔

شاہد !!

اب کے شاہد حسین خاں، حلقہ انسپکٹر، پنشن یافتہ، کاٹھی کے مضبوط قد کے لمبے، منہ میں کچھ اور قبل از وقت بے دقوف، بنے ہوئے دانت، اور

سر سے پاؤں تک مخضب، کالی مخمل کی قدحیا ٹوپی، کالے الپکے کا دم کٹا پارسی کوٹ، چھالٹین کا آڑا پیجامہ، دسمہ کی ہوئی کالی ڈاڑھی جو اب بھی چڑھی تھی اور ہر وقت دوپاسے پہ چڑھی رہتی۔

ہاتھرس جنکشن، گلابی جاڑے، سہ پہر کو تین کے بعد ہلکی بھاپ چھوڑتا ہوا، ای آئی آر کا ڈراؤنا انجن آیا اور پلیٹ فارم نمبر ۲ پر رکا اور وہ سب ہونے لگا جو ہوڑہ کالکا اکسپریس کے آنے پر عموماً ہوتا ہے یا کیا جاتا ہے، ہم بھی بقول ایک "ریل بھڑک" بزرگوار کے "سنی اونگی ہوئی گاڑی" کی تلاش میں بظاہر "اُٹھ" مگر حقیقتاً نعل در آتش انجن سے ہر ایک اور ہر ایک سے انجن تک آپا دھاپی میں تھے کہ ایک ڈبے کی متعدد کھڑکیوں سے مختلف سائز کے سر نکلے اور "سلاما لیکم" "سلاما لیکم" کی باڑھ چل گئی، اس جنرل سلیوٹ کے بعد دروازہ کھلا اور ہم "بمعہ اسباب اندر گھسیٹ لیے گئے،

یادش بخیر ایم اے۔ او کالج کی کوئی طویل تعطیل بسر کر کے "کھلنڈرے" علی گڑھ جا رہے تھے وہی چل چل دار لال لال ٹوپیاں، وہی کالی کالی کا نسر کرتیاں اور وہی نیچریوں کا قبلہ علی گڑھ!

دل کی ہول، پھیپھڑے کی دھونکنی اور ناشتہ کی ٹوکری کی طرف سے اطمینان کر کے جب ہم نے سیٹوں کا نظری جائزہ لیا ہے تو دیکھا کہ ایک بنچ "جنت نگاہ" بنی ہوئی ہے، یعنی بنارسی دوشالے میں اکبر آباد کی ایک مطلا مذہب طوائف پاؤں پھیلائے، چاندی کا حقہ لگائے بیٹھی تھی نہایت نستعلیق، پڑھی لکھی، حسینہ منٹ میں گھل مل گئی، پان کھلایا، حقہ بڑھایا

اور ہمارے انکار پر کہ "میں محقق نہیں ہوں" یہ برجستہ شعر چپکایا ؎

چار پائے بر و کتابے چند
نہ محقق بود نہ دانش مند

انسپکٹر صاحب جن کا وجود اس گرد و پیش میں ہمیں اندر سبھا کی یاد دلا رہا تھا، ہر نو وارد کو مشتبہ سمجھتے تھے اور اپنی کہنہ مشقی کی بنا پر اس جن رہ گزرے" کا حق الکانہ صرف اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہیے تھے ہماری خفت پر بے حد مسرور ہوئے اور دیر تک " دلداری و دلجوئی" کے سلسلے میں اس برجستہ گوئی کی داد دیتے رہے۔

ان کی زبان کیا تھی ایک بے پناہ قینچی تھی، جنگ کے واقعات سے شروع کرتے اور وہیں سے گریز کرکے اپنی انسپکٹری کے کارنامے بیان کرنے لگتے، جن میں زیادہ تر ڈاکوؤں کی گرفتاری، بڑے صاحبوں سے گہرے تعلقات، فوجداری مقدمات، اپنی پیروی اور بحق سرکار سو فیصد کامیابی، غرضکہ ایک عجیب دخل معقولات قسم کے آدمی تھے۔ بیٹھے بیٹھے فرمانے لگے " اور سنا آپ نے ؟ لاٹ کچنر صاحب مرگئے"، صبح کو ڈھنڈورا کوئی کہتا تھا، عجیب ماجرا گزرا جہاز پر سوار تھے، جرمن کو سن گن مل چکی تھی کہا نہ سنا چل کھڑا ہوا اور سمندر میں گھس کے پانی کے اندر ہی اندر بیٹھ کے جہاز کی تلی میں وہ سوراخ بر مایا کہ بتاشے کی طرح بیٹھ گیا، ہم نے کہا ع "خوب شد اسباب خود بینی شکست" گورکھن کے جھمیلے سے چھٹی پائی، انسپکٹر صاحب، جو یادگاران کے لئے بنانا تجویز ہوئی ہے اس کا حال بھی آپ نے سنا ؟ آج ہی کے پائنیر میں تو ہے، یہ انگریز بھی بڑے حرفتی ہوتے ہیں سمندر کی تہ میں مشین لگا کے ایسی حکمت رکھی ہے کہ لاٹ صاحب کے مدفن پر رات

دن پانی کی ایک لاٹ بنی کھڑی رہے، اس پر کمال یہ کہ وفات کا دن تاریخ اور اکیس شعر کی ایک انگریزی نظم آبی حرفوں میں لاٹ پر اتنی نمایاں کہ نیل بھرے اندھا بھی پڑھ لے، ہوائیں لاٹ ایسے ہلے جیسے ایرانی کا "مینار جُم جُم" جھومے جھامے پھر اپنی جگہ پر قائم کا قائم۔"

یہ سن کر شاہد حسین خاں صاحب حلقہ انسپکٹر بہت چکرائے، دیر تک آنکھیں پھاڑے ہمیں گھورتے رہے، ہمارا چہرہ جذبات کی تفسیر بے نقطہ تھا کیا مجال کہ رگ پٹھے بے قابو ہو جائیں، ساتھی سب کے سب آٹھوں گانٹھ کمیت، موقع کی نزاکت کو سمجھ کر ہمارے سُر سے سُر ملائے رہے۔

بی صاحبہ تیوریاں چڑھا کے بولیں، "اری پانی کی لاٹ ایسی کیا عجوبہ چیز ہے، بہشت نصیب ہماری نانی اماں ہی جو تالاب میں ڈوب کر مری تھیں، پھر بے پر کے معماروں نے لاٹ تو رہی ایک طرف، بیچوں بیچ تالاب میں نرجھل پانی کا روضہ بنا کے جو کھڑا کر دیا، وہ عالی شان گنبد ہے کہ کلس دیکھے سر کی ٹوپی گر لی ہے، جس کا جی چاہے جا کے دیکھ لے سال کے سال تیرہ تیزی کے مہینے میں عرس ہوتا ہے، نیپال تک کے طائفے آتے ہیں گاتے بجاتے ہیں، منت مراد مانگتے ہیں، روضہ میں جاؤ، چلو پھرو، کیا مجال کہ ساری کا آنچل یا پاؤں کے تلوے تر ہوں"

ہمارے متعلق اگر کوئی بدگمانی تھی بھی تو بی صاحبہ کی اس معتبر روایت سے دور ہو گئی۔

باتوں میں خیال نہ رہا اکسپریس ایک سناٹا جو بھرتا ہے تو درمیانی دفعوں کو کھاتا ہوا منزل مقصود پر، بی صاحبہ نے انگڑائی لے کر آرسی میں منہ دیکھا

اور دوشالا سنبھالتی چھم چھم کرتی اتریں اور آنکھوں ہی آنکھوں غائب ہوگئیں
حلقہ انسپکٹر شاہد حسین خاں صاحب دلی جا رہے تھے، گاؤں کے چار بسے بیچ کر گھر کی خانصاحبی کو سرکاری خانصاحبی سے بدلوانا تھا جس کا مارکٹ گرمی گرمی شملہ" ورنہ دلی ہے، اور شاید ابھی تک دور ہی ہے۔

"بنامے شاہد نازک خیالاں"

دماغ کے کسی ویران حجرے میں بکھرا پڑا تھا، خیال نے ترتیب دے کر نکالا، اور چاہتا تھا کہ "شاہد" کے مزے لوٹے، مگر ضبط نہ ہو سکا بول بن گئے بولوں میں آپ ہی آپ ترنم پیدا ہوا اور راگنی کے سانچے میں ڈھل کر "شاہد" فضا کو گرمانے لگا، جوانی یاد آگئی،

بچپن تھا اور مکتب کی پڑھائی روز کا شغل، ٹخنگا پیجامہ لٹکتا کمربند، چین بیل لگا کرتا، مسالے کی ٹوپی، ہاتھ میں تختی، بغل میں بستہ، الف ہائی ہوتی دا سطے قلم، جمعرات کا آموختہ، جمعہ کی چھٹی، گیند بلا، گلی ڈنڈا، چراغ بتی کے ساتھ ہی پھر وہی کمبخت سینچر اور منشی ماموں، ایک ہمارے کیا گھر بھر کے استاد، اللہم اغفر، خو بو میں فرشتے، پر مزاج کے تیز خصوصاً خضاب لگاتے وقت بالکل راجس کے چاقو،

یہ مثنوی غنیمت ہے اور قمچیوں کی مار کھا کھا کے "شاہد" کو کوستے ہوئے ہم اس مقام تک آئے ہیں جہاں "شاہد" کے مکتب بٹھانے کا احوال مذکور ہے اور یوں شروع ہوتا ہے کہ ؎

بہ مکتب می رود طفل پری زاد
مبارک باد مرگ نو بہ استاد

مکتب تو خیر منشی ماموں کا نمونہ کے لیے تھا ہی' "طفل پری زاد" ایسا ہی گورا اچھا ہو گا جیسے یہ نذر محمد خاں کا بیٹا ہے منوا' پڑھتے پڑھتے استاد کے سر پہ موٹا رول رسید کیا ہو گا اور مولوی صاحب مر گئے ہوں گے،

اسی حکایت میں "ملا غنیمت" شاہد کے حسن کا شہرہ سن کر بڑھوتی وقت پوپلے منہ میں پانی بھر لاتے ہیں اور کتب فروش کے بھیس میں مکتب وارد ہوتے ہیں' پنجابی تو تھے ہی بڑا سا پگڑ سر پہ ہو گا' چوڑی چوڑی آستینوں کا کرتا پہنے ہوں گے' تہ مد باندھے ہوں گے پاؤں میں ناگ پھنی کا جوتا' سر پہ کتابوں کا گٹھر ہو گا اور ہانک لگائی ہو گی کہ "من سیپارۂ دل می فروشم" یعنی "عم" کا "الم" کا پارہ ہدیہ کرتے ہیں" اس پہ شاہد نے بھاؤ چکایا ہو گا "بگفتا قیمتش" کتنے پیسے دو گے؟" یہ بولے ہوں گے "گفتم نگاہے" ایک آنہ" شاہد کے پاس کیا مکتب کے زمانہ میں کسی لونڈے کے پاس ایک آنہ کہاں سودا نہ پٹا تو شاہد نے کہا ہو گا "بگفتا کمتر ش" واجبی واجبی کہو' مول نہ تول بڑے میاں نے کہا ہو گا "نگاہے" لاؤ دو ہی پیسے لاؤ"

شوق چرایا' ایک نسخہ خریدنے نکلے' ایک کتب فروش صاحب نے فرمایا کہ "مثنوی غنیمت نہیں' یہاں صرف بی اے ایم اے کا کورس ملتا ہے دوسرے نے حلفاً بیان کیا کہ "ہم نے مثنوی غنیمت" کا نام بھی آج تک سنا ہو تو عاقبت بخیر نہ ہو"

تیسرے صاحب نے جو ممکن ہے کہ شد بد جانتے ہوں اور دست برد زمانہ سے اب کتب فروش' بٹھایا' برفاب پلایا اور کہا کہ "مثنوی

غنیمت تو نہیں آپ کا دم غنیمت ہے"

اور اے بھائی شاہد، خدا شاہد ہے کہ دوات میں پانی ڈالتے ڈالتے صراحی بھر ٹھنڈا پانی ختم ہو گیا، اب مضمون بھی ختم ہونے دیجیے۔

بے پر کی

بن مانگے موتی

"...... اور پھر مرزا صاحب اور تمبو اکے زعفران زار کلام سے لطف اندوز ہوں، اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ لکھنؤ کی سرزمین ہے اور ...... کا جادو نگار قلم!

فاضل نامہ نگار جو سوائے "مولانا" کے اور ہر خطاب (مثلاً اولڈ بوائے علیگ، سید صاحب) سے یاد کئے جا سکتے ہیں، محض "آوارہ و مجنونے رسوا سربازارے" کے "نقاب" میں ظاہر ہونا پسند فرماتے ہیں، لیکن ارباب نظر تو بول ہی اٹھیں گے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش — من انداز قدت را می شناسم

آوارہ ... کے ساتھ نقاب کا لفظ ذرا بے جوڑ معلوم ہوتا ہے، لیکن ایک حقیقت نگار شاعر پہلے ہی کہہ گیا ہے ع صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

جو چیز آج ہم ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں وہ اپنے مخصوص رنگ میں بے نظیر ہے"

"علیگڑھ میگزین سنہ ۱۹۲۰ء"

"...... آخری دونوں نمبروں میں مجھے آوارہ صاحب کے مضامین بہت ہی اچھے معلوم ہوئے، کوئی لکھنؤ کے صاحب ہیں، کہیں کہیں داستان سننے کا لطف آتا ہے، لکھنؤ کی عامی زبان لکھنے پر بڑی قدرت ہے، اگر کسی ڈراما میں کہیں کہیں یہ عبارتیں آ جائیں تو تحریر کو اور زیادہ رونق ہو جائے، ذائقہ اچھا ہے لیکن چونکہ ایک ہی کھانا ہے اس لیے منہ بھر جاتا ہے، .... برسوں کے بعد مجھے اپنی جنگل کی کہانیاں یاد آ گئیں، واقعی بہت خوب لکھتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود تصنیف کرتے ہیں، ترجمہ کا سہارا نہیں ہے" "شاہد کے حسن توسط سے" مولانا عنایت اللہ دہلوی

بے پر کی

سنہ ۲ء میں پہلے پہل علی گڑھ کالج میں اڑی تھی اور ابھی جی بھر کے نہ اڑنے پائی تھی کہ ضبط نظم کے سلسلہ میں "قوم" نے یکم اپریل سنہ ۲۱ء کو دی آل انڈیا جھانپلزم ایکٹ" نافذ کر دیا ناچار ہمیں بھی مردن موقوف مقبرہ مسمار کرنا پڑا، اور یہ سمجھ کر کہ "آل انڈیا" نوعیت کے جتنے معرکے ظہور میں آتے یا لائے جاتے ہیں اکثر سر نہیں ہوا کرتے کہ بیز بیٹھ گئے ہونے والی بات کہ حال ہی میں کسی آثار قدیمہ کی تلاش کرتے ہوئے اپنے اسباب جہالت میں ایک کرم خوردہ مسودہ ہاتھ آیا۔ دیکھا تو "بے پر کی" چوتھی اڑان تھی، جو آج اٹھارہ برس بعد" ساقی" میں اڑ رہی ہے اور اس بل پہ اڑ رہی ہے کہ اگر نصیب اعدا" جھانپلزم ایکٹ اب بھی برسر کار رہے تو یہ فدوی اس کی زد سے دور یعنی "بارہ پتھر" باہر رہا۔

"آدارہ"

دکھٹیا پہ پڑے پڑے، "پناہ بہ خدا .... وہ تو کہیے کہ خیر گزری اور جاگ ہو گئی۔ ورنہ کام ہی کر چکا تھا مردک! .... خیر اس وقت تو ذری حواس

بر جانا نہ تھے مگر توبہ توبہ کر کے کہتا ہوں کہ بچا جو کہیں مجھے بھر پہلے آنکھ کھل جائے
نا تو غضب ہی تو ڈھا دوں، قسم پروردگار کی وہ "ملا واجنیٹو کا ہاتھ دیا ہو فسقی کے
کہ معاذاللہ! .... آنیتی ڈھیر ہو جائیں آنیتی بھاگتے راہ نہ ملے
کافر کے تئیں، جی اور کیا۔ تادمِ زیست یاد کرے ملاعون! ہونہہ! دل لگی بازی
ہے۔ سپاہی کے پوت ہیں، عمر بھر کمیدانیاں، رسل داریاں کی ہیں کہ باتیں....
...... مگر واللہ نا سنا ہوں قسم قرآن کی، شور سے پشت جھلیا! کیا چکمہ
دیا ہے کہ اُفوہ! یعنی دیکھتے دیکھتے پنجرہ سمیت غائب" خالی حقہ گڑ گڑا کے
اور اس گپو احرامخور کو تو ذری سویرا ہونے دیجیے کھود کے دفن نہ کر دیا ہو تو
مغل سے نہیں چمار سے کہیے گا قسم قرآن کی گشتنی گردن زدنی!"

" اس گھر میں کیا کچھ حشر برپا ہا اور اس مادر بخطا کے کان پر جوں نہ رینگی
خبر تک نہ ہوئی اصلا، کام چور ٹھلا خدائی کا" منہ پر سے دولائی ہٹا کر "گپو! گپو
اے او گپوا کے بچے۔ اٹھتا ہے نابکار، یا ہے شرط کہ بگڑ چلوں اور دوں آن
کے گدی پہ ایک چپت، جی کھیر کی قلفیاں اور شیرمال چٹ کر کے جو مردک نے
لمبی تانی ہے تو مٹکنے کا نام نہیں۔"

گپو: - نیند کے عالم میں جھنجھلا کر "ارے کچھ کہیے گا بھی یا نخق بن نخق کو ٹیں ٹیں
ہی مچاتے جائیے گا، کھٹملوں نے الگ ناک میں دم کر رکھا ہے، آپ الگ خفکان
کر رہے ہیں۔"

پہلا: - گننا جا نمک حرام تو اپنی گستاخیوں کو گننا جا، ذری سویرا ہونے دے
تب مزا چکھاؤں گا اس کا، گلے پھیر کے نہ دھر دوں تو سہی، بولنے کو ترس
جائے حبب کی سند، اور سنئے باجی کی، ہم ٹیں ٹیں مچاتے ہیں خاقانی ہیں؟"

گپو: - سچے یہاں جاڑے کے مارے، اکڑے ہوئے جا رہے ہیں، میاں ہیں

کہ ہوا سے لڑ رہے ہیں اور اول فول بک رہے ہیں، آدھی رات ادھر آدھی رات ادھر، کو خت دیکھیں نہ بے وخت، کوئی سنے تو الو کی ہجبی کہے، تیہ اور کیا۔ الت ہے واللہ اس نوکری پہ اور کرنے والے "گالی دے کر" کو تو کیا کہوں "

پہلا:۔ برافروختہ ہوکر "ابے کیا کہوں کے چچا، اٹھ کے چراغ جلاتا ہے کہ نہیں وہ گھسٹیں قطامہ کا بلا طوطے کو پنجرے سمیت اڑا لے گیا، ہے ہے قسم قرآن کی وہ تو ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتے میں نے نہیں، تو مجھ پہ چوٹ کی کھتی

گپوا:۔ بیٹے سے بیٹھ کر" تو یہ کہیے چچ چچ! ہائیں غضب ہو گیا، میاں یہ کب؟ چچ چچ! خیر طوطے کا تو غم نہیں، ایک نہیں "گالی دے کر" آپ کی جان کو دس ہل پہ برادانوں مارا کہ دھیلی دس گنڈے کا پنجرہ گھٹا دیا"

پہلا:۔ متاسف ہوکر" ہائے واللہ تھا تو منت پر، مگر قسم قرآن کی بلبل ہزار داستان، جہاندیدہ مزاج داں، اور جب سے چکی پہ لگ گیا تھا تب سے تو جانیے کے اور بھی جوہر کھلے تھے، قسم ہے جناب امیر کی جھوٹ بولے "گالی دے کر" کو بھی، کچھ کہتا ہوں، کہ رات رات بھر بیٹھا تو الٹی سیدھی سوتا ہوں اور وہ شخص داستانیں کی داستانیں منہ زبانی سنا گیا ہے منہ زبانی! اللہ بخشے فردوس مکانی کو، انھیں نے ایک روز اپنے چڑیا خانے کی سیر کرائی، چڑیا خانہ کاہے کو تھا ایک طلسمات تھا اور اس طوطے کو دکھا کر کہنے لگے کہ "مرزا استاد بھی یہ جنور بھی دیکھا تم نے؟ میں نے منہ بنا کر عرض کی" جی ہاں پیر و مرشد، مگر غلام کے نزدیک کوئی انوکھی بات تو پیدا ہے نہیں اس میں" ہنسے اور فرمایا کہ "مرزا تم بانکے پٹے تو نے استاد ضرور ہو، استاد کیا کئی اس وقت اکے ہو شہر میں، مگر یہ علم بھی ہمارے گھر کا ہے، اسے ہم خوب

جانتے ہیں" یہ کہہ اور گنگا جمنی پنجرے سے طوطے کو نکال کر آنکھ چوما کرتے ہیں تو مٹھو میاں کیا فرماتے ہیں کہ ع:- قدرِ جوہر شاہ داند یا بداند جوہری پھڑک گیا، ششدر رہ گیا۔ قسم قرآن کی، ایں طوطا اور یہ برجستہ جواب! ہائے واللہ کیا تیکھا شہزادہ تھا، بات کا دھنی اور کلیجہ تو رستم کا لے کر آیا تھا! اللہ کا بندہ، بس چتونوں سے تاڑ لیا کہ مرزا کا دل اس پر آ گیا، حکم دیا کہ مرزا استاد یہ طوطا تو آپ پالیے، مگر دیکھنا مرزا ابھی تمہیں کبریا کا واسطہ میرے طوطے کو ایذا نہ پہنچے نہیں تو حشر میں دامن پکڑوں گا، ڈھاکے بنگالے کا ایک سوداگر نذر کر گیا ہے، کہتا تھا کہ جانوروں نے مالوے پر جب بزن بولا ہے تو وہاں کی رانی راج پاٹ دھن دولت چھوڑ چھاڑ صرف اس طوطے کو لے کر مردانے بھیس میں جنگل بیابان کو نکل گئی تھی، مگر رستے میں کسی شقی لعین نے تیر بچہ جو اٹھا کے جھونک دیا تو جل بھن کر خاک ہو گئی اور یہ اللہ بھر کی ننھی جان دشمن کے پلے پڑی۔ مرزا دیکھتے نہیں ہو بائیں آنکھ نذر کر دی ہے، چھرے پچھلے پڑے جو ایک آنکھ ہی کام آئی ورنہ سر قلم ہو جاتا" ہائے واللہ وہ دن ہے اور آج کا دن کہ صاحب عالم کی روح کہہ رہی ہے کہ ایذا پہنچائی ہو تو لعین ہی کا کام ہو واللہ خیر مگر آشنا کہے دیتے ہیں کہ یہ خون ناحق بالا بالا نہ جائے گا۔ لے بے ایمان خود مخبر ہوئی اور ہم نے بتانے کی کنڈی کی کھٹ کھٹائی اور رپٹ داغی، پھر تو سبھی بی صاحب کا چلتے چالان نہ کرایا اور یہاں سے لے کر بڑے صاحب تک اور وہاں سے یہ لاٹ صاحب نہ کھوایا تو "مرزا الٰہی خیر" نام پلٹ دینا، بلا پالا ہے الزاد کی نے یا خونی باندھا ہے، بس کہہ تو دیا کہ گھر بھر کی ہنڈیاں نہ کسوا دوں تو دانے تک کا کھانا حرام ہے قسم قرآن کی"

بوا:- بات کاٹ کر "منہ کا ہے کو ... ے کا پیٹ ہے کہ اب چلا تو چلا لے

میاں تھانہ عدالت پیچھو کیجیے گا، پہلے تکیہ تلے سے ماچس کی ڈبیہ نکالے دیکھو تو سہی کہ آخر کے تئیں گیا کدھر؟"

اندھیرے میں ٹٹول ٹٹال مرزا صاحب نے ڈبیہ دی، گپوا نے دیا سلائی کھینچی اور کپی جل گئی۔

گپوا:۔ دیکھ بھال کے "جی میں آتا ہے کہ سر پیٹ لوں اپنا واللہ، سنکھیا کھائے سو رہوں ان باتوں پر، توبہ توبہ! اسی سے تو کتابوں میں لکھا ہے کہ نشہ حرام ہوتا ہے اور اس مردار افیم کا تو سب سے کمین، ادھم جوت دیا مار کے، لگے واہی تباہی بکنے لام کاف کرنے" پنجرہ دکھا کر "یہ کیا ٹنگا ہے پنجرہ کھونٹی میں"۔

مرزا:۔ دولائی پھینک نیم خیز ہو کر "ایں کیا کہا؟ ہاں تمہیں واللہ قسم قرآن کی گر یار گپو ذری دیکھنا تو جھانک کے وہ بھی ہیں؟"

گپوا:۔ طنزاً:۔ "جی نہیں تو .... لے یہ کیا ٹیاں سے بیٹھے پٹ پٹ آنکھیں مار رہے ہیں، مار بوکھلا دیا لے کے آپ نے، سچ ہے آدمی ہیں عقل اس ہی حواس ہیں"۔

مرزا:۔ لیٹ کر "لاحول ولا قوۃ، بھئی مار ڈالا، بڑا دھوکا ہوا اس وقت قسم قرآن کی"

گپوا:۔ "جی اور کب نہیں ہوتا، پینک میں، کوئی آج آپ ہمیش مچھر کا ہاتھی بناتے ہیں۔ مل سکے ہے کون، لاکھ بار سمجھایا کہ مہنگے مہنگے تو ذری جسکی میں کمی کر دیجیے مل نہیں، غضب خدا سونے کے بھاؤ تو افیم مل رہی ہے، یہ تو کان پڑ رہا ہے کہ روپے کے پان سیر گیہوں ہیں، آپ ہیں کہ آٹھ نو گنڈے سے کم کی پیتے نہیں اور یار دوستوں کے جلسے میں دو ایک دور چل گئے وہ گھاتے ہیں"۔

مرزا:۔ خفیف ہو کر:۔ "خیر بھئی کھائی تو کھائی اب کھا میں تو رام دہائی معاف کرو، اوہ جا ہی لے کر، حقہ تازہ کر کے ذری ایک توا تو بھر دو"۔

گپو:- "جی ماں دوں کے بھروسے نہ رہیے گا کہیں آج تاروں بھری رات میں بے خطا بے قصور لاکھوں سلواتیں سنائی ہیں آپ نے یاد رکھیے گا اور یہ جب جب کہیے تب گپو! گپو! کیا کہا کرتے ہیں آپ، نوکری کی ہے باذات بھی ہے کوئی ہم نے اور سنئے گپو! گپو! واہ کیا خوب کوئی دھنا جلاہا مقرر کیا ہے آپ نے ہم بھی کوئی ایسے ویسے نہیں ہیں اصل پٹھان ہیں کاکڑ زئی، سنا آپ نے، ہو کہ بہت سے چھچھو دھیلی کے پیچھے دوڑ گئے اور نہیں تو گئے مول لیکے چھوڑ دیا، حاتم کی گور پہ لات مار دی، خبردار جو آج سے ٹھیک نام نہ لیا آپ نے عبد الغفور خاں اور نہیں تو کیا"

مرزا:- بہت اچھا غفور خاں صاحب بہت اچھا، اب تو خوش ہوئے —"

گپو:- کیوں نہیں، سلامت رہئے، یہ ہیں دیکھیے شرافوں کی سی باتیں، یہ نہیں کہ ہر بات کا سامنہ اٹھا لیا اور گپو! گپو! بڑی مہر کی نظر ہوئی تو گپو! اسے وہ تو کہیے ان پڑھے جہاں گیا ہم نہیں تو آج عملیں بھرتے ہوئے آپ کی راس نہیں آیا یہ نام "گالی دے کے ہم کو اور آتا تو کچھ کر سکے مولوی صاحب نے کل جب ہم نے نئے جنال کو سنا بس یہ دعا لگ گئی ہم کو [illegible] میاں ایک بات ہے کہ آپ کی سلامتی میں جگہ نوابوں رئیسوں تک کے یہ بڑی ہے"

مرزا:- اماں ہاں غفور خاں بھئی خوب یاد آیا" (ہنس کر) "طوطے کے لیے بیٹھ بیٹھا کی بھی تم نے خوب کہی، قسم قرآن کی برجستہ کہتے ہو اچھی تو ہم پر گر جاؤ کیا یاد کرو گے ہم نے معاف کیا ہمارے خدا نے معاف کیا"

گپو:- سلام کرکے" حضور کی بدولت ہم بھی دو گال ہنس لیتے ہیں، ملاحظہ کیجیے گا حقہ بھی وہ پلاتا ہوں اس وقت کہ آنکھیں نکل پڑیں حضور کی کلیجہ تک سلگ جائے"

مرزا الٰہی خیر صاحب پلنگ پر دراز ہو گئے اور گپو حقہ بھرنے چل دیا۔

گپوا :۔ چلم بھرتے میں " نرے بودم بے دال ہیں میاں ہمارے پورے چونگا کس گھامڑوں سے پالا پڑا ہے آن کے کہ توبہ توبہ! پڑے پڑے اچھی السیٹھ لگائی جاڑے میں کہ بلا طوطا لے گیا ان کا سرا اور مزہ یہ کہ اوپر سے سورما بنتے ہیں آپ ' اپنے حساب بڑے بہادر ہیں ' اُسی دن ھٹیاری والا جو ذری سے ذری سیدھا ہو گیا تو بنکارتے ہی رہے ' نکلا ہی کیا تمنچہ اور کٹاری اور دو آنکھوں تلے سے کنکوا اور ڈور کا گولا لے گیا اور مٹھی بھر بھر کے دھول جھونکی ڈ نفنے ہیں ' جی اور کیا " پیچھے بھبکا کیے " کیا موسم ہے واللہ " گالی دے کر ' ہار بات گل گئے ' ندامت میں تھوک ایسی طلب پر ' جی ' بیٹھے میں دم نہیں اور فرمائش کریں گے تو ے کی ' اب کہیے دو گھنٹے ان کے لیے ساگائے کون بیٹھ کے وہی ایک گپوا ؟ سوچا ہے اوڑھو جاہے بجھاؤ " سٹ سٹ دو چار کش لے کر ابے سلگ بھی چک کہیں ' نیند کے مارے حواس نہیں ٹھکانے ' سر پھٹا پڑتا ہے حقہ ہے کہ نخرے کر رہا ہے "

مرزا :۔ اندر سے " ماں غفور خاں کیا بجا ہے ؟ "

گپوا :۔ جل کے " بجا کیا حقہ بجا ہے "

مرزا :۔ بڑا عیبی ہے بے ' لگائیں تو نے پھر وہی باتیں "

گپوا :۔ جھنجلا کر " میاں سنا حقہ پینا ہے تو سیدھی طرح پی لیجیے اور جو بلے نے پھینکا تو اس دخت بن نخت کی ٹھائیں ٹھائیں ہو جائے گی ہمارے آپ کے اور نہیں تو ایک تو نیند خراب کی بھلے مانس کی ' ویسے ہی سوختہ ہو رہے ہیں ' اوپر سے بے سلقے کا پہاڑ اپڑ رہے ہیں آپ ' اور جو ہم بھی کہہ دیں ۔

الیف بے ہوا ' ماں چیل باپ کوا

تو دیکھیے کتنے چرھینڈے ہوتے ہیں اپنی دفے کو ' اندر جاکر " لیجیے اٹھے ' "

مرزا :۔ دیکھے پڑ کر" لاؤ لاؤ بھئی جیتے رہو، کیا کام کیا ہے واللہ، اماں خاں صاحب تم تو اک ذری سی بات میں بگڑ گئے ۔"

گیبوا :۔ اے حضور مجال ہے میری، آپ مالک ہیں غلام، آپ آقا ہم نوکر، ل میاں کو یَں کی آواز ہے جیسے کہئیگا ویسی سنئے گا" لیٹ کے" لے اب ہم تو سوتے ہیں میاں آپ چاہیں رات بھر مکان رکھائیں یا ہماری جان کچھ کریں ل ابھی پلّا دلانہ کہیں لگا دیئے گا۔ اب تو جنگل کا شیر بھی ایک دفعے کو آئے گا تو بندہ درگاہ اپنی جگہ سے نہیں ٹسکنے کے، ہاں ۔"

مرزا :۔ گھنٹے کی آواز سن کر" ایک دو تین۔ دیں لیجئے اس گلخپ میں دھیان ہی نہ رہا اور تڑ کا ہو گیا میاں غفور خاں بھئی یہ سونے کا وقت نہیں، میں نہ مانوں گا قسم قرآن کی، اماں اٹھ کے مولا کی یاد کرو۔ چار زبٹیں اڑاؤ سویرا ہو جائے اور اب ہماری جسکی کا وقت بھی آیا ہی سمجھو۔"

گیبوا :۔ رزائی دزائی پھینک کر" جی ہم تو مولا کی یاد کریں اور آپ افیم کی؟ کیوں ہاں تھو! پھیٹے سے منہ! بات یہ ہے کہ آپ کے دماغ میں تو گرمی ہے خشکی اور یہاں تڑکے اٹھ کر الغاروں کام کرنا ہے، چاہ بنانا، برتن انجنا سودے سلف کو جانا، پھر چولھا جھونکنا، منہ، ہاڈی کرنا، کہئے ہاں آپ ہل کے پانی پینا نہیں جانتے، اتنا کام کون کرے گا میں یا شیطان ؟"

مرزا :۔ بھئی کام کی جو کہتے ہو تو قسم قرآن کی وہ تدبیر بتاتے ہیں کہ پھڑک اٹھو گے اور ترکیب بھی سبحان اللہ وہ مختصر کہ ہرا لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آئے، میاں ہم سے سیانا وہ دوانا"

گیبوا :۔ اب منہ سے کچھ پھوٹیے گا بھی؟"

مرزا :۔ فقرہ ہضم کر کے" سنئے آپ کی ایسی تیسی، اب تو بیٹھ کے کوئی قصہ کہانی

چھیڑ دیئے جس میں رات کٹے، پھر چسکی وسکی سے فارغ ہو کر سو رہیں ہم آپ دونوں کیسے بہت خوب، آنکھ کھلے دن چڑھے، جھٹ ہات منہ دھو، آپ جائیں بازار اور چار آنے کی آبیاں اور چھ پیسے عدد دو آنے کی لائیں نہاری اور اک دو شیرمال، اور ہاں چار ڈبل ..... کی برفی، یا نہ ہو تو قلاقند مگر ہو تازی، بس کھا پی کے فرصت ہوئی تو ہم چلیں جانی مرزا کے ہاں، دو دو بازی گنجفہ ہو، ورق بدے ہیں ان سے دو دو روپے ورق، اور آپ شام کے لئے مسالا پیسیں، نہ کہیے گا کیسی کہی؟"

گیوا:۔ سوکھے منہ سے" سبحان اللہ، یہ حضور کا حصہ ہے، علم کا زور ہے، ہم سے جاہل کو دن کی عقل اتنے لمبے پہ تھوڑی جا سکتی ہے کیا ممکن ہے" ٹُل میاں" سر کھجا کر" غلام کو یہ اور معلوم ہو جاتا کہ یہ دس بارہ آنے کے پیسے آئیں گے کہاں سے؟"

مرزا:۔ کنوں پر سے جاتے رہیے" کیا کہا بے تو نے؟ پھر تو کہنا۔ یہ ہماری بات میں چوں چرا کیسی؟ ایں، اس کے کیا معنی؟ ادھیڑ کے ڈال دوں گا قسم قرآن کی کہاں سے آئیں گے، کہاں سے آئیں گے؟" زور دے کر" ابے وہاں سے آئیں گے جہاں سے اور سب آتا ہے"

گیوا:۔ سب تو حضور پروردگار کے حکم سے بنیہ دیتا ہے"

مرزا:۔ تو یہ بھی بنیہ دے گا"

گیوا:۔ سنجیدہ بن کر" جی بجا ہے، دیگا اور بے شک کر کے دیگا، ٹُل سویرے بن داموں کھوپڑی کی کھپڑیل بھی بنا دے گا، چندیا کی استری بھی خوب ہو جائے گی"

مرزا:۔ آئیں تو جائیں کہاں" چپ مردود، بدزبان، نفرے، ٹکے کے پیادے بڑے آئے وہاں سے بنیہ کی وکالت کرنے والے، زبان میں یا جی کی موچ ہی نہیں گویا، طرح دیتا ہوں مگر جی میں آتا ہے اٹھ کے جوتی سے کھوپڑی کی اصلاح کر دوں، بچا اٹھتے ہی گڑ گڑی اور تو مارکھ کے نہاری نہ لایا تو مار ہی ڈالوں گا

قسم قرآن کی اور تو اور بنیہ سے بھی ہم وہیں گئے، لے گولی سے تو ہم بات کرتے ہیں اور خیر چلیئے اوس کے دن نہیں تو اب گالی سے بھی گئے گزرے گیا۔"

گیبوا:- یہ مانا حضور، یہاں پر ہم بھی قائل ہیں، پہلے ہی حضور کا منشا معلوم ہو جاتا تو یہ نو نویں میں کا ہے کو ہوتی۔ اب تک گڑگڑی لوٹا کیا مال ہے حکم پائیں تو ہم تو حضور سے کوٹے کریں آپ تو خدا کیا سطے کو ایک چلتی بات کہا اٹھائی تھی کہ حضور بنئے کے ہاں سے آٹا دال تو خیر ادھار مل بھی جاتا ہے کل نقد پیسے تھوڑی لیں گے آپ تو چار جامے تو یہ پاجامے سے باہر ہو گئے اب حکم شدہ ہو گیا ہے تو ہم بھی منہ اندھیرے آفتابہ اور گڑگڑی میکے سے سسرال پہنچا دیں گے، جی اور کیا چلیچی اور ڈگچیاں جہاں سدھاریں وہاں بھائی بہن کی یہ جوڑی اور سہی" ل ایک بات ہے جو آپ کڑوے نہ ہوں، حضور ہیں بڑے سخی کے بچے، لنگوٹی تک کو چاہے محتاج ہو جائیں، کل بے شیر ماں کے حلق سے تلے نوالہ نہ اترے گا، کچھ خلاف ہے اس میں؟ سچ کہیئے گا۔"

مرزا:- باچھیں کھل گئیں" سچ کہتے ہو واللہ قابل انعام، خوش کر دیا اس وقت تم نے اں غفور خاں! بھئی آج سے افیم پیا کرو تم بھی۔"

گیبوا:- مجھے تو بخشیں حضور، ان کالی مائی کو دور ہی سے ڈنڈوت ہے ہماری اچھی دادی" کچھ سوچ کر" نہیں تو آپ ہی کے لالے پڑے ہیں، دیکھنا ہے کہ آپ ہی کی کے دن چلنے پاتی ہے۔"

مرزا:- کیا افیم؟ افیم تو بھئی مرتے دم تک ساتھ ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔"

گیبوا:- "جی اور کیا سچ بھی ہے، کلمہ درود تو ساتھ جانے سے رہا آپ کے سنئے آپ سمجھے ہی نہیں ہم نے کیا کہا اور سمجھ میں تو تب آئے کہ گرہ میں تولہ ماشہ ہو بھی۔"

مرزا:- "چلئے وہ ہم بیوقوف گو تھے سہی، آپ کی بلا سے، اپنا مطلب کہئے"۔

گیبوا:- آواز بلند کر کے "مطلب یہ کہ جھگڑا ہی پاک ہو جاتا ہے دس پانچ دن میں اس کا، نہ تمہیں انعام ملے گی نہ آپ پٹیں گے"۔

مرزا:- "واہ بے" ہنس کر "بڑا ازبٹیا ہے، کیوں خلعت کیوں نہ ملے گی؟ اور نہ ملے گی تو پاپوش سے، اپنے بھر کی ہم گھر بولیں گے، اور رکھوالی کو تمہاری نوکری بول دیں گے، اپنے بیٹھے ہوئے کوٹھے منکار رہے ہیں مزے سے چلئے چھٹی ہوئی، اب کہئے"۔

گیبوا:- منہ دھو رکھئے، حکم آ گیا، بلکن کل ڈگی بھی پٹ گئی کہ انعام سب لام پہ لد گئی تھم بڑے صاحب کا، کڑم دھم! کڑم دھم!

مرزا:- رنگ پریدہ ہو کر "اماں نہیں، لگے بے تکی اڑانے"۔

گیبوا:- جوانی قسم میاں، میں کوئی جھوٹ بول سکتا ہوں آپ کے آگو، یقین نہ آئے تو اس کی اور بات ہے، اچھا وہ جو نائے سے گورے سے ہیں نا! بھلا سا نام ہے ان کا "ٹھہر کر" وہی وہی جن سے حضور نے اس اتوار کو کنکوے کا میدان بدا تھا اور انھیں نے ایک کل پتے سے خدا جھوٹ نہ بلوائے تو حضور کے دس بارہ جمعہ حر اور کوئی کوڑی بھر بھیڑے کاٹے تھے اور چراغ چلے اچھوتے اتر گئے تھے، ان سے پوچھ لیجئے گا"۔

مرزا:- کون؟ بلاتی کو کہتے ہو گے، وہ سفلہ مسخرہ پیچ لڑانا کیا جانے، کل کا لونڈا ہمارے سامنے کا چرخی تھامنے کی تمیز نہیں جس کو، وہ کیا کھا کے میدان لیگا ہم سے، ہم کنکوا لڑاتے ہیں؟ اسے ہوا پر دبو لڑاتے میاں قسم قرآن کی! اور اچھا تو اتنا بڑا اشتہار ماشے اللہ سے پڑا ہے آج ہمارا سا کوئی نکال کر دکھا دے اور نہیں، ناک ناک تو ہم بدتے ہیں واللہ کیا مجال، ہاں غفور خاں سو گئے بولتے"

نہیں، یاد ہوگا کہ پرسوں ذری کے ذری چیل کے چھو گیا تھا۔ دوپہ کالے ہو کہ گرگیا واللہ!"

گپوا:۔ "یاد تو نہیں ل میاں ہوگا بتنگ کرکے سچ، تو وجہ کیا کہ ہمیں تو ہلیئے پیچھو اپنی اٹھنی سے کام، اینچ پینچ سے کیا واسطہ، اپنے حساب چیل گرے کہ گدھا، دونوں ایک اور حضور . . . .

مرزا:۔ لال پیلے ہوکر" ہاں اور حضور کیا کہا اور حضور، سوچ کے کہنا ۔"

گپوا:۔ " مطلب یہ کہ حضور تو کہاں کی بات کہاں لا ڈالتے ہیں۔"

مرزا:۔خیر چلئے بات بنالی اس وقت آپ نے ورنہ بے بھاؤ کے پڑتے۔"

گپوا:۔ ہاں میاں تو بلاتی صاحب ہی پہ قرآن دھرکے پوچھ لیجئے کہ اگلے جمے سے افیم لام پہ لدے گی کہ نہیں" وہ اپنی آنکھ سے دیکھ آئے ہیں ریل پہ پٹارے کے پٹارے لدے چلے جا رہے ہیں، کھانچیاں کی کھانچیاں جا رہی ہیں، مارے بدبو کے ناک نہیں دی جاتی اور قلیوں کی تو کچھ پوچھئے نہیں ماذاللہ کی پناہ! لادتے لادتے حضور نشے جم جاتے ہیں، دس ادھر غلبن پڑے ہیں، پانچ ادھر انٹا غفیل ہو رہے ہیں، مکھیاں الگ بھنبک رہی ہیں، کتنا موت جائے تو ان کو خبر نہیں، بابو لوگوں کے ہاں البتہ رادی چین لکھتا ہے شہر کے دس پانچ ابھی پہنچ گئے ہیں جلسے ہو رہے ہیں، شہر میں ایک پونڈا جو دیکھنے میں آتا ہو، بھاندیاں کی بھاندیاں ریل پہ جا رہی ہیں، بڑے ٹھاٹ ہیں اور تو اور وہ دیکھئے شام کی ٹیم سے وہ فیفو فیفو ہیں نا! ستیلا منہ داغ کالے سے سرمہ بیچتے ہیں، اناؤ سے آئے تھے، آنکھوں میں لال لال ڈورے دیکھے ہیں نے پوچھا" ماں تم تو بڑے مولوی مولانا بنتے تھے آج یہ کیا" قسمیں کھا کھا کے بیچارے کہتے تھے کہ بھئی غفور خاں صاحب، کراچی بھری افیم کھڑی

تھی، پاس سے ہو کر نکلنے بھر کا گنہ گار ہوں، نشہ دبا بیٹھا "۔

مرزا :- مسرور ہو کر " سچ ہے واللہ سچ ہے اور میاں، لوگوں نے بدنام کر رکھا ہے۔ مفت میں ان نیک بخت کو، ورنہ چنیا بیگم اور آبِ حیات کا خواص ایکساں ہے، اور جو کہیں ذری نشہ نہ کرتی ہوتی تو قسم ہے قرآن کی حرام بھی نہ ہوتی، بس کہنے کو ایک ذری سا عیب رکھ دیا ہے پروردگار نے اس میں، مگر یار گپو اگر جو یہ خبر نصیب اعدا صحیح نکلی تو ستم ہی تو ہو گیا قسم قرآن کی بھئی چل کے ریل پہ دیکھنا چاہیئے اس کو ضرور، مگر اس کی لم نہ معلوم ہوئی آخر ش کہ یہ لام پہ کیا ہو گا لاکھوں کروڑوں من افیم کا ؟ اور ہاں بھئی یہ تو بتاؤ کہ یہ لام بندھا کس ملک پہ ہے، سراندیپ کے جزیرے پہ تو کہیں نہیں بندھا یعنی جس کو لنکا کہتے ہیں اور جہاں راون کا محل تھا یہ بھی اپنے وقت کے بڑے طبیعت دار رئیس گزرے ہیں، ایک ڈال سونے اور مرصع کا محل تھا اور باپ ٹیا تو اس بلا کی کرتے تھے کہ ایک ایک گھائی میں لاکھ لاکھ جوڑ بند باندھتے کھولتے تھے، ہمارے ہاں اسی گھرانے سے یہ فن آیا ہے، خدا بخشے استاد بڑی تعریفیں کیا کرتے تھے "۔

گپو :- " حضور تو ایک سانس میں خدا جانے کیا کیا بک گئے، مل ایک بات ہے میاں، ریل پر میں آپ کے ساتھ نہ جاؤں گا "۔

مرزا :- کیوں آخر وجہ، سبب ؟ "

گپو :- آخر وجہ میں نہیں جانتا، روٹی ہانڈی کر کے یار لوگ بستر پہ دندنا ئیں گے، آپ اپنے شہر بھر کے قربان صدقے ہوتے پھریں گا "۔

مرزا :- " نہیں تم کو چلنا ہو گا اور نہ چلو گے تو قسم قرآن کی زیر بند بھی اتنے مارے ہوں گے کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا، آئے وہاں سے "آقا تو چلیں

انیم کی زیارت کو اور نوکر پڑے پڑے نحوست پھیلائیں، کھٹیا کے بان توڑیں میاں چل کے دیکھنا ہے کہ بٹاروں سے کیا ٹھاٹھ ہیں؟ نشوں کے کیا عالم ہیں لام کدھر سندھا ہے؟ لڑائی کس ملک پہ ہے؟ اور یہ بٹارے بدھر نیم کہاں جارہی ہے؟ کیوں جارہی ہے؟ ابے جاہل گاؤدی اس کے معنی تحقیقات ہیں یہ نہیں کہ پلنگ پہ پڑے پڑے .... اڑایا کئے، میاں جب تک ہر شئے کی لم نہ دریافت ہوئے اس وقت تک آرام کیسا۔"

گپو:- مسکرا کے "تو یہ کہیئے کہ سرکار تھانے دار کو توال ہو گئے جو لگے تحقیقات کرنے، اے حضور عقل کے ناخن لیجئے، اچھا اور جو سب باتیں ہم یہیں بیٹھے بیٹھے بتادیں تو کیسی رہے۔"

مرزا:- جوش میں آکر "غلام ہو جاؤں تمہارا عمر بھر کے لئے اور تو کیا کہوں"

گپو:- "ہے؟ دیکھئے مکر نہ جائیے گا، اچھا قسم کھائیے۔"

مرزا:- بگڑ کر "لگے دون کی لینے، کیوں بے اٹھ کے گدی سے زبان کھینچ لوں۔"

گپو:- جی لیٹے رہیے سرکار آپ کو تکلیف کیجئے یہاں تو مالک کے آرام کا ہر وقت خیال لگا رہتا ہے۔"

مرزا:- بھئی بڑے نمک حلال ہو واللہ باغ باغ ہو گئی طبیعت تم سے غفور خاں، ہاں تو یہ لام کدھر سندھا ہے بھئی اسی سے شروع کر چلو۔"

گپو:- اے حضور آپ کی طرح کتے کا بھیجا تو ہے نہیں ہمارا سننا ہو تو ایک ساتھ سب سن لیجئے اور نہیں تو کیا۔"

مرزا:- بہ نرمی "بہت اچھا حضور فرمائیے۔"

گپو:- اب آئے راہ پہ، سنیئے ایک تھا بادشاہ، ہمارا تمہارا خدا بادشاہ، سنی

سکتے ہیں، دیکھی کہتے نہیں، سچ ہو تو ہمارے آگو آئے، جھوٹ ہو تو آپ کی گردن پہ سوار ہو۔"

مرزا:۔ "دیکھو بھئی جو ذری بھی چھپایا تو جو چور کی سزا وہ تمہاری سزا۔"

گپو:۔ آپ تو بیچ ہی میں بول اٹھتے ہیں، ہم رتیوں بناتے ہیں، آپ تو دوں اڑاتے ہیں، آخر آپ آدمی ہیں یا گھن چکر۔"

مرزا:۔ "اچھا صاحب چلئے۔"

گپو:۔ "دیکھئے اونگھ نہ جائیے گا پھر نہ کہوں گا چاہے رٹ رٹ کے آپ.. ...."

مرزا:۔ جھلا کر "بس آگے نہ نکلے کچھ منہ سے، کمبخت منہ پہ کوستا ہے۔"

گپو:۔ بہت خوب، ایک ملک ہے کوئی جہاں کے آدمی گھڑ مونہے ہوتے ہیں کیا مرد کیا عورت ......"

مرزا:۔ بات کاٹ کر "کیا کہا؟ گھڑ مونہے! تمہیں قسم قرآن کی، اماں فردوس مکانی کے چڑھ یا خانے میں بھی ایسا ہی ایک آدمی آیا تھا، یہ یاد نہیں اس وقت کہ مرد تھا یا عورت، معاذ اللہ! دانت تھے مردک کے کہ الٰہی توبہ! دیکھے سے ڈر لگے، خدا بھلا کرے چپکی پہ تو لوٹ تھا، پیالی دور سے دیکھی اور لگا دم ہلانے اور پھلا کر نہنانے، صاحب عالم فرمایا کرتے تھے کہ کہیں دلندیز کے اس پار کوئی جزیرہ ہے وہاں کے آدمی سب ایسے ہی ہوتے ہیں، میاں غفور خاں ہزار ہزار سکے سی توڑے کلکتے والے سوداگر نے لئے اور سرکار سے خلعت اور شمشیر عطا ہوئی وہ الگ، تب کہیں ہات آیا تھا چلتے چلتے سوداگر جتا گیا تھا کہ جنورٹے تو یہ گھڑ مونہے کو افیم سے نہ توڑیئے گا پھر سال بھر بعد دیکھئے گا سات زبانوں میں تو بات کرے گا اور سپہ گری کا فن تو گویا ان کے

ملک سے نکلا ہے، غلہ وہ بے مثل لگاتے ہیں گھڑ موہنے لوگ کہ واہ وا ہاں بھئی غفور خاں پھر کیا ہوا؟"

گپو ا:۔ ہوا کیا آپ کا سر، اے حضور میں آپ کو اتنا نہ جانتا تھا، یہ بتا دیجئے کہ آپ کو کبھی بخار آیا ہے تو آگے چلوں۔"

مرزا:۔ ایک دفعہ پوچھتے ہو، میاں کوئی سو کروڑ دفعہ آیا ہوگا۔"

گپو ا:۔ بس میاں آپ کے برابر ہم نے تو دوسرا دیکھا نہ سنا، لیجئے آج خبر ہوئی کہ آپ گھڑموہنے آدمی برت چکے ہیں، پھر بھی پوچھے جاتے ہیں کہ لام کہاں سندھا لڑائی کس سے ہو رہی ہے"

مرزا:۔ "تو یہ کہئے سندھ پہ ور آج کل گھڑ موہوں سے چھڑی ہے۔ سمندر پار۔ آہا جبھی تو میں کہتا ہوں یہ افیم پہ افیم کس طرف لدی چلی جا رہی ہے، ٹھیک، اب سمجھ گئے ہم، ایں افوہ! گپو دیکھا جہالت کا مزہ آج چکھا کہ نہیں دیکھئے ہم کو وہ علم بغیر پوچھے معلوم ہو گئی اور تم سنی سنائی اڑا رہے تھے کیوں بچا، تو وجہ کیا کہ بادشاہوں شہزادوں کی صحبت اٹھائی ہے، رئیسوں نوابوں کی آنکھیں دیکھی ہیں ہم نے، یا آپ کی طرح گھس کھدوں کی۔"

گپو ا:۔ اتنی دیر میں حضور کی سمجھ پہ ایک ہوئی، خیر کہہ لیجئے مالک ہیں جان مال سے آپ"

مرزا:۔ جی وہ اب ایک ہو یا دو سننا پڑے گی قبلہ۔" راوی، ایں قبلہ! "میاں علم اور تجربہ بڑی شے ہے پھبتی اس کے زور پہ کہہ لو، ضلع جگت پھکڑ اس کے بل پہ اڑا لو، جی اور کیا، ہل تک چلا لو، اور تو اور علم کے زور سے افیم وہ گھلتی ہے کہ باید و شاید، ہاں بھئی گھڑموہوں کا حال تم ہم سے سنو، ان کا کھانا پینا سب افیم ہے، بس معلوم ہوتا ہے اور معلوم کیا ہوتا ہے یہ جی علم کی بدولت

ہے جو ہم بتا رہے ہیں، ورنہ کوئی بڑے مولوی مولانا تو بتا نہیں سکتے، ان باتوں کو بتانا تو درکنار بڑی شے ہے، توبہ توبہ کرکے کہتا ہوں منہ نہیں کھول سکتے ہمارے سامنے ہاں تو معلوم ہوتا ہے کہ اب کے اُدھر برسات نہیں ہوئی اور قحط پڑ گیا بس بولا کے گھڑموہوں نے چڑھائی کر دی، ہندوستان ہوا، مالوہ ہوا، چین ماچین ہوا، یہ تو آپ جانیں کانیں ہیں افیم کی کانیں، یہاں سے بڑھ کے ہوتی ہی نہیں کسی ولایت میں، ہفت اقلیم میں یہیں سے مال جاتا ہے، تو اب دیکھئے کہ جب یہاں جواہرات کے مول ہو گئی تو وہاں کا کیا ٹھکانا، معاذ اللہ بس جھلا کے انھیں سالے نے چڑھائی کر دی یہ ملک ٹھہرا ہمیشہ کا دبو، لگے کھانچی پہ کھانچی پٹارے پہ پٹارا بھیجنے، لاحول ولاقوۃ لعنت ہے قسم قرآن کی اس بزدلے پن پہ، زوت ہے واللہ! لے آنے تو دیا ہوتا ذری سرحد تک، پھر دیکھتے کہ کیا تگنی کا ناچ ناچتے ہیں یہ گھڑموہے اور سنئے یہ کیسی چوٹّے آکر ملک سے افیم لے جائیں اور ہم کنگال ہو کر دربدر مارے پھریں، ایک ایک کا منہ تکیں۔"

گپوا:- لیجئے آپ کی بکواس میں یہ کہنا تو بھول ہی گیا کہ گھڑموہوں سے لڑنے کے لیے آدمی بھرتی ہو رہے ہیں، لال کرتی میں ایک صاحب آیا ہے وہ بھرتی کرتا ہے بڑا بھلا مانس ہے، حکم دیدیا کہ جو چاہے نام پہ چلا جائے، آدھی چھٹانک افیم اور پاؤ بھر جواہر کے ہاں کی بالوشاہیاں اور سیر بھر دودھ اور شکر، چاہے چینی لیجئے چاہے شہجہانپور کی اور بالائی بیڑے، گرما گرم چاہ کی پیالی صبح شام ملے گی اینڈھن مفت، برتن کپڑے اپنے اپنے اُل میاں......"

مرزا:- بات کاٹ کر "بھئی غفور خاں، جو یہ سب سچ نکلے تو قسم قرآن کی کل ہی سے تم برطرف اور ہم رسالے میں، مالک ہزار ہزار شکر ہے تیرا پروردگار، وہ جو کہتے ہیں گھورے کے بھی بارہ برس بعد دن پھرتے ہیں، وہ مثل سچ ہو گئی، بس غفور خاں

خاں کل سب کا حساب کرا دو' اور بھائی" آبدیدہ ہو کر "خدا کے لیے تم کو پنجتن کا واسطہ ہمارا کہا سنا معاف کرنا' ہم تو چلے' بس قسم قرآن کی ایک ایک دم اب شاق ہے واللہ ہم پر' اور میاں سپاہی کی موت مرنا تو خدا ہر مسلمان کو نصیب کرے لڑیں گے اور یا تو مر ہی جائیں گے یا" گالی دے کر" ان گھڑ موہوں کا قصہ ہمیشہ کے لیے پاک کر دیں گے۔"

گیبوا" مل میاں آپ میں ایک بڑا عیب ہے کہ کسی کی اپنے آگو سنتے نہیں اے حضور یہ سب کچھ ہوا۔ ایک بڑی ٹیڑھی کھیر ہے' وہ بھی تو سن لیجئے' وہاں تیس برس تک کے آدمی لیے جائیں گے' باقی ندارد۔"

مرزا:۔" بدبخت پھانسی مار' تو ہر جگہ کانٹا مارتا ہے مردود' جا دور ہو سامنے سے ورنہ اس وقت طیش ہے قسم قرآن کی' بات منہ چل گیا تو ...."

گیبوا:۔" قطع کلام کر کے" ہاں ہاں میاں بات کا جواب تو خیر لات ہے' منہ نہ چلے نہیں تو میرے کون آدمی رات کو کپڑے پڑے دھونا پھرے گا' جاڑے کے مارے آپ ہی کچھ مر نکلا جا رہا ہے۔"

مرزا:۔ہنس کر" بڑا مسخرا ہے۔ ہر وقت دل لگی' ہر وقت دل لگی' مگر یار گیبو تم بھی ہمارے ساتھ چلے چلو' دیکھو تو قسم قرآن کی کیا جشن رہتے ہیں۔"

گیبوا:۔" پہلے اس بات کا تو ٹھیک کر لیجئے۔"

مرزا" واہ بے' ہم نے تیرے کہتے ہی وہ ترکیب دماغ سے اتاری ہے کہ بقراط کو بھی سن کر چکر آ جائے۔" کان میں" ابے خضاب لگا لیں گے کسی سے کہنا نہیں بھیڑ میں دیکھتا کون ہے' نکل چلیں گے کسی کو خبر نہ ہونے پائے گی۔"

گیبوا:۔" نہیں حضور' میں کہیں آپ کی آبرو کے پیچھے تھوڑی پڑا ہوں' ہنسی دل لگی میں اور بات ہے آپ نا لاک ہی جو ٹھہرے۔"

مرزا:۔ "تو بھئی غفور خاں چلنا پڑے گا، اس کان سنو یا اس کان۔ میدان جنگ میں تمہارے آقا کے کیا کیا جوہر کھلتے ہیں، قسم قرآن کی ایک ایک گھڑ موہنے کو چوزنگ نہ بنایا تو نام نہیں، بانک، بنوٹ، پٹا، تلوار، نیزہ آخر ہم سب کس کام ہیں، ہاں ایک ذری گھوڑے کی سواری کا برسوں سے اتفاق نہیں ہوا ہے اور بھئی اصل تو یوں ہے کہ گھوڑا اور پانی، دو ہی چیزوں سے مرزا ذری ہچکتا بھی ہے۔"

گیندوا:۔ حضور اس کی ترکیب غلام بتائے گا یہ جو مٹھو دھوبی نہیں رہتا ہے اس کا گدھا حضور کے لئے مانگ دیں گے، دانہ چارہ ہمارا اور لڑائی کے بعد گدھا صحیح سلامت واپس:۔

احسن:۔ "حضور اس کی ترکیب غلام بتائے گا یہ جو مٹھو دھوبی نہیں رہتا ہے اس کا گدھا حضور کے لئے مانگ دیں گے، دانہ چارہ ہمارا اور لڑائی کے بعد گدھا صحیح سلامت واپس:۔

مرزا:۔ "کیوں صاحب اب ہم گدھے پر چڑھیں گے۔ ٹھٹھک چلوں اسی پر ہوا، بہ التمام"

گیندوا " واہ میاں واہ، سچ ہے نیکی کر دریا میں ڈال، بھرپایا ہم نے، جانے دیجئے صاحب، تم بڑھیں گے ہی نہیں، اور نہیں تو۔"

مرزا " تلملا کر" لاحول ولا قوۃ، کتنے پاجی نوکر سے سابقہ پڑا ہے قسم قرآن کی، اچھا صاحب مانا کہ گدھا منظور بھی کر لیں تو مٹھو کیوں منظور کرنے لگا، وہ ایک نمبر کا اچھا آدمی ہے، روزگار کی بات ہے کہ دل لگی، اب کہو۔"

گیندوا " یہ کہی ٹھکانے کی اتنی دیر بعد یہ بات ٹھیک کرنے والے کی بات ہے، اجی ہم کچھ دے دلا کر راضی کر لیں گے اس کو، آپ گدھے کو لے کر لام پہ چلے جائیے گا، مٹھو بھر پایا کرے گا، ہے کہ نہیں؟ لائیے پلاؤ کا لا ہاتھ کیسی کہی!"

مرزا " ہاتھ ملا کر" بھئی واللہ خوب سوجھی، آخر کس کے صحبت یافتہ ہو ——"

گپوا" دہی گھس کھدے کے، کہیے ہوئی اب تو ؟"

مرزا:۔ ہوئی اور نیج کھیت ہوئی، مرتے وقت بھی خدا کو جان دینا ہے ذری سی بات کے لئے ایمان نہ بیچیں گے "۔

گپوا" تو سویرے اٹھ کر پکی کر لیجئے گا۔ ورنہ دس بجے مٹھوا گھاٹ پہ چلا جائیگا"۔

مرزا" یہ بھی کوئی بات ہے اور وہاں عرضی پرزہ تو نہیں لکھنا ہوگا، اجی خود ہی لکھ لیں گے کوئی دبتے ہیں اس میں ہم کسی سے "۔

گپوا" دیکھیے ہم بتائیں، جیسے اٹھے، کہیے ہاں، کھا پی کے گدھا ٹھہرایا، پھر چلے ریل پہ ، ل میاں اکہ کرنا پڑے گا۔ پیدل نہیں چلا جائے گا، کالے کوسوں ریل گھر ہے، وہاں سے لوٹے تو چلے صاحب کے ہاں، چھٹی ہوئی آئے گھر اور دوسرے تیسرے روز ہم اپنے گھر اور آپ جھنبدم واصل ہو لیجئے فرصت ہوئی"۔

مرزا:۔ برافروختہ ہو کر" ہاں فرصت ہوئی، مگر یہ جھنبدم کیا معنی، ایں یہ جھنبدم کس چڑیا کا نام ہے "گالی دے کر" نالائق بارہ برس دلی میں رہے بھاڑ جھونکنا نہ آیا ابے جہندم نہیں، جہنم جہنم! کہہ جہنم، ایک دفعہ نہیں دس دفعہ، تب یاد ہوگا کمبخت کند ذہن "۔

گپوا:۔ جہنم جہنم ...... دس بار کہہ کر" کہہ تو دیا کہ الف بے تک پڑھا ہے نا ہم نے، بس اس میں تو جہندم ہے تو یہ جہنم جہنم کہیں آیا نہیں، یہ تو آپ سے پڑھے لکھے لوگوں کے لئے ہے میاں"۔

مرزا:۔ بھول کر" اور کیا تم سے کندۂ ناتراش کے لئے، ابے ہم شعر کہتے ہیں۔"

گپوا:۔ کہتے ہوں گے، ل میاں ابھی بلا دیکھا تھا تو کچھ نہ بنا سکے"۔

مرزا:۔ تم گدھے ہو "۔

گپوا:۔ ل آپ کے لئے میاں مٹھوا والا ہی آئے گا"۔

مرزا:- اماں ہاں - سنا بھئی - ذری تڑکے اٹھنا . خضاب بھی لگانا ہے "

گپوا:- تو اس میں جلدی کی کیا ضرورت " توے کی سیاہی میں ذری ساگڑ وا تیل ملادیں گے، بہت بڑھے، اور حضور کے مزاج میں ذری نکلف بھی ہے تو دھونی تلی کا سہی، چلئے خضاب بن گیا، منہ کالا ہوگیا دیکھئے گا کیا کاک ریزتی ڈاڑھی نکھر کے آتی ہے، اب دو گنڈے کیوں بے فضول کو خراب کیجئے "

مرزا:- مسکراکر" مذاق کرتا ہے بے، اچھا ایک حقہ اور بھرلو اور سونے کی ٹھیرے

گپوا:- ایں ایں یہ بد پہر بیزی - ابھی رات پڑی ہے اور یہاں نیند اپنے حساب کسی مردود کو آتی ہوگی، جب سے یہ سن لیا ہے کہ حضور کا وقت آگیا بس نیند بھوک کوسوں بھاگ گئی -

مرزا:- ہاں بھئی یہ دنیا سرائے فانی ہے اول مرنا آخر مرنا "

گپوا:- آغاتقی کے باغ میں تو اجلال ہے "

مرزا:- یہ کیا بے ؟ "

گپوا:- آپ نے ابھی کہا نہ تھا کہ ہم شعر کہتے ہیں، آپ تو کہتے ہی رہے، ہم نے پڑے پڑے ایک جوڑ بھی دی - کیوں خدا وند کیسی ہے ؟ "

مرزا:- پاگل! کیسی؟ نہیں، کیسا کہہ -

گپوا:- ہم نہیں مانتے آپ اپنے ویسے کہئے، ہم اپنے یوں کہتے ہیں، پھر اس میں آپ کا اجارہ؟ چلئے جھنجھٹ گیا "

مرزا:- اب تجھ سے کون جھک جھک کرے، حقہ تو اٹھا کے لا "

گپوا:- میاں کیسے، اس وخت تو آپ ہی بھر لیجئے، ذری دیر کو آپ ہی نوکر بن جایئے ہم کہیں "مرزا" آپ کہیں "جی" کبھی ناؤ گاڑی پہ کبھی گاڑی ناؤ پر ہے کہ نہیں

مرزا:- اب آہی گئی شامت تمہاری بچا . بالکل نہیں رہے حواس میں تم ــــ "

گپوا:- بسور کر " حضور جو اس کیونکر سے ٹھکانے رہیں، آپ تو تڑپے مرنے جائیں اور میں بغلیں بجاؤں، مجھ سے تو یہ نمک حرامی نہ ہوگی ۔"

مرزا:- "شاباش جیتے رہو، اسی بات پہ وہاں سے لوٹ کر ہم تم کو کچھ دیں گے اچھا دیکھو بھئی یاد کر کے وہ ہمارا سبز گوٹ کا انگرکھا ہے نا؟ وہ اور شہزاد صاحب والی مندیل اور ہاں کمر کا پٹکا، صندوق میں سے نکال رکھنا اور ہاں خوب یاد آیا قلم دوات کاغذ بھی یہیں سے آنک لانا، کنکوے کا کاغذ ذری باریک ہو! ایسے نہیں تو مرنے سے آس پہ عرضی تان دیتے ۔"

گپوا:- "جی بہت خوب، ل میاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

مرزا:- "ل کیا؟ صاف صاف کہو جی ۔"

گپوا:- سر کھجا کر "حضور یہ ہے کہ بنیہ تو کل سے گنگا نہانے کان پر گیا ہے، دس بجے کی ٹیم سے آئے گا تو کہیں نہا دھو، روٹی ووٹی کھا کر بارہ بجتے بجتے دکان کھولے گا، یوں جو حکم ہو ۔"

مرزا:- "پھر باشد! بنیے سے انگرکھے پیجامے کا کیا تعلق؟"

گپوا" حضور کی جامدانی تو وہیں ہے نا!"

مرزا:- "خدا کی مار تجھ پر۔ طاعون کے بچے، ابے کیا میرے کپڑے بھی گروی رکھ دیئے ہیں؟"

گپوا:- "تو خداوند یہ چار پانچ سے چکوتھیاں کہاں سے ہو رہی ہیں ۔"

مرزا:- "پھر اب؟"

گپوا:- "اب یہ کہ اس وقت تو ٹھنڈے ٹھنڈے سو رہیے، سویرے کوئی فکر کروں گا ۔"

مرزا اپنی امیدوں کا یوں خون ہوتے دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ کیسا حقہ اور کس کا حقہ؟ ایسی آدمی، دو چار ہی کروٹیں بدلنے پائے تھے کہ نیند آگئی۔ جب ا

اپنا مطلب حاصل کرے' رزائی سمیٹ گٹھری بن' مستطہ مار کر جو لیٹا تو مردوں کے
کان کاٹنے لگا۔

ل
ہے ہے اکتا گئے ہو گے۔ چلو ایک انگڑائی لو' اور "مرزا" اور "گپو" دونوں کو بھو
جاؤ' پچھلا پہر ہے' ہم بھی تھک گئے' اور اب سوتے ہیں' زندگی شرط ہے' یاد آیا اور
جی لہرایا تو اب کے "مرزا" کے ساتھ "اسٹیشن" اور "بھرتی والے" کے ہاں چلیں گے۔

"چاگریم! چاگریم! کیا گرما گرم ہے! چاگریم! چاگریم"

صبح ہی صبح کھرج کے سروں میں کسی کے بلغم آلود بھونڈے گلے سے یہ صدا
نکل کر فضا میں تھرائی اور ایک خس پوش مکان کے اندر سنٹے لے تو یہ سونے والے
کے دماغ میں جھنجھناہٹ ہوئی' سارے جسم میں برقی رو کی طرح لہرا گئی۔ رگ پٹھے کھنچے
ہات پاؤں ہلے۔ حواس میں دھینگا مشتی۔ بیداری و خواب میں جوتی پیزار ہونے لگی۔

اتنے میں دیوار کے اُدھر سے ایک موٹے تازے المست جغادری نے
لال لال چقندر سا منہ نکال کر نیچے جھانکا تو خالی میدان۔ آدمی نہ آدم زاد'
ہو کا عالم' ناشتے کی فکر' کچھ سیمابیت کا تقاضا' نہ رہا گیا' بدن کو تول' کنگنی کو تھام
لٹکا ہی تھا جو تڑسے ایک بڑا سا پیڑا اکھڑا۔ گرفت چھوٹ گئی اور منو میاں بوکھلا کر
گرتے ہیں تو گھڑونچی پر ا ڑڑڑ دھم!

گرہستی کا یہ کارآمد جز' کہنگی میں اپنا آپ ہی جواب' عالی ظرفی کہیے یا وضع
کا پاس' کہ آج تک بھرے مٹکے کا ساتھ نباہ رہی تھی' اب وزن ہوا المضاعف
لنگر نہ جھیل سکی' چولیں ڈھیلی' انجر پنجر الگ' چرچرا کے بیٹھ گئی' مٹکا ڈھیکلی کھاتا
اپنے محور پہ آپ گردش کرتا' بھتق بھتق کہتا ہوا وہ گیا۔

چگنا ٹھیکرا' غیرت کا پتلا' بنانے والے کے صدقے جایئے' پھوٹا تو نہیں ہاں

صحن بھر نینی تال ہو گیا '

ساتھ ہی بس کھٹیا کے جوف سے کسی نے آدھے دھڑ سے اللہ کرہی تلے کچھ ٹوٹلا ۔ ہوا ایں سناٹا ہوا اور کھنا ناناکی ۔ ۔ ۔ ۔ آواز آتے ہی نگاہ جو اٹھتی ہے تو آ ہئیں! سبحان اللہ! انگنئی میں مینا بازار لگا ہوا ہے! گرم مسالے کی پڑیا افیون کی ڈبیا، پیتل کی سرمہ دانی جست کی سلائی۔ زنگ خوردہ سوئیاں ہاتھی مار پیچاپ کا بھٹ کا کنگھا ۔ ٹین کا آئینہ ۔ بالوں کی صافی ۔ کتھے چونے کی کلھیاں چھالیہ کا چورا ۔ تماکو کا قوام ۔ چورن کی گولیاں ۔ ان سب میں سر برآوردہ خود پانو کی پٹاری اور اس بے ترتیبی کے ذمہ دار گودڑ میں لپٹے ہوئے میاں گپو !

گپوا: ابے اے ! میں کہتا ہوں شامتوں نے تو نہیں گھیرا ہے باجی کی ' ڈانٹ کر پھینک آئینہ ' بڑے شوقین کی دم بنے ہیں بیٹا کسی دن باندھ کے مشکیں حوالے کروں گا مداری کے ' ساری فیلسوفی نکل جائے گی ۔"

جنادری بھپکی دے کے جست جو کرتا ہے تو چھپر یہ اور وہاں سے ایک زقند میں آئینہ سمیت نو اور دو گیارہ ' چلئے فیصلہ ہوا ۔

گپوا: سمجھئے یہ تو پیمبری وخت پڑا ہے گھر میں رونے کو آنسو تک نہیں ' وہاں مغنی میں آٹا گیلا ' اور ٹھک گئی بارہ ڈبل کی یہ نہ لے گئے افیم کی ڈبیا سونگھتے ہی ڈھیر ہو جاتے جیڈا" یا دانہ ملنبہ " مرزا صاحب اے حضرت مرزا صاحب جواب نہ پاکر" اچھا ہی ہوا واللہ جو آنکھ نہیں کھلی ' ہے ہے اگر جو کہیں پٹاری کی یہ گت دیکھ پاتے ۔ تو یہ ہے ' پیچھے جھاڑ کے بچھو ہی تو پڑ جاتے مرزا اچھا ہیں کہ ماذ اللہ کی پناہ !"

یہ کہہ کر میاں گپو نے جلدی جلدی بکھری ہوئی دکان سمیٹی اور رزائی سے جھاڑ پونچھ کر پٹاری کو آراستہ کر دیا ۔ اس سے فارغ ہو کر آگ سلگائی ۔ نو اجایا ۔ حقہ پیا

اور گھر سے نکلے تو سیدھے مٹھو کے ہاں۔ گلی کے نکڑ پہ تو گھر ہی تھا جاتے ہی کنڈی کھٹ کھٹائی۔ اندر سے "کون ہے بجبت ؟"

گپوا :۔ ہم ہیں بھائی اور کون ہے "

مٹھو :۔ دروازہ کھول کر" بندگی ارج ہے سرکار کہیے حکم "

گپوا :۔ حکم وکم نہیں۔ یہ لو اپنی دھلائی کے پیسے خبردار "

مٹھو :۔ پیسے لیکے " سلامت رہیے جلدی کیا تھی پھر آجاتے۔ چھ ڈبل کی بھی کوئی آبرو ہے "

گپوا :۔ نہیں ماں یہ کہنے کو نہ ہو کہ ادھار رکھتے۔ لے کے مزدوری چل دیئے "

مٹھو :۔ کیریت! یہ آج کیسی اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ طبیعت تو نہیں ماندی کچھ؟ اب کے تو وہ جوڑی بکھار کی ہوا چلی ہے کہ ماج اللہ تین دن سے بسنتی کی اماں پڑی ہیں تو ہوس نہیں نا "

گپوا :۔ اماں جوڑی بخار جس" بہن کی گالی دے کر" کو آتا ہوگا اس کے تئیں آتا ہوگا یہاں اور ہوئی آزار لگا ہے "

مٹھوا :۔ منڈھیا دے کے" آیئے تو بیٹھ جایئے تسریچ رکھئے۔ کھڑے کب تک رہیئے گا۔ حکا منگواؤں، مڈریا ہے، بسنتی بسنتی بٹیا اٹھو، دن نکل آیا۔ جری گفور میاں کو حکا تو بھر دو "

گپوا :۔ بیٹھ کر" نالت بھیجو ماں حقے پر یوں ہی بنڈا سلگ رہا ہے حقہ کیا ہوگا"

مٹھو :۔ اے وہ مرجاجی آپ کے نہیں دکھائی پڑے کئی دن سے کیا کہیں باہر گئے ہیں "

گپوا :۔ بڑے تیوروں سے" ہٹاؤ تم بھی کس سنوڑھے کا نام لیتے ہو سویرے سویرے روٹی بھی نہ ملے گی ہاں ان سے اب واسطہ کیا جس کے دوارے

نہ جانیے اس کے کوس گننے سے مطلب ''

مٹھو :۔ یہ کیا میں سمجھا نہیں ''

گپو ا :۔ ہمارا تو حساب ہو گیا نا ''

مٹھو :۔ ہائیں یہ کیوں ۔ قسم لے لیجئے جو ہم نے سنا بھی ہو ، دیکھنے میں تو مرجائیے میاں آدمی ناگم دیتے ہیں ہاں اک جری بھلے بے سنک کر کے ہیں ''

گپو ا :۔ بھلے سے بھلے ! اور آدمی کی بھی ایک ہی کہی تم نے ۔ ماں انسانیت کے جامے میں ہوتے تو محلے بھر میں آج یہ حاسٹرات بھی برپا ہوتی ''

مٹھو :۔ کیا مارکا ہوا کچھ کہئے تو ؟ ''

گپو ا :۔ '' مار کا ور کا کچھ بھی نہیں ، شیطان نے انگلی دکھا دی ہے ۔ پچھلے پہرے شیخ سدو کھیل رہے ہیں سر پہ جی اور کیا ''

مٹھو :۔ ابھی تو ہیں ہی ، نسے باج آدمی ''

گپو ا :۔ نشہ وشہ کچھ نہیں ، مراق ہے ، سودا ہو گیا ہے ، کھا پکے اچھے خاصے سوئے ، تین پونے تین بجے کا عمل ہو گا آنکھ کھلی ، حقہ مانگا ۔ اب یہ تو سردی دیکھئے توڑ کا درخت اور ہمارا اٹھنا دیکھئے ، ل بھیا نا بیداری تو بری شے ہے تم جانو اٹھے بھائی ، حقہ بھر کے دیا تو لگے بکواس کرنے کان کھالئے ، پڑے پڑے ہوک جو اٹھی تو کیا کہتے ہیں تمہیں واللہ ہے مٹھو ذری سننے کی بات ہے کہ میاں غفور خاں سویرے تو چاند کی تیرہ تاریخ ہو گی ، میں نے کہا کہ پھر باشد ، تو فرماتے کیا ہیں ، ماں تم بڑے واہی ...... ہو بھول گئے ہماری سالگرہ کا دن ہے اس پر میں نے کہا کہ حضور تو بلے وخت کی شہنائی بجاتے ہیں یہاں نیند میں اپنے حساب کس '' بہن کی گالی دے کر '' کو کچھ یاد ہے ، دن بھر کام کاج میں بہتے رہے ، مار پلیتھن نکل گیا ، آپ آدھی رات کو سالگرہ نے کے بیٹھے ہیں ، کیوں بھئی

کچھ جھوٹ کہا میں نے ؟"

مٹھو :۔ "لے اب ہم سے کوئی بات چھپی ہے ؟"

چپو :۔ "اے تم جیو! بس میاں کہنے لگے جلسہ ہوگا۔ کاشمیری ناچیں گے۔ یار دوستوں کے جمگھٹ رہیں گے، یہ ہوگا وہ ہوگا، اور ہاں بھئی غفور خاں شگن کی فکر تو ہوئی نہیں اب تک، اسی سوچ میں ہوں، بھئی تمہیں کو کرنا پڑے گی، کاشی ویش کے ایک پنڈت جی مہاراج دھرم شالے میں آن کے ٹکے تھے وہ نجوم دیکھ کے بتا گئے ہیں کہ خبردار منگل کے دن سالگرہ پڑے تو دکھن رخ کھڑے ہو کر منھ پہ گلشن لیٹ کا رومال ڈال کے پہلے ایک گدھے کے درشن کر لینا تب گرہ لگانا، سال بھر سکھ چین سے کٹے گی، دوست آباد، دشمن بیری پامال، میں بھک تو رہا ہی تھا پڑا پڑا یہ سنتے ہی اور آگ لگ گئی تن بدن میں، اور شامت جو آدے خیالی مٹھو نا؟ تو چھوٹتے ہی بھوٹے منھ سے نکل گیا کہ اس میں فکر کاہے کی آپ منھ پہ رومال ڈال کے دکھن رخ کھڑے ہو جائیے گا میں اپنا دکھا دونگا گدھے کی شکل نہ نظر آ جائے تو چور کا حال سو ہمارا حال، لے حضرت اتنا سننا تھا کہ مزہ آ گئیں تو جائیں کہاں، پھر ہی تو پڑے لاکھوں مادر پدر کی سنائیں پانوں کی پٹاری رکھی تھی جھانجھ میں وہ اٹھا کے کھینچ ماری، زن دینے امام حسین قسم خالی نہ پڑی تو بھیجا ہی نکل پڑے، جی اور کیا، غرضیکہ کہاں تک کہوں وہ تو توبہ بھی ہولی کہ پناہ بخدا! بجتے بکتے اب تھکے ہیں تو پست ہو کے پڑے ہیں۔"

مٹھو :۔ "تو یہ کہئے بڑا جھنجھٹ ہو گیا، پھر اب ؟"

چپو :۔ "اب کیا، نہ وہ مالک نہ ہم نوکر بھاری پتھر تھا چوم کے چھوڑ دیا، ہاتھ پاؤں سلامت ہیں ہزار نوکری، رزق کیا ایک انھیں پہ موقوف ہے، پر دیکھ لینا مٹھو اپنی آنکھوں سے، ہم تو نہ ہوں گے جو یہ مرزا کوڑی دکان نہ مانگتا پھرے

مٹھو:۔ "سچ ہے گریب کی آتما کا ستانا نہیں اچھا، وہ دیکھیے بھلا سا نام ہے انکا مصاحب گنج میں رہتے ہیں، بڑے بانکے بنتے ہیں، کپڑے لے کے جوان یاں آج تیسرا دن ہے جاتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں ایک ادھم ایک ادھم مالم ہوا کہ ماما کی کندری ہو رہی ہے اور ماما ہے کہ کلپ کلپ کے کوسنے دے رہی ہے، پانی بھری ڈیگچی لے کے چلی، چھلا تھا، رپٹ پڑی، یہ تھی ساری کتھا بس سحبت میں نوکا نپ گیا اور کان دبا کے چلا آیا، مجوری گئی اپنی ایسی تیسی میں، اب دیکھیے مالک کی سان، وہی بانکے جوئے میں دھرے گئے، ٹنڈیاں کسی گئیں منہ ڈھانپے تلنگے ساتھ کل چوک میں جا رہے تھے میں کیا کہوں۔"

گپھوا:۔ "پھر بیچا کیا ہے، سزا ہے بدت کی۔"

مٹھو:۔ "ل ایک بات ہے سحبت مرجاجی نے اسرا پھیت نہیں برتی وہ جانیں آپ انکی بربری کیوں کریں، ہے کہ نہیں؟ کتے نے کاٹا اب کتے کا کون ٹھورکا۔"

گپھوا:۔ "اور سنو بھالی کی باتیں، ناصاحب اب تو مرزا کی ہفتا دپشت بھی قبر سے اٹھ آئے تب بھی غفور خاں ان پہ پیشاب نہیں کرنے کے، نا بابا پیچ پی ہزار نعمت کھائی وہ آدمی پھیرے جھنجھٹی، ہمارے کون گدھا ڈھونڈتا گھومے گا انکے لیے۔"

مٹھو:۔ "اے گدھا بھی کوئی انمول چیج ہے منہ ہی تو دیکھنا ہے جری کے جری سو بھیا گفور، مرجا تو کیا ل تمہارے لیے بھیج دے ہے، آگے تم جانو۔"

گپھوا:۔ "دل میں خوش ہو کر" خوش رہو تم، تمہارے بال بچے جئیں، اتی بات تو کہی تم نے میاں اس کلجگ میں کون کسی کا یار ہوتا ہے۔"

مٹھو:۔ "وہی تو میں نے کہا کہ کیوں برس برس کے دن مرجاجی کا سگن بگڑے اور تم بھی رجگار سے کیوں جاؤ، بن نخک کو، نوکری آج کل بھیا نڈل پاس کو تو ملتی نہیں ہماری تمہاری کون حکیکت۔"

گپو:۔ اب بھی تم کہتے ہو تو اتنی مجال نہیں میری کہ تمہاری بات ٹال دوں اور تم بھی ہمارے ہی نفعے کی خاطر کہہ رہے ہو بیچارے مگر تمام عمر کے لئے تمھارا احسان ہوا ہماری گردن پہ۔"

مٹھو:۔ واہ میاں کوئی بات ہے یہ بھی، دئے سے دیا جلتا ہے بن تحک کانٹوں میں گھسیٹتے ہو گفور خاں" حفظ پی کر" لے ہجبت میں تو جاتا ہوں گھاٹ پہ آج باتوں میں دیر ہو گئی تم آپ آگے لے جانا، نہیں سنتی پھو نچا دے گی۔"

گپو:۔ واہ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ لاد دے لدا دے لادن ہارا ساتھ دے میں آپ لئے جاتا ہوں پھر فرصت کسے ہو گی، الغاروں کام کرنا ہے، فرش فروش کرنا دعوت کا سرا جام، پھر لوگوں کو بلانے چلانے بھی جانا ہے۔"

مٹھو:۔ لے ہاں گفور کھاں کون کون سے تاپچے آئیں گے، جو سہریوں میں آج چار دن سے رہس ہو رہا ہے، متھرا والے آئے ہیں ان کو جرور کر کے بلوائیگا ان میں ایک لونڈا ہے تو کالا سال آواج وہ پائی ہے اپنے حساب کو تلیا کو کتی ہے، میں کیا کہوں۔"

گپو:۔ دوز نانے طائفے ہیں، حسنا کو بھی کچھڑی گئی ہے ل وہ آتی نہیں دکھائی دیتیں، کاشمیریوں سے مرزاجی خود کہہ آئے ہیں اور ہمیں معلوم نہیں۔"

مٹھو:۔ اور ڈومنیاں نہ آئیں گی کیا؟ مبارکباد کون گائے گا ہجبت، یہ تو بھول ہی گئے۔"

گپو:۔ خوب یاد دلایا تم نے اس وخت مٹھو، دیکھو ابھی جا کے ان کو اٹھاتا ہوں اور ہاں تم انام لینے نہ آؤ گے کیا، جلسہ بھی دیکھنا اور اپنا حق بھی لینا۔"

مٹھو:۔ ہمارا تو دہرا حک ہوا نا؟ سلامت رہیے۔"

گپو:۔ گئے گلے پانی۔"

گھر آکے دیکھا تو مرزا صاحب اکڑوں بیٹھے پینک کے مزے اڑا رہے ہیں، حقہ منہ سے لگا ہوا ہوا کے جھوکے کھا رہا ہے۔

گپو: - مرزا صاحب مرزا صاحب"

مرزا: - ہوں ہوں"

گپو: - اے اٹھئے قبلہ، سوا پہر دن چڑھنے آیا"

مرزا: - "پینک میں" تو جب ملکہ شمسہ تاجدار نے امیر با توقیر کے..... کے..... کے"

گپو: - "اے لشئے اللہ داستان اڑ رہی ہے، اہو ہو ہو" شانہ ہلا کر" مرزا صاحب. مرزا صاحب"

مرزا گھبرا کے چونکے، حقے میں ٹھیس لگ گئی اور نہال دو انگل ناک میں اٹھ گئی، چلم گرتی ہے تو رزائی پر آگ ہی آگ۔

مرزا: - اماں جانی مرزا صاحب کہاں گئے؟"

گپو: - جانی مرزا دانی مرزا گئے بھاڑ میں، نئی رزائی جل کے بھسمنت ہو گئی!"

مرزا: - ادہر ادہر دیکھ کر" لاحول ولاقوۃ یہ کب؟ اور مردود تو کھڑا باتیں بنا رہا ہے یہ نہیں ہوتا کہ آ کے بجھا دے۔

گپو: - حقہ کا پانی رزائی پر چھڑک کر" یاد نہیں رہا میاں چوک ہو گئی، خطا ہوئی"

مرزا: - اور یہ تھے کہاں اتنی دیر سے آپ، آوازیں دیتے دیتے گلا بیٹھ گیا قسم قرآن کی۔ خود حقہ بھرنا پڑا"

گپو: - سودے سلف کو گیا تھا اور کہاں تھا"

مرزا: - پھر لایا؟"

گپو: - لایا نہیں لائے کہئے، سبوں سبوں بدکلامی نہیں اچھی"

مرزا:۔ ہائے سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے پھر بھی نہ کہا کہ سودا آیا کہ نہیں"۔
گیپوا:۔ جی نہیں "۔
مرزا:۔ بگڑ کر" اور رات کو ہم نے جو حکم دیا تھا وہ کچھ نہیں' ناپوں گردن اٹھ کے
گیپوا:۔ آپ تو حق بے حق کو تیز ہوئے چلے جاتے ہیں' سودا لاتا کہاں سے؟
بازار بھر سونا پڑا ہے' کانی چڑیا تک تو ہے نہیں' نانبائی کی دکان بند
حلوائی کی دکان بند' بنیہ کی دکان بند "۔
مرزا:۔ آخر یہ سب کہاں مر گئے ہیضہ لے گیا یا طاعون کھا گیا؟"
گیپوا:۔ دنیا جہاں کی آپ کو خبر تک تو ہے نہیں' وہاں چار بجے رات سے
مخلوق ریل پہ ڈھل چلی جا رہی ہے روپے سواری کو تانگے والے دھتا بتا
رہے ہیں' پانچ پانچ روپے کھپ لد رہی ہے "۔
مرزا:۔ اوہ غفور خاں صاحب اب یاد آیا آج تو وہاں انیم کا میلہ ہے' نا؟ ہات
تمہارے ندیدوں کی ایسی کی تیسی' پانچ روپے سواری کر دی "۔
گیپوا:۔ یہ بھی ہے اور لاٹ صاحب کی سواری بھی آ رہی ہے "۔!
مرزا:۔ متعجب ہو کر" ہائیں! کون؟ منورالدولہ بہادر کا جلوس نکلے گا تو یہ کمینے
بعد مدت کے آج آنکھیں سینکیں گے؟"
گیپوا:۔ کیا مشکل ہے' ہم کہیں کھیت کی وہ بنیں کھریان کی' اے حضور منورالدولہ
مرملتان پہنچے' لاٹ صاحب! لاٹ صاحب "۔
مرزا:۔ کلکتے والے کو کہتے ہونا؟"
گیپوا:۔ اب کلکتہ بمبئی تو آپ جانیں' ہم نے تو سب سے یہی سنا کہ لاٹ صاحب
کی سواری نکلے گی "۔
مرزا:۔" ہاں ہاں جی ہم کس کو نہیں جانتے تمہاری طرح جاہل نہیں ہیں"۔

پڑھے ہم ۔"

گپوا:۔ تو اٹھے گا بھی یا کھٹیا پہ پڑے پڑے بڑیں ہانکے گا۔ ریل پہ چلنا ہے کہ نہیں، لال کرتی الگ جانا ہے، آج تو مار کا ہی کام ہے۔"

مرزا:۔ "اٹھ کر" مگر یار یہ تم نے بری سنائی کہ سواری نہ ملے گی، ہاں اور لام کے لئے گدھا؟"

گپوا:۔ آپ کا ہی وجود ہیں تو دنیا تھوڑی اندھی ہے، یہاں تڑکے اٹھے جھاڑو بہارو کی، گھر سے نکلے، بنیہ ملا نہیں، سٹھانی کے ہات پاؤں جوڑ کے حضور کی جامدانی نکلوائی۔ بازدار منٹھوا کے گھر گیا، بامشکل اس کو راضی کیا تب کہیں آٹھ آنے مہینے پر گدھا ملا، اتنی تو محنت کی ہم نے اور انام ملا یہ کہ فضول بے فضول کو آپ نے الٹی صلواتی سنائیں اور کہہ لیجئے دو چار دن پھر ہم کہاں اور آپ کہاں ۔"

مرزا:۔ "سچ ہے ع جدائی کی گھڑی سر پہ کھڑی ہے، مگر بھئی گدھا لات وات تو نہیں مارتا۔"

گپوا:۔ "اے حضور وہ ٹھمک ٹھمک چلتا ہے کہ لوگ تماشا دیکھتے ہیں گدھے پر نہ بیٹھے اپنے حساب اڑن کھٹولے پہ بیٹھے، جی اور کیا۔"

مرزا:۔ "مگر یہ سمجھ میں نہ آیا کہ اتنی سی جگہ ٹھیری انگنی میں یہ بندھیں کے کہاں اور کھائیں گے ۔"

گپوا:۔ پھر تو آپ برا مانتے ہیں جو آپ سے کوئی گستاخی کرتا ہے، مگر ہے یہ کہ حضور ہیں نرے بودم۔ ہم سے سنئے وہ ترکیب بتائیں جو آپ کے دادا جان کو بھی نہ سوجھی ہوگی۔"

مرزا:۔ کیوں بے یہ نانا دادا کیا؟ ایں یہ نانا دادا کے کیا معنی؟ آگیا رذیل

اپنی ذات پر، لیجیے تو بہ اسی میں خیر ہے کہ آئندہ یہ حرکت نہ ہوگی۔"

گپو ا:۔ "واہ ری دنیا! کیا قدر دانی کی ہے سنئے حضور پہلے تو سن لیجیے۔ پھر تو یہ تلا کیا بیٹے گا ..... سنئے حضور نے پوچھا سبد ہے گا کہاں، غلام عرض کرتا ہے کا بجی ہوز میں، کھائے گا کیا کہنے سرکار کے سر۔"

مرزا:۔ اچھل کر "بھئی سچ کہتے ہو قسم قرآن کی سچ کہتے ہو، واللہ نانا دادا کیا معنے ہماری چھتیس پشت کو بھی یہ ترکیب نہ سوجھی ہوگی، پھر خانصاحب پہنچا دیا ہوتا ان کو وہیں۔"

گپو ا:۔ "نہ میاں غلام سے یہ نہ ہوگا، رات سے گھومتے گھومتے یہ وقت آیا ہے حضور خود تکلیف کریں، چار قدم پہ تو کابجی ہوز ہے" اپنی رزائی دے کر "یہ اوڑھ لیجیے اور رسی پکڑے نالے نالے چلے جایئے لوگ سمجھیں گے کوڑا دوڑا اڈ اسے منہہ آیا ہوگا یا نالی صاف کرتا ہوگا۔۔۔"

مرزا:۔ گردن ہلا کر "کیوں حضرت تو اب ہم حلال خور ٹھیرے؟ اصل یہ ہے کہ غفور خاں تم اس قابل ہو کہ توپ دم کرا دیے جاؤ قسم قرآن کی۔"

گپو ا:۔ "حلال خور نہ سہی حرام خور سہی، اب خوش؟"

مرزا:۔ "کیوں صاحب حرام خور کس طرح، غفور خاں ثابت کرنا پڑے گا" تم کو جو نہ ہو تو یاد رکھنا کہ گولی مار دوں گا ابھی واللہ۔"

گپو ا:۔ "اچھا بھلا بتایئے حضور نہ ہر کھانا کیسا؟"

مرزا:۔ "حرام قطعی حرام۔"

گپو ا:۔ "اور افیم؟"

مرزا:۔ "زہر قاتل، سنکھیا، ہلاہل۔"

گپو ا:۔ "اور آپ؟"

مرزا :۔ کھاتے ہیں اور بیچ کھیت کھاتے ہیں۔"

گپو :۔ اب بتائیے آپ کے دشمن کیا ہوئے ؟ نہ کہیئے گا کیسا باغیچہ کھایا۔

مرزا :۔ جھینپ کر" ایں استغفراللہ، میاں خاں صاحب تم جیتے ہم ہارے۔"

گپو :۔ کہہ دیا سمجھا دیا کہ یاروں سے نہ بل کی لیا کیجئے وہ ہیں کہ نہیں سنتے نہیں آتے

مرزا :۔ اچھا تو بھئی لاؤ پہنچا دوں، ابھی تڑکا ہے۔"

گپو :۔ اور غلام اتنی دیر سے کیا جھک مار رہا تھا، گر سنتے جائیے منشی پوچھے تو کہیں اپنا نام نہ لکھا بیٹھئے گا ہاں آپ تو ٹھنڈے ٹھنڈے لام پہ سدھاریں یہاں ہم دھرے جائیں خواہ مخواں کی اینٹھ ہو، مٹھو کا نام لے دیجئے گا۔"

مرزا :۔ ہنس کر" بڑا حرفتی ہے، بڑا حرفتی ہے۔"

گپو :۔" تسلیم۔"

مرزا نے گپو کی رزائی لی، گدھے کو چمکارا اور نالے نالے چلے تو کانجی ہوز، گدھا داخل دفتر اور تھوڑی دیر میں خوشی خوشی مرزا واپس ہوئے تو پھر وہی گپو۔

مرزا :۔ چار پیسے بھیئے" ارماں غفور خاں خضاب تیار ہے۔"

گپو :۔ حضور بڑی دیر سے آپ چارپی کے کوٹھڑی میں چلئے میں لایا۔"

مرزا :۔ عجب نامعقول ہے قسم قرآن کی اب دھوپ یہاں ہے یا کوٹھری میں"

گپو :۔ حضور تو جب دیکھیئے گھوڑے گدھے پہ اتر آتے ہیں، ابھی قائل اقول ہو چکے ہیں، اے صاحب روشنی میں رنگ شرمائے گا کہ نہیں اب آپ سے کون کہے۔"

مرزا :۔ "کہتے تو ٹھیک ہو بھئی۔"

کوٹھری میں چلے گئے، اور بیٹھے ہی تھے کہ گپو مٹی کے تیل کی کپی لیئے آپہنچا۔

مرزا :۔ یہ کیا! خضاب کی پیالی اور چمچی کہاں ہے ؟"

گپو:- "کپی جلاکے" پیالی دیالی کیا ہوگی، آپ اک ذری پاؤں لٹکا کے آرام سے بیٹھ جائیے، میں پیچھے سے لو دکھا دوں، لمحے بھر میں تو داڑھی کھرالی ہے اوپر سے ذری سا مغز کدو کا تیل مل دیں گے، چمک اٹھے گی۔"

مرزا:- گپو کا کان پکڑ کے "کیوں بے الو کے پٹھے جان سینے کی ٹھکرائی تھی، اور سنئے بدذات نابکار کی، اور جو ذری بالوں کو لپک چھو جاتی تو؟"

گپو:- "بہنوں کو فرصت ہو جاتی۔"

مرزا:- کان چھوڑ کر "دور ہو کمبخت سامنے سے۔"

گپو:- "میں نے کیا بے جا کیا، انصاف تو چھو نہیں گیا آپ کے، دس بج چکے ہیں دو کوس زمین ناپنے کو پڑی ہے، خضاب لگانے دھوتے بارہ بجتے کہ نہیں۔"

مرزا:- "بخشیں آپ، ہم درگزرے ایسے خضاب سے قسم قرآن کی اچھا ہماری جامدانی لاؤ۔"

کپڑوں کی بقچی آئی اور گپو گیا۔

مرزا:- "اماں غفور خاں یہاں تو آنا ذری۔"

گپو:- "کہئے حاضر۔"

مرزا:- "یہ دوشالا بھی دیکھا تم نے؟"

گپو:- "ے حضور کی بھی کیا باتیں ہیں، غریبوں کی نگہ سے ایسی نادرات چیزیں سا گزر سکتی ہیں بھلا، ل حضور ہات چوم لے کاریگر کے، کیا جھنجھریاں رکھی ہیں، موقع سے واہ وا، جاڑے گرمی دونوں کے کام کی۔"

مرزا:- "جی جناب آپ کیا سمجھتے ہیں، یہ خاص حضرت سلطانِ عالم محمد امجد علی شاہ بادشاہ غازی کے اوڑھنے کا ہے۔"

گپو ا:- بجا ہے۔ عافیتی جوڑے پر کا ہوگا۔"

مرزا:- شال پھینک کر" ہائے نہیں ملتی نہیں ملتی جو ایک ہی وار میں مردک کا قصہ پاک کردوں، کیوں جناب یہ ہم مردوں کا مال پہنتے ہیں، ایں گستاخ بے ادب"

گپو ا:- حضور بھی پورے زاغلول ہیں، میں نے یہ کہا کہ حضور پہنتے ہیں یہ تو بڑے مرزا صاحب مرحوم کو ملا ہوگا"

مرزا:- اور نہیں کیا ہم کو۔ پہلے ہی کیوں نہ کہہ دیا تھا"

گپو ا:- بندہ بشر ہی تو ہے ہو گئی بھول،

مرزا صاحب نے پوشاک بدلی۔ کھلی مہری کا زرد مشروع کا پاجامہ، سیاہ دہرے کا ادھی چولی کا انگرکھا، سر پہ سرخ مندیل۔

مرزا:- گپو ذری لانا تو آئینہ"

گپو ا:- آئینا دیکھ کے کیا کیجئے گا، ہمیں تو حضور عین مین ......"

مرزا:- گرم ہو کر" ہاں کیا عین مین گدی سے زبان کھینچ لوں گا جو ذرا بھی اس وقت گستاخی کی تو نے!"

گپو ا:- جی سن تو لیجیے، میں کہتا تھا کہ حضور عین مین اپنے والد معلوم ہوتے ہیں اس وقت وہی سج دھج، وہی ٹھاٹ ہیں بالکل، بس ایک اس کی کسر ہے"

مرزا:- تیکھے چتون سے" جی کا ہے کی۔ منہ کو ذرا لگام دیتے ہوئے کہہ پائے"

گپو ا:- بدلائی کی"

مرزا:- میں سمجھا دم کی"

گپو ا:- چ چ! ایسا نہ کہیے والد تھے آپ کے"

مرزا:- پیچ و تاب کھا کے" کیوں بے یہ تو نے ان کو کب دیکھا تھا، ہمیں تو نصیب

ہوئی نہیں ان کی زیارت خیر سے "۔

گپو :۔ مسکرا کے " حضور دیکھا تو بے شک کبھی نہیں، ہاں سنا ضرور ہے لوگوں کی زبانی کہ ایک آپ کے والد تھے اور کیا حضور ان کے سامنے پیدا نہیں ہوئے تھے ؟ "

مرزا :۔ ٹھنڈی سانس لے کر " نہیں میاں ہم ان کی وفات شریف کے بعد تولد ہوئے تھے "۔

گپو :۔ سوکھے منہ سے " یہ حضور کتنے دن بعد ؟ "

مرزا :۔ جھنجھلا کر " ابے یاد کس کو ہے، کوئی آج کی بات ہے احمق، اچھا باتیں نہ بناؤ، پٹاری میں سے آئینہ نکال کے لاؤ "۔

گپو :۔ کنپٹی کھجا کر " حضور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

مرزا :۔ ایں ایں، ابے، حضور وہ، کیا یہ " حضور وہ حضور وہ، کس جانور کا نام ہے ؟ "

گپو :۔ ڈرتے ڈرتے " حضور وہ تو میں نے خدا کی راہ پہ دیدیا "۔

مرزا :۔ گرج کر " کون ! آئینہ ؟ خبیث، ملاعون، پاجی کے بچے کسے دیدیا "۔

گپو :۔ زیر لب " گھسیٹن بھیٹاری کو "۔

مرزا :۔ کیوں ؟ "

گپو :۔ حضور منہ دیکھنے کو ترستی تھی غریب، کہنے لگی بھیا تو تا پھوٹا ہیا پڑا ہوا

ہمیں دیدو۔ میں نے کہا ثواب کا کام ہے اور حضور کا نام بھی ہوگا پٹاری سے نکال کر دیدیا، خطا ہوئی۔"

مرزا:۔ خطا کے بچے۔ خیر اسی میں ہے کہ جا کے آئینہ لاؤ، نہیں تو یاد رکھنا قسم قرآن کی۔ لاش نکلے گی تمہاری اس ڈیوڑھی سے آج کے دن، بوٹیاں بو دوں گا واللہ بوٹیاں اور سینے متفنی کی، گھسیٹن اماں کو آئینہ پکڑا دیا۔ والدہ شریفہ نفیس نادرہ اپنی منہ دیکھنے کو ترستی تھیں، ہونہہ! صورت چڑیل کی مزاج پریوں کا اور تو نے تو نگوڑا نالکا کا گھر خاک کر دیا ہمارا، بس کہہ تو دیا خیر سلا اسی میں ہے کہ آئینہ لا کے دیجئے، چپکے سے۔"

چپو، گھسیٹن کے ہاں پہنچے، بی بھٹیاری موٹے موٹے شیشوں کی عینک لگائے بیٹھی ہوئی چھینٹ کے لہنگے میں گوٹ لگا رہی تھیں۔

گھسیٹن:۔ اللہ حضور خان آج کہاں بھول پڑے، مجاز تو اچھے ہیں، تم تو عید کا چاند ہو گئے۔"

چپو:۔ کیا پوچھتی ہو بوا! ایسے بد کے پالے پڑے ہیں کہ سر کھجانے کی مہلت نہیں تھی، سر کھجانے کی۔"

گھسیٹن:۔ چل بے مروت بہانے خور، وہ دنیا سے ہو پر ایسا کیا کام ہے تمہاری سرکار میں ہم بھی سنیں، جو گھڑی بھر کو چھٹی نہیں ملتی۔"

چپو:۔ سچ پوچھئے تو کام اتنا نہیں جتنی لیتھن ہے، اور جس روز سے مرزا صاحب نے پردیس کی ٹھانی ہے تب سے تو اور بھی ناک میں دم ہے۔"

گھسیٹن:۔ سنے ہے یہ کب، یہ کھو کر پڑوس ویران ہوتا ہے۔ کب تک اس خیر سے لوٹیں گے۔"

چپو:۔ میں تھوڑی جاتا ہوں وہی اپنے سدھارتے ہیں اور دیکھئے لوٹے کا غدا

ہی حافظ ہے "

گھسیٹن :- کیا کر بلا جاتے ہیں زیارت کو خدا وہ دن لائے جو گھسیٹن لونڈی کو بھی آقا یاد کریں، روضے کی زیارت نصیب ہو اور وہیں مٹی عزیز ہو جائے "

گیوا :- اے کچھ خواب تو نہیں دیکھ رہی ہو، بھلا جج زیارت کو جائیں گے، وہ لام پہ جا رہے ہیں "

گھسیٹن :- اوئی لام پہ، جہاں تروار چلتی ہے ؟ چل مردوئے وٹلی کرنا ہے بڑھیا سے خدا نہ کرے جوان کے دشمن مدعی لام پہ جائیں۔

گیوا :- جوانی قسم وہ لام پہ جا رہے ہیں، اسباب وسباب بھی بندھ گیا، ایک تو تھا ہی کیا خاک، گھڑی بھر بعد سوار ہوا چاہتے ہیں، یہاں سے کراچی بندرتک ریل پہ بازہ داں آگبوٹ پہ سرحد، کوئی ایسے ہی ہیں اللہ جانے کون لوگ ہیں انھیں نے دھاوا بول دیا ہے، بڑا رن پڑنے والا ہے، میں نے تو حضنت اپنے چلتے بہت سمجھایا مگر تم جانو اس عمر میں آدمی تو الو کی جون میں آجاتا ہے، کون سنتا ہے۔

گھسیٹن :- یا میرے اللہ، اے میں کہتی ہوں بھیا گوڑے سٹران ہی ہیں مرزا تمہار جو مٹی پلید کرانے جا رہے ہیں وہاں، یہ دن اللہ اللہ کرنے کے ہیں یا خدائی خوار گھومنے کے، نا بھیا گھسیٹن بندی کو تو سونے کے سوا لاکھ ٹکے بھی کوئی دے تب بھی اس ملک کا نام نہ لے" آہستہ سے "کسی نے جادو وادو تو نہیں کرا دیا ہے اللہ مارے پہ ؟ ہاں، میں تو جانوں کسی اگوری گھوری کا پھیر ہے "

گیوا :- جی نشان خاطر رہے، وہ آپ دنیا بھر کے اگھوری ہیں اور ہو گا جی، اپنے تئیں کیا "

گھسیٹن :- دیکھو بھیا جوانی پہ رحم کھانا۔ تم نہ کہیں ان کے ساتھ ہو لینا "

گیوا :- توبہ کرو۔ میری کوئی مت کٹ گئی ہے جو ملک اپنا دیس چھوڑ کر ویران پھروں

یہاں پہلے ہی اپنا حساب کرا لیا، کہتے تھے جیتا پھرا تو پھر بلا لوں گا۔ اچھا ہوا جاتے ہیں بندگی۔"

گھسیٹن:۔ اے گوری تو کھاتے جاؤ، نگوڑا کتنے دن بادلو آئے تھے، مگر مقید علی کی سوگند ایسا نہ کیجو غفور کہ پھر ادھر کا نام نہ لو، ہاں تم جانو پڑوس کا بڑا اسہارا تھا اور ہاں" ایک پیسہ کپڑے میں لپیٹ کر" بھیا کیسے یہ لیئے جاؤ، میری طرف سے امام ضامن باندھ دینا اور بندگی کے بعد کہہ دینا کہ دل مرزا جی گھرا گیا ہے، وہ کمبخو مردہ بھی نہیں نا، نہیں تو میں خود آتی، اچھا بھیا یاد کر کے جاؤ دہی مچھلی کا شگن۔"

گپو:۔ بندگی۔"

مرزا:۔ لایا بے؟"

گپو:۔ کیا خاک لاتا، وہ نکلی ہی نہیں ٹاپے سے، بڑی مشکل سے اتا قبولی ہیں کہ شام کو آ کے لے جانا۔"

مرزا:۔ کیا کہا، ہا، یا ال ہضم کر کے قطامہ اب حیلے حوالے کر لی ہے بالے بنتے بناتی ہے، لانا تو میرا ڈنڈا ذری۔"

گپو:۔ اے نہیں حضور رحم کیجیئے درجن بھر انڈے پھوٹ جائیں گے۔"

مرزا:۔ یہ کیا، اس کے کیا معنی؟"

گپو:۔ حضور وہ تو آج دس بارہ روز سے کڑک ہیں نا، انڈے لئے ٹاپے میں دکھیا بیٹھی ہے۔"

مرزا:۔ کڑک! کیا بکتا ہے بے، جو سن لے گی تو بچا مارے گا لیوں کے فشار کر دیگی تمہارا، یہ کیا بد تہذیبی ہے، جو بات ہے لغو۔"

گپو:۔ اب ہماری بڑی مشکل ہے، حضور کو یقین نہیں آتا۔ اس کا میاں کمستر

والے صاحب کے ہاں ہانڈی روٹی پہ ہے کہ نہیں، وہ لایا ہے یہ ترکیب اڑائے کمشنر یٹ سے، جی چاہے لوٹ کے دیکھ لیجیے گا، کوئی ڈھکی چھپی بات ہے محلے بھر میں تو ما شور ہے۔"

مرزا:۔ کمال حیرت زدہ ہوکر "ایں واللہ تمہیں قسم قرآن کی بھئی غفور حیرت ہوگئی حیرت، ہشیاری ہو کے گھا گھس مرغی کا کام دے، کیا ترکیب نکالی ہے قسم قرآن کی، اچھا ایک بات بتا دو تو ہم قائل ہو جائیں اس کے بھلا چوزے ہوتے تو مرغ ہی کے شکل کے ہیں یا کچھ اور ؟"

گپھوا:۔ حضور تو بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں، اے قبلہ مرغ کے نہیں تو کیا میری آپ کی شکل کے ہوتے ہیں، اصل کڑکنا تھا، مگر آپ تو بے فضول باتوں میں دیر کر رہے ہیں، گیارہ بج چکے ہیں پھر مجھے نہ الہنا دیجیے گا۔"

مرزا:۔ ہاں بھئی چلنے میں اب منت کیا ہے، تم اتنے میں گاڑی پاس بناؤ، میں استخارہ دیکھ لوں۔"

گپھوا:۔ استخارہ ؟ کون ؟ میں حضور استخارہ قیامت تک نہ دیکھنے دوں گا تو وجہ کیا، اس دن خط بنواتے وخت استخارہ دیکھا تھا پھر کیا نتیجہ ہوا۔ استرا چپ دسیے گلے میں اتر گیا، خونا خون ہوگئے اور آپ جیسے کوئی بکرا حلال کر کے ڈال دے۔ آگے آپ مالک ہیں، ہم نے کہنا تھا کہہ دیا۔"

مرزا:۔ غفور خاں صاحب، بھئی تمہاری نمک حلالی میں اب شک کرنیوالے بہن کی گالی دے کر" کے نتیں کا فرکہتا ہوں قسم قرآن کی، اچھا گلوری تو کھلا دو اور ہاں بھئی ڈنڈا یاد کر کے لے لینا بڑا وقت کہہ کے نہیں آتا۔"

بالغرض مرزا الہی خیر صاحب بصد خرابی دولت کدے سے برآمد ہوئے گپھو نے ڈیوڑھی معمور کی، قفل لگایا اور اسٹیشن کی راہ لی۔

مرزا:- ایک بات ہے "

گپو ا:- یا اللہ! وہ بھی کہہ ڈالیے"

مرزا:- رستے میں جو کوئی پوچھ بیٹھا کہ یہ کون صاحب ہیں تو کیا کہو گے؟"

گپوا:- کہہ دوں گا لال بیگیوں کے گرو ہیں "

مرزا:- لال پیلے ہو کر "کیوں پاجی نہیں چوکتا بدمعاشی سے۔ ابے یہ نہیں یوں کہنا کہ رسلدار صاحب ہیں' وہ کہے کہاں جاتے ہیں؟ کہنا لاٹ صاحب نے بلایا ہے ملاقات کو' خبردار "

گپوا:- لے ہم سے کہیے ہم کنڈیل صاحب جنڈیل صاحب کہہ دیں' رسلدار صاحب" گالی دے کر" کیا ماں ہیں' ل ایک بات ہے رستے میں جھلے پن کی نہ لیجیے گا آج' نہیں تو بے گی نہیں ہماری آپ کی "

مرزا:- کیوں حضت ہم جھلے ہیں؟ مگر خوب یاد آیا' ارے گھامڑ اتنا نہیں سمجھتا کہ سپاہی کے پوت استنے تڑا دے بھی نہ ہوئے تو کس کام کے "

گپوا:- برا ماننے کی بات نہیں حضور' ہم نے تو اسیوں کو پٹتے ہی سنا' سنا کیا معنی آنکھوں سے دیکھا' پرسوں دوپہری کو سبزی منڈی میں اس پہاڑی کو شرفوا نے وہ بے بیونت ماردی ہے کہ اذاللہ کی پناہ' مانتا ہی نہ تھا مانتا ہی نہ تھا کسو طرح' کہیے گیارہ ڈبل کا ببئی تجھ کو تین ڈبل میں کس طرح دیدے' اسی پہ اکڑے اور شرفو کے ٹھوکر جڑ دی بونٹیو چہتے کی' بس حضرت پھر تو شرفوے وہ کلے ہی کلے چانٹے رسید کیے ہیں کہ خون تھکوادیا بیٹا کو' دہراہی رہا سوراپن' جی اور کیا!"

اتنے میں دور سے اسٹیشن کا چہرا دکھائی دیا' مرزا صاحب رک گئے۔

مرزا:- تو بھئی گپو تیار ہو جاؤ' منزل آگئی' بولو اب تم آگے بڑھو گے یا ہم چلیں سوتو"

گپوا:- حضور بھی کمال کرتے ہیں' غلام کی مجال ہے آگو چلنے کی' کوئی آپ کو

مخلوق میں ذلیل کرنا ہے، اول تو میں ان پڑھ جاہل ٹھیرا، پھر لاکھ ہیں لاکھ ہیں آپ آقا ہیں میں نوکر ہوں تابعدار۔"

مرزا:۔ کہتے تو سچ ہو، لاٹ صاحب کی نظر ادھر پڑ گئی اور وہ کچھ پوچھ گچھ بیٹھے تو بھئی غفور خاں تم تو سٹ پٹا جاؤ گے۔"

گپو ا:۔ حاکم کا رعاب بھی کوئی شے ہے آخر، اور ہم لاکھ بڑھ جائیں رہیں گے تو ہاتھی ٹکے کے پیادے۔"

مرزا صاحب نے کمر سے چادر کھول کر ہاتھ پاؤں کی گرد جھاڑی، مونچھوں کو تاؤ دیا، اور نادِ علیاً مظہر العجائب، کہہ کر چند قدم ہی بڑھے ہوں گے کہ کسی نے ڈانٹ کر آواز دی "پلٹ! ہم سدر۔"

مرزا صاحب اچھل پڑے، دیکھا تو سامنے وردی ڈانٹے بندوق لئے پولیس کا سپاہی، پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں تو گپو ا غائب۔

سپاہی:۔ ٹھاڑ رہیو، آگے نہ بڑھیو، ورنہ ہوں گولی ٹھائیں دے، تون کر یجا کے پار ے نکسیہے، پھر لئن سُتھنا چل دیہے سا سسر پٹ کرے۔"

آپ جانیں پولیس کا جوان، اس پہ جاٹ کی ذات، جاہل گنوار کالٹھ، کڑوا کریلا دوسرے نیم چڑھا، مرزا ٹھٹکے، ڈانٹ پڑی تو سر سے پاؤں تک پسینے میں غرق اوپر کی سانس اوپر نیچے کی سانس نیچے۔

مرزا:۔ دبی زبان سے "کیا وقت پہ داغ دیا ہے نمک حرام نے۔ اسی لئے پھر پہ ہم کو رکھ دیا تھا، ابے او نمک حرام کے بچے گپو ا کہاں مر گیا، ہائے کیا ضیق میں جان ہے اس پاجی کے مارے قسم قرآن کی۔"

گپو ا:۔ کہئے کہئے کیا آفت ٹوٹ پڑی، بڑھتے نا ٹھٹک کیوں گئے، ذری پیشاب کرنے بیٹھ گیا تھا آپ نے بے کے گالیوں کا دونگڑا برسا دیا۔"

مرزا :۔ دانت پیس کر" ابے حرام زادے دیکھ وہ سامنے باپ کھڑا ہے تیرا"
گپو :۔ پھر بادشاہ، مخلوق آتی جاتی ہے، ایک آپ ہی کے لئے ہو رہے، چلئے تو سہی "
مرزا :۔ ہمت کر کے دور سے" آداب بجا لاتا ہوں جمعدار صاحب "
سپاہی :۔ کا بکت ہے رے ؟ تم دیکھو ہم کا، کے ؟ دیکھوں سنگین، پیاٹ پھاٹ جائی، دھر لین پکیا کھوپڑی پہ، بو کے لاگی پھاسی سار، مانو بڑے منشی لالہ ہیں، کاکہی "
مرزا :۔ ابے بولتا نہیں گپو ابے ایمان "
گپو :۔ ہاں بھائی جوان گالیاں نہ دو، سلدار صاحب ہیں "
سپاہی :۔ گاری ؟ ہم برو بر کر یاب، پولس ہن کر دگی باجی، یو سار رسلدار ہے ؟ ہمار جہان بھر پیا ہس "
مرزا :۔ کیا کہتے ہیں "
گپو :۔ کہتا ہے یہ رسلدار نہیں بہروپیے ہیں "
مرزا :۔ ہم تو غریب پردر ریل پہ جا رہے ہیں، افیم کی کھا پچیاں دیکھنے حضور نے بھی تو سنا ہو گا لام پہ افیم لد رہی ہے "
سپاہی :۔ کا اپھین اپھین کے رہا ہے، ہو نہ چانڈو باز سار نسا کرے ٹیسن پہ آئے لاگے گبری ہوئے جیسے کو دن کوؤ چلان ہوئے جائی، چلو رسنہ لیؤ، لاٹ صاحب ادبا ہیں، بڑے بڑے افسرن کا جائے کا ہکم نا ہیں، سار بہروپین کا کو،
مرزا :۔ غریب پرور، ہمارے لئے آپ ہی لاٹ صاحب ہیں" چپکے سے مٹھی بھر پیسے دے کے" حکم ہو تو وہاں پیڑ تلے ہم بھی تاک جائیں ذری کے ذری کو، خداوند بڑا ہرج ہو جائے گا ہمارا، دو کوس زمین ناپ کے آئے ہیں اس

خاطر آپ کی بدولت لاٹ صاحب کی سواری ہم بھی دیکھ لیں گے۔"

سپاہی:۔ "پیسے لیکہ" سے اب کس کس اپاؤ کری ہو؟ آگے جائیکا ہکم ناہیں، گورنر کا پہرا ہے، ساہب لوگ نیم لوگ جائے پاوت ہیں، ہیں دو چار رہیں بناہو مدا اورے کا جاجت ناہیں ہے، بوریو چار لیونا۔ چپایں بیٹھے رہیو، بت کھاؤ نہ ہو وسے پاوے۔"

مرزا کی جان میں جان آئی، چپکے سے ایک درخت تلے چادر بچھا کے بیٹھ گئے۔

گبھوا:۔ "آج تو بچ گئے حضور، پیٹتے پیٹتے!"

مرزا:۔ "کیا مجال کسی کی جو ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ سکے، تم تو سمجھے نہیں، آہستہ سے اس مردک نے بندوق جو چھپائی تا، بس قسم ہے قرآن کی وہیں پنیترا بدل کے کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا اصل جاٹ کا ہے تو مارگول، آ میدان میں، دیکھ تو واللہ کیسی کاٹتا ہوں، دیکھا نہیں تھا اس وقت میرے کیا تیور تھے؟"

گبھوا:۔ "جی ہاں خوب، دیکھا تھا مردے کے تیور تھے!!"

مرزا:۔ "اماں خاں صاحب ذری نظر جما کے تم تو دیکھنا وہ کیسیوں پہ سامنے کون لوگ ڈٹے ہوئے ہیں؟"

گبھوا:۔ "اے حضور صاحب لوگ ہیں اور میمیں ہیں، ہوں گی دو ڈھائی سے"

مرزا:۔ "لے بیجئے، واللہ ہم نے پہچانا نہیں اتنی دیر سے، اور دو ڈھائی سے کہتے ہو۔ ان کو ڈیڑھ ہزار نہیں کہتے، بیجئے وہ ایک بگھی اور آئی، کیا سرنگ جوڑی ہے کہ واہ وا۔ لے وہ اتری، میا ہے میا اور دیکھئے گورنمنٹ کا چھانا لگائے ہے مگر ہٹا دو بھئی غفور خاں، حسن ان لوگوں میں نہیں ہوتا، حسن ہے اور کچھ بنگالہ دیس میں، قسم قرآن کی، لے اب اتنی بیٹھی ہیں چربی کی پتلیاں، کوئی بھی نوک پلک کی درست

ہے پھیکا شلجم قسم قرآن کی ۔" کچھ دیکھا ان غفور خاں دیکھنا وہ سیف ٹیکے شہزادہ کیوں ان جاہ بہادر تو کھڑے ہیں ۔ واللہ وہی ہیں، کوئی دو سو روپے گز کی بہن شربتی کا انگرکھا پہنے ہوں گے اس وقت اور دیکھنا بھئی اوہ! تاج کلاہ کے موتی کیا دمک رہے ہیں، آنکھ نہیں ٹہرتی ۔"

گپو ا:۔ ارے ماشے اللہ رہیں کی آنکھ کا کیا کہنا، موتی مونگے ہی دکھائی دیتے ہیں مل وہ، دہر گگز والا کھڑا ہے اور اس سے آگو بڑے صاحب کا خانساماں لگتا ہے ہم کو تو ۔"

مرزا:۔ انگلی سے اشارہ کرکے" ابے وہ نہیں وہ، وہ تنبو کے نیچے دیکھ"

انتنے بیں توپ چلی دن سے ایک اور، دنانانا دوسری اور دنانانا !!

مرزا:۔ یا علی یا علی، خداوندا خیر، یہ ازغیبی گولہ کہاں سے آیا، جمعدار صاحب جمعدار صاحب، ارے حضت یہ آسمان کہاں پھٹا، یہ دنانا کیسی ؟"

سپاہی:۔ ہلا نہ کرو، توپیں دگ رہی ہیں، لاٹ ساہیب جان پرت ہے آنے گئے ۔"

مرزا:۔ ایں آگئے اور ہم کو خبر بھی نہ ہوئی، کیوں بھئی یہ توپیں تو مجھی بھون میں چل رہی ہوں گی ۔"

گپو ا:۔ توبہ ہے بس آپ سے، آنکھ کے نیچے ناک سوجھے کیا خاک، وہ دیکھئے وہ گورے چلا رہے ہیں ۔"

مرزا:۔ اخاہ بھئی دیکھنا کلن خاں تو بھی بھی ہیں کہیں، ہمارے بڑے یار ہیں کیا گولا اتارتا ہے بھئی قسم قرآن کی، مگر ہے استاد یہ کہ بے عمل کئے نشست نہیں میٹھتی ان کی، ادھر چلکی پی ادہر قلعہ اڑایا بھئی دکھائی پڑیں تو نذری پکار کے کہہ دینا کہ مرزا صاحب بھی ادہر ڈٹے ہوئے ہیں مگر گپو توپ کا منہ کدہر ہے

گپوا:۔ دکھائی تو کچھ ادہر ہی دیتا ہے۔"

مرزا:۔ گھبرا کے" اور مردود تو اطمینان سے دیکھ رہا ہے اور کہتا بھی نہیں، نصیب اعدا جو ایک آدھ گولہ ادہر آپڑے تو ؟"

گپوا:۔ نشا خاطر رہے، یہاں تو ہوں زد میں آپ ہی ہیں۔"

مرزا:۔ متوحش ہو کر" کیوں جمعدار صاحب یہ توپیں بھری چل رہی ہیں ؟"

سپاہی:۔ ناہیں بابو، کھالی واگت میں بارود بھر بھر کے، پھر بھیا سرکار کا جانے سلامی ہوئے رہی ہے"

مرزا:۔ شکر ہے اس معبود کردگار کا، میرے تو حواس ہی گئے تھے قسم قرآن کی

گپوا:۔ اس پہ تو لام پہ جانے کے دائیے ہیں، وہاں تو آٹھ پہر یہی آتشبازی چلے گی۔"

مرزا:۔ ہاں سنتے ہیں سنتا کون ہے، توپ کدھر چلی، آسمان کدھر پھٹا۔"

گپوا:۔ جی بجا ہے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

مرزا:۔ غفور خاں، سنا تم نے جیسے انگریزی باجہ کہیں بجتا ہو۔"

گپوا:۔ ہم تو عادی آگئے بتاتے بتاتے پیر و مرشد وہ دیکھیے میری آنکھوں سے گورے بجا رہے ہیں، کتابیں سامنے لگی ہیں، بیچ میں ایک گورا کھڑا بتا رہا ہے۔"

مرزا:۔ اہو ہو ہو! اب دیکھا بھئی کیا مست باجہ ہے، مانتا ہوں قسم قرآن کی... فرنگیوں نے کیا شے نکالی ہے واہ وا!"

گپوا:۔ اس میں انوکھی کیا بات ہے، شہر میں سینکڑوں بھنگی ہی جو بجاتے ہیں۔"

مرزا:۔ آپ گدھے ہیں، یہ اور شے ہے یہ دلندیزی میں بجاتے ہیں، وہ ٹھپہ ٹھمری دادرا اڑاتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں یہ جوار نہیں ہوئے لاٹ صاحب بانکے۔"

گپو ا :- لے اسباب وسباب اتروا رہے ہوں گے۔"

مرزا :- بیشک یہی وجہ ہے، خوب پہنچے غفور تم، شہر میں آج کہار تھوڑا ہی بچا ہوگا کوئی، ہزاروں ہنگی اسباب اترا ہوگا ہزاروں کا مگر یہ شہدے کہاں رہ گئے روپے پیسے کون لوٹے گا۔"

گپو ا :- حضور ان میں بھی شہدے ہوتے ہوں گے۔"

مرزا :- کیوں، نہ ہونے کی وجہ ؟ آپ بھی واللہ عجیب بے تکے ہیں قسم قرآن کی، میاں ساتوں ذاتیں ان کے ملک میں ہوتی ہیں، اتنا ہے کہ حضر یالی سب کا ایک ہے چھوت چھات نہیں نا اور ایک بات ہے کہ ہمارے ہاں طبلے سارنگی پہ کا شمیری گاتے بجاتے ہیں ان کے ہاں وہ ایک ہوتا ہے بھلا سا نام ہے اس پہ ناچتے گاتے ہیں۔"

گپو ا :- ہر مُنیا۔"

مرزا :- جیتے رہو خوب یاد رکھا بھئی قسم قرآن کی، ہرمُنیا ہرمُنیا ایک فردوس مکانی کی سرکار میں بھی تھا، ہمیں تو سچ پوچھئے کچھ جچا نہیں، غزل وزل بجا لیجئے پر راگ کجا، یہ کمال تو میاں کچھ اس کاٹھ کے پاسے ہی میں دیکھا "

گپو ا :- " کاٹھ کا پا یہ کیا ؟ غلام نہ سمجھا۔"

مرزا :- تم کیا جانو عطائی، اماں سارنگی سورنگی کا نام نہیں سنا ؟ "

گپو ا :- دیکھئے حضور اب مجھے بگڑنے دیجئے کیوں میاں ڈوم ڈھاری سمجھا ہے آپ نے ہم کو، یہ نائکی آپ ہی کو مبارک۔"

مرزا :- چپ مردود، بدزبان، کان اینٹھوں گا بچا کے۔"

گپو ا :- دیکھا جائے گا لیجئے سنبھلئے، وہ صاحب لوگوں میں غدر مچا، سواری نکلنے کو ہے معلوم دیتا ہے۔"

مرزا:۔ سنو غفور خاں، لاٹ صاحب کا واسطہ ہے، کبھی ایسا نہ ہو کہ تم کو شکایت کا موقع ملے اور وہ کہیں کہ بڑے گو تھے۔ بھئی تم تو خیر، مگر ہم نے شاہی دربار برتے ہیں، دیکھو جب شاہی سواری برابر سے نکلنا تب تو قدم گن کے پیچھے ہٹنا اور پھر کھڑے ہو کے سات دفعہ مجرا بجا لانا، اور زنو تڑا ہات باندھ کے پیچھے آنا، تب میں بڑھوں گا اور ہاں آنکھ سے آنکھ نہ لڑے خبردار، اور ہاں چھینک بھی نہ آنے پائے۔"

گیوا:۔ حضور یہ قواعد تو ہمارے باپ سے بھی نہیں ہونے کی اور ادھر سے نکلیں گے ہی نہیں، آپ کے پیٹ میں بن تخ کو درد ہو رہا ہے، وہ ادھر سے جائیں گے جدھر گوروں کا پہرہ ہے۔"

مرزا:۔ ہشت رئیس کے مزاج کا کیا ٹھیک، گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ اور جو انھیں نے حکم دے دیا کہ ادھر سے نہیں ادھر سے چلو تو آپ رو کیں گے جان کے ان کو ایں بڑی بے ڈھنگی جاہلوں کی باتیں، میاں ان آنکھوں نے لاکھوں ہزاروں جلوس دیکھ ڈالے ہم سے پوچھے کوئی ——— سواری کے ٹھاٹھ، سب سے پہلے سنئے ہونگے کم سن کمسن، برس سولہ سولہ اٹھارہ اٹھارہ کے شالباف کی لنگیاں، تاش بادلے کے شلوکے، کاندھے پہ جھبے لٹے چھوٹے متکیرے، چاندی کے فوارے ہزارے دہانے پہ چڑھے ہوئے، گلاب کیوڑے کا چھڑکاؤ ہوتا ہوا، پھر نشان کا ہاتی ہوگا، ایک دنتا مست جھومتا ہوا، مستک پہ طلا کا جھومر جھونسے پہ سپید در کے گل بوٹے، مغرق کار چوبی جھول، پاؤں میں چوڑے کڑے چھڑے جھانجن، ٹن ٹن کی صدا کو سوں جائے، فیل بان ڈاڑھی چڑھائے، مونچھوں کو تاؤ دے، سرخ رومی باناتی، چپکن، سر پہ ترچھی بنی باندھے، ہاتھ میں فولاد کا آنکس، میل، بری

بری' دھت' دھت' کہتا ہوا' ہاتی پہ نشان بردار' نشان کا پرچم کھلا ہوا' اب سانڈنی سوار آئے' کوئی سوا سوا سو سانڈنیاں' دو دو ہزار کوس کے دم کی' مور کی طرح گردن اٹھائے ہوئے' زنگولے بجتے ہوئے کجاوے کسے ہوئے' زرد لال بچرنگی پوششیں پڑی ہوئی' ان پہ ایک ایک سوار ایک ہاتھ میں ریشم کی مہار' دوسرے میں ننگی تلوار چھم چھم کرتی ہوئی' پھر کوتل گھوڑے' مشکی' سبزے' نقرے' سمند سیہ زانو' شرغے' کمیت ہر کھیت کے' کاٹھیا واڑ' عرب' ترکی' ذیلے' ہر گھوڑا دلھن بنا ہوا' زر زیور سے آراستہ' مخمل کے زین' زربفت کے زین پوش' پھر بلم بردار' عصا بردار' چوب دار' گنگا جمنی عصے' وردیاں پہنے' تغمے لگائے' پھر ماہی مراتب سونے کی مچھلی' روپے کے چاند سورج' پھر نقیب کا کڑکا' پیش ملاحظہ نگہ رو بردبا ادب' سواری باد بہاری خاقان کجکلاہ' خسرو گیتی پناہ اعلحضرت سلطان عالم' میرزا محمد واجد علی شاہ بہادر بادشاہ غازی . . . . "

گیبو ا:- بات کاٹ کر" خدا جانے آپ کیا بے تکی ہانک رہے ہیں' وہ بگی سوار لاٹ صاحب کی وہ جارہے ہیں آگو ننگی تلواریں لئے گھوڑے پہ گورے ہیں' بیچھو بیچھو چار گھوڑوں کی بگھی پہ خود بادولت ہیں' دونوں ہاتھوں سے دعا سلام کرتے جاتے ہیں "

مرزا:- کھڑے ہوکر" ایں لاحول ولا قوۃ ' استغفر اللہ ' گئے گزرے تھے پیچھے ہٹ کر اور سات تسلیمیں بجا کر" غفور غفور دیکھنا خواصی میں صاحب عالم شہزادے بر جیس قدر بہادر ولی عہد مورچھل کر رہے ہیں ؟ "

گیبو ا:- حضور کی بھی کیا باتیں ہیں' اوصی خواصی میں کوئی نہیں' ہاں سامنے ایک بڑا صاحب بیٹھا ہے' لال بنات کی کرتی پہنے ہے اور مار تغمے ہی تغمے

لٹکائے، بڑا ڈبلو۔"

مرزا :- پہچانا یہ کون ہیں؟ ارے نادان یہ حضور عالم وزیر السلطان، نواب علی نقی خاں بہادر ہیں مبارک محل جو جہاں پناہ کی ملکہ ہیں نا، وہ انہی کے بطن سے ہیں، آج تو دیکھ لیا جلوس تم نے بھی غفور خاں؟"

گپوا :- ایں یہ جلوس تھا؟ مشکل سے دس بارہ گھوڑے اور بگھی ہیں کالے کپڑے لاٹ صاحب!"

مرزا :- غصہ ہوکر" چپ مردک گستاخ بھوڑے، بادشاہوں کی جناب میں بے ادبی، کوئی محرم ہے جو ماتمی ملبوس پہنے ہیں، ابے اندھے سوا سے روپیہ گز کی جامدانی ہوگی جس کی پوشاک پہنے لب معشوق سے شغل فرماتے ہوئے بیٹھے ہوں گے۔"

گپوا :- جی ہٹو کو جامدانی حضور ہی کے منہ سنا۔"

مرزا :- ایں، پھوٹی تقدیر کے، او نگھ گیا نامردک، یہ نشان کا ہو پیکر ہاتھی یہ چھم چھم کرتی سانڈنیاں، یہ ترچھے رسالے کے جوانوں کا پرا اور جلو میں انیس الدولہ جلیس الدولہ اہتمام کرتے ہوئے تو نے نہیں دیکھے؟ کیوں بے؟"

اتنے میں صاحب لوگوں اور میموں نے تالیاں بجائیں۔

مرزا :- اب کہہ دینا کہ ولایتی شہدے بھی ہیں نے نہیں دیکھے، وہ دیکھ کیسے تالیاں بجا بجا کر تصدق مانگ رہے ہیں، اور برق الدولہ دوانیاں چونیاں نچھاور کر رہے ہیں۔"

سواری نکل گئی۔

سپاہی :- "چانڈو باج۔ ارے او چانڈو باج، اب جھوک نا ہیں۔ ؟ چو رستہ پہ گدر مچائے کھاتر پوڑھے ہو، دیکھ لو لاٹ صاحب کا اب حاجت ہو کہ نا ہیں

پھر ہم کُد یاب، ہکّا نہ تماکھو سُر دچھپائے رہے ہیں ہلا ڈارے ہیں "

مرزا:۔" بہت اچھا خداوند، سلامت رہیے، آپ کی بدولت مجرا ہو گیا لاٹ صاحب کو "

سپاہی:۔" کا سرُ و پیتر یولائے رہو سنگ مال ؟ "

گپو:۔" پیجیے مبارک حضور بہروپئے سے میر شکار بنے "

مرزا:۔ چپ رہو یار، نکل چلو آدمی ذرا منیڈ اہے " دور پہونچکر " ہاں خواہ مخواہ دو ایک ڈنڈے چکھا دوں گا ساری شیخی کر کری ہو جائے گی، پولس کے سپاہی نہ ہوئے اپنے حساب فرعون ہو گئے" میاں غفور خاں تم لپک کر پٹاروں کی خبر لے آؤ، ہم یہاں کھڑے ہیں، موقع ہو تو ہم بھی چل کے دیکھ لیں، پھر چلیں لال کرتی، اور ہاں یہ لو دو آنے کی امرتیاں میلے سے لیتے آنا، آج خدا جانے کیا بات ہے جو ابھی تک عمل نہیں ہوا ہے، مارے بات پاؤں ٹوٹ رہے ہیں "

گپو نے پیسے لے کر اپنے ڈب میں رکھے، اور دس منٹ کے بعد اِدھر اُدھر گھوم کے لوٹے خالی ہات، منہ لٹکائے ہوئے پژمردہ!

مرزا:۔ کیوں بھئی چلیں ؟ "

گپو:۔" کہیں نام بھی نہ لیجیے گا، وہاں گزر نہیں ہے، فہمی سا فہمی آیا ہی حضور جھنجھٹ ہے کہ ماذاللہ کی پناہ! پھاٹک پہ چپراسی کی خوشامد در آمد کی آٹھ ڈبل بھینٹ چڑھائے وہ کھاتے میں، تب کہیں بہ مشکل جھانکنے بھر کی اجازت ملی "

مرزا:۔ باچھیں کھل گئیں " مالک بے نیاز شکر ہے تیرا معبود۔ بھئی قسم ہے قرآن کی روح تازہ کر دی تم نے غفور خاں، یہ مژدہ سنا کے۔ شکر ہے و شکر کہ ابھی تمہارے شہر میں مانئے، اللہ سے فہمی کا توڑا نہیں ہے۔ ہائے واللہ نہ پوچھو اس فن

کا عالم - ہم تو روہی بیٹھے تھے اس دن جب سنا کہ پچاس روپے سیر کا بھاؤ ہو گیا - بارے ہزار ہزار احسان ہے اس پالن ہار کا - کیوں میاں ہو گا کوئی دو ہزار افیمی ؟"

گپوا :- کوستے ہیں آپ اے قبلہ دو لاکھ کہیئے تو کم ہے "

مرزا :- بات ل کر" با تنفر یہ ! یار غفور خاں بڑی علت ہو گئی - اماں کسی بابو وا کو دو چار آنے دیتے کہے ہوتے ہمیں بھی زیارت ہو جاتی پٹاروں کی "

گپوا :- "یہ ! جیسے بابو لوگ اپنے ہوش میں ہی تو تھے لے حضور بابو خانے میں بھیروں ناچ رہا ہے - چاروں تالے پڑے ہوئے ہیں پہرہ لگا ہے بابو لوگ پینک کے مزے اڑائیں یا آپ کے چار چھ گھنٹے پیسے لیں "

مرزا :- بادل سرد " خیر یا قسمت یا نصیب - آج نہیں دس دن بعد سہی سرحد پہ تو افیم ہی افیم ہو گی - ہم اپنے گھوڑ مونہے ڈیروں پہ جا کے دیکھ آئیں گے "

(لال کرتی کی تیاریاں)

مرزا :- یکہ والے سے " اماں چلو گے بھئی "

یکہ والا :- مالک اس لئے تو چار پہرے سے جتے کھڑے ہیں، کہاں چلئے گا چوک نخاس ؟"

مرزا :- نہیں، لال کرتی، صاحب کے ہاں "

یکہ والا :- ایک اٹھنی ہو گی خداوند دونوں سواریوں کی - کم نہ زیادہ - میرا یکہ بھی آندھی کی مثال جاتا ہے - طبیعت خوش ہو جائے تب دام دیجئے گا اور کیا "

چلے اور دس منٹ میں لال کرتی - یکہ والے کو پیسے دئے اور اب حیران کہ کہاں جائیں -

مرزا :- ابے آخر کہاں رہتا ہے وہ بھرتی والا ؟" ایک راہگیر سے " کیوں

حضرت بھرتی والے کا مکان کہاں ہے ؟"

راہ گیر :۔ "وہ کیا ہے سامنے۔ مگر اس وقت تازی نہ ملیں گی آپ کو۔"

مرزا :۔ "کیا اوندھی کھوپڑی کا ہے واللہ۔ ہم کہتے ہیں بھرتی والا وہ سنتے ہیں برفی والا"

اتنے میں ایک صاحب نے کہا کہ سڑک سڑک چلے جائیے آگے صاحب لوگ رہتے ہیں، تختہ لگا ہے، پڑھ لیجئے گا۔ مرزا صاحب چلے۔ ایک بنگلہ آیا پھاٹک پر چپراسی بیٹھا تھا۔

مرزا "کیوں بھئی صاحب کا یہی بنگلہ ہے ؟"

چپراسی :۔ "ہاں جائیے۔"

مرزا اندر پہنچے۔ سامنے برآمدے میں ایک لحیم شحیم بنگالی۔ کالی رنگت کوٹ پتلون پہنے ٹہل رہا تھا۔

مرزا :۔ ٹھٹک کر غفور سے "کیوں بے تو نے تو کہا تھا کہ بھرتی والا صاحب ہے۔"

گپو :۔ "پھر میں نے کیا جھوٹ کہا۔ صاحب لوگ دونوں رنگ کے ہوتے ہیں، جو کالے ہیں وہ کالٹین صاحب، جو گورے ہیں وہ گڈ امیر صاحب، سمجھے حضور"

مرزا :۔ بڑھ کے "آداب عرض ہے جناب کالٹین صاحب قبلہ۔"

بنگالی :۔ کیا منگتا ؟"

مرزا :۔ "حضور ہم منگتے نہیں اشراف ہیں۔"

بنگالی :۔ "آدمی بنگلہ دیس کا مانس، ہندوستانی کا جبان نہیں بولنا منگتا۔"

مرزا :۔ "سبحان اللہ کیا بنگالی روزمرہ ہے۔ لے صاحب ہم بھرتی ہونا چاہتے ہیں، گھر مدہوں سے لڑائی پڑی ہے نا، سرحد پہ، وہاں جائیں گے لام پہ۔"

بنگالی :۔ "اوڈمرا را۔ ارشیمن ہماسے منگتا ؟"

مرزا :۔ غفور سے "قسم قرآن کی کیا منگتا ہے" بنگالی سے " جی ہاں وہ جو سرحد ہے نا پہاڑوں کے اس پار میں اس کو کہتا ہوں جہاں افیم کے پٹّا رہے جا رہے ہیں "

بنگالی :۔ " او بھیم او بھیم ! کیا گول مال ۔ ہمرا کا سامج میں نہیں آنے منگتا۔ آتم جائے منگتا "

گپو :۔ چلئے بھی یہ تو ہمیں کوئی حبب بھالیا سا لگتا ہے "

مرزا رخصت ہوئے ۔

مرزا :۔ " کیا خوب منگتا ۔ جو بات ہے سو منگتا "

گپو :" چلے چلئے کہیں نہ کہیں تو تختہ ملے گا "

مرزا :۔ تو کیا یہاں تختہ نہ تھا " ؟

گپو :" حضور یہی تو چوک ہو گئی ۔ بن تختی کو بڑا ٹھائی ۔ تختہ ہی تو نہ تھا ـــــ"

الغرض آگے بڑھے ، ایک اور بنگلہ آیا ۔

مرزا :۔ " میاں دیکھو اس پر تختہ لگا ہے ، یہ ہوگا " بھشتی سے " کیوں بھئی گلاّ میر صاحب یہیں رہتے ہیں ؟ "

بھشتی :" دور سے " جی ہاں ۔ وہ کیا سبزے پہ میز کرسی لگائے پڑھ رہے ہیں "

مرزا نے جھانکا اور غفور کو آواز دی :۔

مرزا :۔" ارمان تقدیر میں اتنا چکر ہی بدا تھا ۔ دیکھو وہ یہاں نکلے "

گپو :" گویا پہچان کر " اخاہ یہی تو ہیں ۔ شکر ہے حضور سے شرمندگی نہیں ہوئی "

مرزا ڈرتے ڈرتے بنگلے میں گئے اب سنئے کہ یہاں پارسی ناٹک بمبئی سے لوگ ٹکے ہوئے تھے اور یہ گورا چٹا شخص اس کا مالک تھا

پارسی:- مرزا کو دیکھ کر "شوں چھے ؟"
مرزا:- غفورے زیر لب "یہ شوں شار کیسی ؟ اس کے کیا معنی ؟" پارسی سے "حضور ہم جرنی ہونا چاہتے ہیں آپ کے بیڑے میں"

پارسی نے اپنے منشی کو بلا کر کہا ان سے دریافت کرو کیا کہتے ہیں منشی نے مرزا سے پوچھ کر کہا کہ حضور نوکری کو آئے ہیں پارسی نے ان کی وضع سے سمجھا کہ طبلہ بجاتے ہیں۔

پارسی:- منشی سے اپنی زبان میں "پوچھو تنخواہ کیا لوگے ؟"
منشی:- بمبئی کی طرف کے۔ واجبی ہی واجبی اردو بولنے والے "تم کو بگھار کیا ہونا ؟"
مرزا:- ہمارے ہاں تو لہسن پیاز دونوں کا بگھار دیتے ہیں' اب چاہے قورمہ ہو چاہے بریانی یا مونگ کی بھنی کھچڑی"
منشی:- "نکو ہیئے پیچھے تم کیا ہونا ؟"
مرزا:- تنخواہ کہیے تنخواہ۔ جو آپ کے ہاں شرح ہو وہی دیجیے گا' مگر افیم دینا پڑے گی ضرور"
منشی:- پارسی سے کہہ کر "سیٹھ بولتے تم طبلہ کہاں سیکھا ؟"
مرزا:- ایں طبلہ ؟ یہ طبلہ کیسا' ہم رسلدار یاں کمیدانیاں جانتے ہیں یا طبلہ بجانا"

پارسی نے منشی سے کچھ کہا۔

منشی:- سیٹھ بولتے تم چھاکتا ہے۔ نکل جائے کمپونڈ سے ہم ٹھکاڑی ڈلوادونگا

مرزا صاحب یہاں سے بھی رخصت ہوئے

گپو:- ہم تو دور کھڑا تھا کہیے کیا باتیں ہوئیں"

مرزا:- ہاں یہ تو تماشے والے ہیں ۔"

گپوا:- ایں تماشے والے۔ گلابو نتنا بو کا تماشا! مگر بڑی حیرت ہے یہ لوگ
اب بنگلے میں رہنے لگے ۔"

مرزا:- ابے گلابو نتنا بو نہیں۔ ناٹک ناٹک۔ راجہ ہوں میں قوم کا اندر میرا نام
سنا ہے کہ نہیں؟ جس میں سبز پری شہزادے گلفام پہ عاشق ہوئی ہے وہ
ہے یہ ۔"

گپوا:- آخر پھر انھیں نے کیا کہا۔ ہماری جان تو آپ لام وام پہ لعنت بھیجئے
مزے سے یہیں ناٹک میں دندناتے لال دیو کا پاٹ آپ پہ خوب کھلیگا۔"

مرزا:- نہیں بھئی یہاں پہلے سہیلیوں میں نکلنا پڑے گا لال دیو کا پاٹ پہلے
ہی نہیں مل سکتا" ایک کوٹھی کی طرف انگلی سے بتا کے" وہ لال لال کیا ہے"

گپوا:- تختہ ہے ۔"

مرزا:- لاؤ بھئی اسے بھی دیکھتے چلیں۔ بے ایمان نے استخارہ اس وقت نہ کرنے
دیا۔ مفت کی تھکن ہوئی ۔"

گپوا:- ٹھہریے پہلے مجھے دیکھ لینے دیجئے آپ جہاں جاتے ہیں قدموں کی
برکت ساتھ لے جاتے ہیں۔" پھاٹک میں جا کے اور مرزا صاحب کو اشارہ کر کے
"یہاں آئیے، ہیں آپ قسمت کے بڑے بھئی ۔ دیکھئے وہ کیا ہو رہا ہے۔"

مرزا:- ایں اوہ! اب لگی محنت ٹھکانے ۔ جب مرے ہم تم دونوں۔ یہ جرنیل
والے کا بنگلہ ہے اور ہزاروں میں ہے۔ قواعد جو ہو رہی ہے۔ وہ صاحب
کھڑا بولی بول رہا ہے۔ کمانیر بھی معلوم ہوتا ہے۔"

گپوا:- جی ہاں۔ مل دیکھئے رنگروٹ پلٹن کی ترنگ میں کیا بھونڈے پینترے
ڈال رہے ہیں ۔"

مرزا: ”تو ہے صلاح جاؤں “
گیوا: ”بسم اللہ کیجیے۔ شام ہونے آئی “
مرزا صاحب بڑھے۔ دلگی سنئے کہ بشن اسکول تھا، پادری صاحب لکڑی کے سہارے ٹکے ہوئے قواعد کرا رہے تھے، ان کی نظر جو مرزا صاحب پر پڑی سمجھے کوئی شہر کا رئیس ہے۔ اشارہ جو کرتے ہیں تو لونڈے تتر بتر ادھر سے پادری صاحب بڑھے ادھر سے مرزا صاحب چلے۔
مرزا: ”زمین دوز ہو کر کورنش عرض کرتا ہوں پیر و مرشد “
پادری: ”اوگڈ ایوننگ۔ ہو ڈو یو ڈو؟“
مرزا: ”غلام عیسائی نہیں ہے “
پادری: ”آئی سی۔ آپ کا مزاج اچھا ہے “
مرزا: ”حضور کے اقبال سے اچھا ہوں “
پادری: ”بیرا۔ بیرا “
بیرا: ”حاضر حضور “
پادری نے کرسیاں منگوائیں۔
پادری: ”اور آپ بیٹھے “
مرزا: ”حضور تشریف رکھیں غلام کی مجال ہے آقا کے سامنے بے ادبی کی “
پادری: مرزا کو بٹھا کے ”موسم بہت اچھا ہے آج کل “
مرزا: ”جی ہاں حضور جاڑوں کی کیا بات ہے، اچھے سے اچھا پہننے، اچھے سے اچھا کھائیے۔ حضور میں دیکھتا ہوں بہت نقیہہ ہو رہے ہیں، ماء اللحم نوش فرمایا کریں، پانچ تولے صبح پانچ تولے شام ہمراہ شربت بزوری مستدل “
پادری: مرزا کی بات نہ سمجھ کر ”ویل ہم آپ کا کوئی کام کرنے کی امید کرتا ہے “

مرزا :۔ یہ بھی حضور کے فرمانے کی بات ہے حضور حضور تو کمانیر سے لاٹ صاحب کرے، میں اس وقت ایک ضرورت سے حاضر ہوا ہوں، وہ یہ کہ غلام کو اپنے بیڑے میں بھرتی کر لیجئے مہربانی ہوگی۔"

پادری :۔ دل میں خوش ہو کر کہ اچھا پھانسا "کھداوند کے ٹکڈیس ہو۔ ہمارا ٹکڈس باپ آپ کا مدد کرے گا۔"

مرزا :۔ انھیں تکلیف کیوں دیجئے اس ضعیفی میں ذری سے بات کے لئے۔"

پادری :۔ نہیں مبارک ہیں وے لوگ جو اس کے گلے میں آئے، مبارک ہیں وے لوگ جن کے ڈلوں میں روح الکڈس کا روشنی چمکا۔"

مرزا :۔ جی ہاں کیا عرض کروں بیٹھے بیٹھے دل بہا تر نگ آئی کہ چل کے بھرتی ہو جاؤ۔ سر بھی ان شیطانوں نے بہت اٹھایا ہے۔"

پادری :۔ جھرجھری لیکر" سیٹن اوسیٹن! وہ انسان کا ڈسمن ہے، وہ کھداوند کا ڈسمن ہے، وہ تاریکی کا باڈشاہ ہے، جہنم میں اس کا حکومت ہے۔"

مرزا :۔ دیکھئے اگلا حضور میدان میں کشتوں کے پشتے نہ لگا دئے ہوں، غلام کے والد شاہی میں رسالدار تھے۔"

پادری :۔ پھر کیا وہ مرگیا؟"

مرزا :۔ جی ہاں۔"

پادری :۔ وہ نیک بیٹے کا باپ تھا اس کو نجاتِ ابدی ملا۔"

مرزا :۔ جی نہیں حضور کسی جنگل خورے آپ سے جڑا ہوگا قسم قرآن کی ان کے پاس آبادی وابادی کوئی نہیں تھی، وہ اس رنگ کے آدمی ہی نہ تھے۔"

پادری :۔ او جس بیٹے کے ڈل میں روح الکڈس اترا اس کا باپ آڈمی نہیں ہو سکتا وہ فرسٹا تھا۔"

مرزا:۔ "جوان تو برابر بھرتی ہو رہے ہوں گے حضور! میں نے سنا نہیں اس وقت کوئی دوڑ بالی ہے۔"

پادری: "نجات کا دروازہ کھلا ہے، کھداوند کا مقدس کام جاری ہے۔"

مرزا: "ادھر ہمارا رسالہ مورچے پر پہنچا اور گھوڑموہوں سے نجات ملی۔"

پادری:۔ "وہ آپ کو برکت دے گا۔"

مرزا:۔ "جی اور ایم بھی قبلۂ عالم۔ کیوں خداوند آپ بھی عمل کرتے ہیں۔"

پادری: "بیگ یور پارڈن۔"

مرزا: "حضور یہ نہیں بلکہ تریاق تریاق۔ اگر وقت آگیا ہو تو حاضر کروں، جمائیاں آیا ہی چاہتی ہیں مجھے تو معلوم ہوتا ہے۔" یہ کہہ کر ڈبیہ نکالی اور ایک گولی ہتھیلی پر رکھ کر دور سے دکھائی۔

پادری:۔ "اولکسیٹو پلز۔"

مرزا: "جی ہاں ولندیزی ہیں ان کا یہی نام ہے۔ بڑی نایاب شئے ہے خداوند!"

پادری: "اویس۔"

مرزا: "تو اب فدوی کس دن حاضر ہو۔"

پادری: "سوچ کر۔ آپ کل آٹھ بجے آئیے گا۔"

مرزا: "تو اب تخفیف تصدیعہ کرتا ہوں تسلیمات عرض ہے۔"

مرزا صاحب بنگلہ سے نکلے گیپو سے ملاقات ہوئی۔

گپو: "اوہ بڑی دیر لگائی آپ نے میں تو سمجھا کہ لیا صاحب نے ٹیٹو اور برسایا ہنٹر۔"

مرزا: "گپو۔ تم برطرف۔ ابھی برطرف۔ سوائے درازی کے اور کچھ ہے ہی نہیں نمک حرام کے پاس۔"

گھیوا:۔ ایں ایں، ذری جو اس میں ایں نے یہ کہا کہ سچ مچ بہٹ گئے آپ میں سے تو شاید کر کے کہا۔"

مرزا:۔ ہاں تو یوں کہو نا قسم قرآن کی جو میں نے سنا ہو۔ اماں صاحب تو بڑے رنگیلے نکلے غفور خاں، عمل کرتے ہیں اور کہنے کو ہیں ولایتی مگر بڑے اشراف

گھیوا:۔ اجی گڈامسٹر ہے پورا۔ کہیں اس کے بھروسے نہ رہئے گا، کہیں بہلا پھسلا کے وہ اپنے تہذیب پہ نہ لے آئے آپ کو 'جی اور کیا' باوڑی ہی۔"

مرزا:۔ چل بے الو کی دم فاختہ۔ اب کل آکر ہم بھرتی ہوئے جاتے ہیں راوی چین لکھتا ہے غفور خاں، دیکھو سر میں خاک ڈال کے روؤگے چلے چلو لام پہ۔"

گھیوا:۔ ہٹائیے ہم نالت بھیجتے ہیں۔ آپ کو تو کچھے گھرے کی چڑھی ہے، اب گھر بھی چلئے گا یا رات کو یہیں پیڑوں پہ بسیرا کیجئے گا۔"

مرزا:۔ گھیو دیکھو بھئی اس میں گالی کا پہلو نکلتا ہے ہم ٹھونک چلیں گے"

الغرض آقا اور نوکر کو تو گھر کا راستہ لینے دیجئے اور یہ سنئے کہ مرزا صاحب کے جاتے ہی گھسیٹن۔ نے محلے بھر میں پھونک دیا کہ مرزا لام پہ چلے گئے یہ خبر شدہ شدہ بی اصلی کے کان میں پڑی اور وہ "ہائے میرا بیس روپے کا گدھا" کہہ کر پیٹنے لگی۔ بسنتی فوراً گھاٹ پر دوڑائی گئی۔ مٹھو گالیاں دیتا ہوا آیا، پتہ چلا یا کہ مرزا اسٹیشن گئے ہیں، غرض صلاح مشورہ ہوا اور ایک بجتے بجتے مٹھو اسی نے بڑے صاحب کے اجلاس پہ عرضی تان دی۔

.. ..

مرزا اور گھیو باتیں کرتے چوک میں چلے آرہے ہیں

مرزا:۔ ہاں بھئی تو پھر نان بائی کی ٹھیری۔"

گپوا" جی اور کیا۔ اب آدھی رات کو میرے کون چولھا جھونکتا پھرے گا۔ یہ بیجئے دکان بھی آگئی آپ چل کے کھانا نکلوا لیجئے ہیں لپک کے بالائی لے لوں"

گپوا چلدیا۔

مرزا صاحب دکان کی طرف بڑھے ہی تھے کہ کسی نے پیچھے سے کہا "دیکھو وہ ہیں وہ ہیں جانے نہ پائیں" اور ساتھ ہی آواز آئی "رک جاؤ"

مرزا " ٹھٹک کر" الٰہی خیر"

چپراسی" ہاں الٰہی خیر کے نام کا سمن ہے"

مرزا" سراسیمہ ہو کر" ایں سمن!"

یہ کہا اور تیورا کے گرے تو دھڑ سے نالی میں!!

زندگی شرط ہے۔ اب کے کچہری میں اڑے گی۔

اکتوبر ۱۹۳۸ء کے "ساقی" میں اڑی تھی، یا چشم بد دور، آج پورے سوا تین برس کے بعد جنوری ۱۹۴۲ء میں اڑ رہی ہے،

آوارگی اور پابندی میں دور کا بھی ناتا ہوتا تو یہ خاکسار اپنے لئے نفرت، ملامت، یا آپ کی پسند کے اور کسی بھاری بھرکم دوٹ کی ضرور تنفارش کرتا،

شعر، پارہ اور خیال اگر قائم ہو سکتے ہیں تو آوارہ بھی حبس دوام کے لئے بہ سروچشم تیار ہے، ورنہ یہی اس کا عذر گناہ ہے اور شاید اسی پردے میں اعتراف گناہ بھی مضمر .... اب "بے پر کی" اڑنے دیجئے،"

جاڑوں کی شبنمی رات' آٹھ کے گجر سے پہلے' سبزی منڈی میں ایک قدیم وضع کے مکان کی سرد اور خاموش فضا طبلے کی "چکنم چہ کنم" اور ستار کی "جھن نن جھن نن" سے گرما رہی ہے' صدر دالان میں پٹا پٹی کے پنپی پردوں کے پیچھے' مردنگ کی پھیکی روشنی میں' میلی چاندنی پہ ایک بڈھا ستاریا اپنے سے دو دونے ناپ کی کہنیوں پر مسکی ہوئی' بوٹے دار اطلس کی اچکن پہنے' روپئے میں ساڑھے سولہ آنے سلمہ جھڑی زردوزی کی قدحیا ٹوپی کانوں تک منڈھے بلاول ٹھاٹھ کی ایک گت پر سر سے ٹیپ اور ٹیپ سے سر تک مچل مچل کر کچھ اس طرح ہچکولے کھا رہا ہے کہ ڈر ہے کہیں سم تک پہنچتے پہنچتے گردن کا ڈورا بیچ ہی میں نہ ٹوٹ جائے' اور سم کے ساتھ سر بھی نہ ہاتھ سے جاتا رہے'

اس سے ذرا ہٹ کر موچھیں چڑھائے' گل مچھے بڑھائے' کمر کسے کالا ریٹھا طبلیا کندے تول تول کر اس دم خم سے گت کا مزاج بگاڑ رہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے' یا ہو کا جوڑا چھوٹ رہا ہے'

سامنے نمالیچے پر کمر لوٹنے گاؤ تکیے کے سہارے' چوپڑ کے مشروع کا غرارے دار پیجامہ' نینوں کے کرتے پر شمعی رنگ کے مخمل کا نسلو کہ پہنے صاحب خانہ ساز کے ہر بول پر ریشۂ خطمی ہو رہے ہیں' ان کے برابر ہی اور ایک بزرگوار بیٹھے ہیں' گورا ولایتی رنگ' ترشتی سا منہ' دانتوں میں مسی' پتلی پتلی بنی سی موچھیں' کتری ڈاڑھی' قبہ دار ٹوپی' سنجاف لگا رومی کا دگلہ' چار پانچ سہ گز اشالی رومال گلے سے لپیٹے' صاحب خانہ کی واد میں داد بھی ملائے جاتے ہیں' اور بے کیف آنکھوں سے مراد آباد(۲) تھالی میں سجے ہوئے چانڈوے لوازمے' گرمٹ' نھک اور نگالی کی طرف

دیکھ دیکھ کر جماہیاں بھی ضبط کرتے جاتے ہیں،

اتنے میں ستار یئے نے استائی کا دھرم کرم دکھا کے انترے کی سیر کی اور چوگن تک ایک ایک سر کو خوب روشن کر کے جو سمٹا تو منیڈوں کی "مشکلات" کو پانی کرتا ہوا پھر استائی کا رنگ بلمپت میں جما رہا تھا جو بندھے ہوئے مکھڑے کے تیسرے "دھا" پر طبلے کی تھاپ پڑی، ساتھ ہی مضراب کی جھنکار سے گرت کے آخری بول فضا میں گھل مل گئے۔

تعریف کے پل بندھ گئے،

صاحب خانہ اور کون جانی مرزا "اے سبحان اللہ! کیا کہنے ہیں استاد کان پاک کر دیئے تم نے، بجا رہے تھے کہ پور پور سے رس کے دریا بہا رہے تھے اور بھئی، اللہ ہے کیا سچا نقشہ کھینچا ہے راگ کا کہ ابھی تک معلوم ہوتا ہے بلاول ہات باندھے سامنے کھڑا ہے، سبحان اللہ! واہ وا"

استاد، تسلیمن بجا کر" ذرہ نوازی ہے، ورنہ سچ پوچھیئے تو ابھی غلام تیور کول کا فرق نہیں جانتا، چڑھے اترے سے بے خبر ہے"

جانی مرزا۔" یہ تمھاری انکساری ہے، واللہ، اس وقت تو ایک ایک سر کو تم نے اس خوبصورتی سے نکھارا ہے کہ باید و شاید، منہ سے بولنے لگی"

استاد۔ پھر تسلیمیں بجا کر" قربان جاؤں، یہ نہیں فرماتے کہ ہفت نظر خود حضور رہا شیئے اللہ سے بلا کے کن رس ہیں، اور حضور مرزا بھی تب کا ہے کہ محفل میں سمجھ دار بیٹھے ہوں، کوڑھ مغز نہ ہوں جو بہاگ اور بھیرویں میں تمیز نہ کریں، (طبلئے سے) ہے کہ نہیں میاں جھجو خاں " ؟

جھجو خاں۔" اس میں کیا جھوٹ ہے استاد، دیکھ لیجئے نا کہ ابھی ابھی آپ نے لہرا کے جو سانس یہ تگن کا داؤ ڈالا اور یہی چلانگ میں تو اتنے میں نہ جانے

مجھر نے ڈسا کہ بغل میں کھٹمل رینگا' پل کے پل دھیان بٹ گیا اور سم ایک بال برابر دب گیا' دب گیا کیا معنی' ضرب ذری میٹھی لگی تھی جو حضور آنکھوں ہی آنکھوں مسکرائے اور میرے جگر میں جیسے کسی نے چٹکی لی' بس قائل ہو گیا استاد' اور کیا معنی کہ قسم پروردگار کی میں نے دل میں کہا' دیکھ چھجو بندے کان کی روشن ضمیری اس کو کہتے ہیں"

جانی مرزا ۔ لجا کر۔" اماں نہیں تین رس ون رس تو کیا' اتنا ہے کہ آپ لوگوں کو سنتے سنتے" کان اک ذری منج گئے ہیں"

چھجو خاں ۔" اور حضور یہ استاد بھی کیا معنی کہ اپنے وقت کے گندھرپ ہیں' پھانسا ہی تھا آج "تاروں کے جال میں' وہ تو کھٹے ہات پہ مرشدوں کا سایہ ہے' جو پنپ گیا خداوندا! اور چوٹ پینے سے لَے کو سادھے رہا کیا معنی کہ بڑا ایکٹ حساب آکے پڑھا تھا' دانتوں پسینہ آ گیا"

استاد ۔" واہ کیا بات ہے خاں صاحب' آخر کے تئیں استاد ابن استاد ہو (جانی مرزا سے) ان کو پہچانا نہیں حضور نے شائت ہوئے اللہ بخشے (کان کو ہات لگا کر) سدھار خانجی کے خاص لخاص پروتے ہیں' اس مولیٰ کھال کو آبرو تو انہی کے گھر سے ملی ہے"

جانی مرزا ۔" اخاہ یہ کہیے' جبھی ماشئے' اللہ سے ہات اتنا سکھی اور سیلا ہے اس پہ لے داری' بولوں کی صفائی! اے سبحان اللہ! میں دیکھ رہا تھا' ایک ایک فقرہ پرکار سے ناپ ناپ کے جیسے قینچی سے کتر رہے ہوں' اور میاں' تم لوگوں نے فقط نام سنا ہے سدھار خاں کا' ہم نے تو برسوں انھیں برتا ہے' پکھاوجی بھوانی داس سے ان کے ڈانڈے بینڈے تھے' اُسے سے زک دینے کے لئے طبلہ بنایا' اور بول بانٹ کر کے دو

قاعدے پہ چلانے تو چھکے چھوٹ گئے، لالہ بھوانی کے دھرے رہ گئے گھڑے اور پرنیں، جہاں پناہ نے بھی توسن کے طبلے کا منہ ہیرے موتی سے بھروا دیا تھا، اور رئے کے تو شہنشاہ تھے وہ، ہائے واللہ، یقین مانو استاد، ان آنکھوں نے دیکھا ہے کہ گھر سے نکلے ہیں کسی کام کو، عالم یہ ہے کہ کبھی آڑے چوتالے میں چل رہے ہیں، کبھی سول فاختہ میں قدم پڑ رہا ہے چلتے چلتے کوئی ٹکھڑا یاد آ گیا، اب جو قدم اٹھتا ہے تو واللہ گفتوں کے نشان سے حساب لگا لیجئے کہ خاں صاحب درت کے میں گئے ہیں یا مدھ میں" ہم نشین سے "کیوں قبلہ حکیم صاحب آپ نے بھی تو اس کوچے کی خوب خاک چھانی ہے؟ خلاف تو نہیں اس میں"

حکیم صاحب، میر فدا حسین عرف فدن صاحب، طب سے آشنا فارسی داں، عربی خواں، "لے معاذ اللہ، مومن پہ بدگمانی مرزا صاحب کسی کافر زندیق کا کام ہوگا، آخر تو زائر کربلا، حاجی حرمین ہے، آپ کے قول راسخ پہ کیوں کر تعریض کر سکتا ہے"

چھجو خاں "جد امجد کے بعد لمن اور مکھو نے بھی کیا معنی کہ کچھ کم نام نہیں کمایا، وہ بجایا، وہ بجایا کہ ہاروت ماروت کی آبرو پانی ہو گئی، کنویں جھانکنے لگے، جی اور کیا پیر و مرشد"

استاد۔ "اس میں کیا شک ہے، قربان جاؤں، پرانا ہے کہ بولتی استاد مکھو کے ہات میں بجلیاں تڑپتی تھیں، پر لمن کے مقابلے میں سے کار زری گھٹ کے تھے، آدھا پاؤ ماترا کبھی کبھی چبا جاتے تھے"

جانی مرزا "فدن صاحب، وہ شہزادہ فغفور مرزا کے ہاں کے جمگھٹ بھی یاد ہیں؟ مسند پہ متمکن ہیں، لب معشوق سے شغل ہے، سامنے بی شمو

گنگوتری اور کیا نام کہ سنگلہ والی رادھا بارہ ابرن سولہہ سنگار کئے بیٹھی بلبل کی طرح چہک رہی ہیں، طنبورے ایک تو ہیں بندھے ہوئے بیٹھی بیٹھی آنس دے رہے ہیں، ادھر میاں روشن علی خاں بین کا رڑے ہوئے ہیں، جھپکی چل رہی ہے، نتھنے جیسے ہیں، آنکھوں سے شہاب ہے کہ ٹپکا پڑتا ہے، پہلو میں بین کیا دھری ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاف کی نیلم پری ہے ہائے واللہ کیا جھمگڑے تھے کیا جھمگڑے تھے !! "

فدن صاحب۔ ٹھنڈی سانس لے کر" جانی مرزا صاحب! سب کچھ یاد ہے، اور ایسا یاد ہے کہ آج بھی خیال آتا ہے تو قسم ہے حضرت حسین کی کلیجے پہ سانپ لوٹ جاتا ہے " آہستہ سے "شمو سے تو آخیر میں اس کمبخت سے واسطہ ہو گیا تھا نا ؟ "

جانی مرزا۔ مسکرا کے " جیسے میں نہیں جانتا ، لے ڈوبے تو شہزادہ صاحب کی محفلوں ہی سے پڑ گئے تھے، معلوم نہیں جیتی بھی ہیں یا گزر گئیں "

استاد۔ بات کاٹ کے " گزر گئیں ! خداوندا یا آج پٹنہ عظیم آباد میں بی نسیم آرا کے نام کی دوہائی پٹ رہی ہے۔ اچھے اچھے پونڈ دل کے تماشبین رئیسوں کو کنگال کر کے نگوڑی کو محتاج کر دیا "

فدن صاحب، باچھیں کھل گئیں " کیوں نہ ہوتی ہی وہ ایسی ناظورہ ملا فریب، غارتگر صبر و شکیب، کہ اس کی ایک گردش چشم کے لئے اگر زاہد صد سالہ اپنی متاع ایمان وقف نہ کر دے تو واللہ ہے کہ مجھے اس کی بخشائش میں شک ہے "

جانی مرزا " میاں روشن علی کو تو کیا سنا ہوگا تم نے ؟ شانوں سے سر جھٹکتے

تھے ان کے، واللہ شا نوں سے، دلی والے میر ناصر علی ناٹک کے نام لیواؤں میں تھے "

استاد :" قربان جاؤں سنا ہوگا کیا معنی، غلام کو اس در سے فیض پہنچا ہے، جگ جگ رہے نام ان کا، یہ جو غلام کچھ ٹوں ٹاں کر لیتا ہے انہی کی جوتیوں کا تصدق ہے! کسی دن حکم ہو بین پر دو گتیں عرض کروں اور ٹھنڈ ناٹ میں وہ ہنر دکھاؤں کہ معلوم ہو کوئی بھر دنگے ہینگ دے رہا ہے، میاں کی ملہار، اور کا تھرا اس لطف سے گاؤں کوئی محمد شاہ پیا کی سواری چلی آ رہی ہے، قربان جاؤں استاد کے جوڑے کی تیاری اس بلا کی ہے کہ بجا نے بجاتے ہات سیدھا کندو تو معلوم ہو پھر کی گھوم رہی ہے، وہ مزا ملے کہ نیند آنے لگے جیسے کان میں کوئی بھر کر رہا ہے "

جانی مرزا :- " ضرور ضرور، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، جس دن مزاج چاہے گھر تمہارا ہے، مگر یہ کرنا کہ ذری پہلے سے کہلا بھیجنا، چار چھ تو لے قوام اور بنوا لیں گے، یہ نہ ہو کہ جانی مرزا کے ہاں آؤ، اور بھی پیاسی آتما سے جاؤ "

استاد کھل گئے :- " اے اللہ سلامت رکھے، دیکھا ماں چھجو خاں صاحب، کیا جوہرات سے تولنے لائق کا مجاز پایا ہے ہمارے سرکار تاڑ سمجھ گئے کہ ادھر استاد نے معتاد سے چار چھینٹے زیادہ لیئے، اور دوڑا ار کو یں کالی نائی کارنگ، اودھر نس نس سے سرسوتی جی بولنے لگیں "

چھجو خاں :- " ایسی نادرات محفل میں غریب کو نہ بھولئے گا آپ کے طفیل میں رلی تو ورلی، اچھی کے حقدار ہم بھی ہیں "

فدن صاحب :- " لے ہاں جانی مرزا صاحب، باتوں باتوں میں یہ وقت

ہو گیا، اور جاگتی جوت کے خداوند ہیں کہ ابھی تک خاموش پڑے ہیں، قبلہ اٹھئے، لمپ ومپ روشن کیجئے، اور دو چھینٹے لیجئے، یہاں جماہیوں کی ڈاک لگی ہوئی ہے، جسم کا جوڑ جوڑ کھلا جارہا ہے، لعنت ہے واللہ اس شیطان رجیم پر کہ مغربین بھی نہ ادا کرنے دی اور ڈریا کے یہاں لے آیا۔"

جانی مرزا۔" اِیں واللہ چھینٹوں میں اب کیا منت ہے، آج حکم سے پروردگار کے توام بھی وہ بنا ہے کہ باید و شاید، لبوں تک نگالی آئی نہیں کہ دھت ہوئے نہیں۔"

یہ کہہ کر جانی مرزا صاحب نے نہایت نفاست کے ساتھ چانڈو کا نقشہ جمایا، شالباف کے غلاف سے نگالی نکالی، گرمٹ کے سوراخ میں سلائی پھرا کے اچھی کاروا جھٹکا، اور نگالی میں جوڑ کے لمپ روشن کیا۔

فدن صاحب۔ نگالی کو الٹ پلٹ کر" کتنی سبک ہے واللہ، اور گرمٹ کا تناسب! اے سبحان اللہ شاخ گل پہ گویا بلبل کو بٹھایا ہے، حق تو یہ ہے کہ جانی مرزا صاحب جب نکالی آپ نے عجوبہ سنتے ہی نکالی"

جانی مرزا" یہ جوہر شناسی ہے آپ کی واللہ، ورنہ یہ گدا ایسے جینوا کس قابل ہے، قبلہ یہ وہی رانا در بجے سنگھ کی مشہور" ناگن" ہے جس کے پیچھے جے پروالے سے تابہ لندھن مقدمہ لڑا تھا اور آخر میں لیلام پہ چڑھ کے شہزادہ بیدار بخت بہادر کے نام سترہ سے میں چھوٹی تھی۔ صاحب عالم رانگشت شہادت اور بیچ کی انگلی پہ انگوٹھا رگڑ کے، اس چٹکی کی چسکی پہ آپ جانتے ہیں ہزار جان سے فدا تھے، ایک روز گھول کر جو ہیش کرتا ہوں تو اتنی پتہ تاثیر کہ ٹینوے سے بہ قدر اتنک ملبل ہی اتری ہوگی جو کیف میں آگئے اور

ترنگ میں ٹکالی خادم کو بخش دی، میں نے ڈرتے ڈرتے عرض بھی کیا کہ صاحب عالم مزاج شاہی کسی دن چانڈو کی طرف مائل ہوا تو؟ فرمایا "بھئی جانی مرزا بڑے نادان ہو، اماں رزاق عالم کے خزانے میں ایک ہی ٹکالی تھی؟ نیت بخیر چاہیے، ایک دو ٹکا غیب سے دیکھنا ستر ملیں گی"۔ قائل ہو گیا فدن صاحب اور مجرا عرض کر کے نذر دکھائی، ایک معمولی سی کرامات عرض کرتا ہوں اس کی، خالی دو دم کھینچیے پورا عمل کیجیے"

اس گفتگو کے بعد چاروں شوقینوں نے گل نکے سنبھالے اور فرش پرداز ہو، باری باری سے چانڈو نوش کیا، دو دو چمچے بالائی اور ورق چڑھی ربڑی کی ایک ایک ڈلی گزک کھا کے دس بجتے بجتے عمل میں شرابور ہو گئے۔

استاد۔ جو غبی ہو چلے تھے "قربان جاؤں خداوند، یوں تو چانڈو اکثر غلام کو میراث میں ملے ہیں، پر قسم لے لیجیے جو آج تک غلام پر یہ طلسم کھلا ہو کہ آخر کے تئیں اس کا اور چھور کیا ہے، اس کی پہل کس بندۂ خدا نے کی"۔

جانی مرزا: "بھئی اس گھر میں ہم بند ہیں، یہ حصہ حکیم فدن صاحب کا ہے"۔

فدن صاحب۔ سنجیدہ تیوروں سے لیاقت بگھار کے "جانی مرزا صاحب، عوام پر رموزِ طبیہ کا انکشاف اگرچہ سلف کے نزدیک ممنوع قرار دیا گیا ہے، مگر بہ مصداق الامر فوق الادب، اس ہیچمیز، بے بضاعت کم سواد کو علوم صدر سے جو حصہ بقدر جثہ عطا ہوا ہے اس میں سے مشتے نمونہ از خروارے معرض بیان میں لایا جاتا ہے، سنیے دروغ برگردن

ہماری کتب قدیمہ میں ثقات سے مروی ہے کہ جب سہراب پہلوان نوجوان رستم داستان کے گرز گاؤ سر کی ضربت کھا کر میدان نبرد میں گر کر بے دم ہوا اور باپ نے بیٹے کو پہچانا، اس وقت رستم نے کیکاؤس سے جو تریاک مانگا یہی افیون، ابن الخشخاش، یا بہ زبانِ سریانی و یلیامی نون تھا، نتیجہ بدیہی کہ کیکاؤس افیمی اور خود رستم سیستانی تریاقِ اسود کے افعال و خواص سے واقف۔

جمہور یونانیان اس کو بارد یابس بدرجہ رابع مانتے ہیں، اور متاخرین اطبائے ہند حار یابس، اور یہ خاکسار حکیم مرکب القویٰ کہتا ہے، یعنی اس کا ایک جز حار لطیف ہوائی، دوسرا بارد کثیف ارضی۔"

جانی مرزا۔ "سبحان اللہ، فدن صاحب کیا وضاحت فرمائی ہے، سماں بندھ گیا۔"

استاد۔ "قربان جاؤں اتنا اور معلوم ہو جاتا کہ کیکاؤس نے رستم کو افیم دی کہ نہیں۔"

فدن صاحب۔ "تاریخ اس باب میں ساکت ہے، مگر قرائن سے شہادت ملتی ہے کہ نہیں دی، یا دی بھی تو اتنی دیر سے کہ سہراب کا واقعہ ہو چکا تھا۔"

استاد۔ آنکھیں پھاڑ کے "یعنی سہراب کے دشمنوں کا انتقال ہو گیا ہائے واللہ کیا کڑیل ریختہ جوان تھا" ستار پہ ہاتھ رکھ کے "ساز کی قسم خداوند، رستم کی جگہ غلام ہوتا تو پکڑ کے ڈانڈوہ تان کے کدو سر پر دیتا کہ میاں کیکاؤس کی آنکھوں تلے تارے چھٹک جاتے، غضب خدا کا برادری کا بچہ دم توڑے، اور یہ جینی برابر افیم سے دریغ کرے، آدمی تھا کہ جنور؟"

چھجو خاں۔ "لیجئے حکیم صاحب کی بدولت آج معلوم ہوا کہ افیم جانڈمہ

صدیوں پہلے ایجاد ہو چکے تھے، کیا معنی کہ اگلے رئیس نواب بھی ان کے قدردان تھے، اور استاد یہ کیا کہا آپ نے، ایک سے ایک کٹر پڑا ہوا ہے دنیا میں کسی قسائی وسائی کا لونڈا ہوگا یہ کیسا وس"

جانی مرزا۔" اب طبیعتیں کڑوی کرنے سے فائدہ؟ جی قبلہ، آگے چلئے"

فدن صاحب" ہاں تو میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ اس کے افعال وخواص پر بھی دو لفظیں سن لیجئے، جہلا کا خیال ہے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ افیوں نشہ کرتی ہے، یہ غلط العام کی ایک روشن مثال ہے، اصلاً اس کا فعل خدر یعنی سن کرنا ہے، اور کچھ نہیں، قابض ہے، اور سدے پیدا کرتی ہے"

چھجو خاں۔" کیا خدا لگتی بات کہی ہے حضور نے، جب ہی تو فدوی کیا معنی کہ گھنٹوں جوجھنا ہے تب کہیں فراغت ہوتی ہے، ایک دفعے مجرا بجانے رات کی گاڑی سے کان پر چلا، ریل حاجت معلوم ہوئی، گیا اور طہارت کر کے جو نکلتا ہوں تو آئیں! تڑکا ہوگیا، الہ آباد کا اسٹیشن ہے اور گاڑی کھڑی ہے! کیا معنی کہ سدوں ہی سدوں میں دو اڑھائی سے کوس سرک گئے"

فدن صاحب" اور یہ اور مرکبات ہیں اگر قدرے افیوں شریک کردی جائے تو ان کو سڑنے گلنے سے باز رکھتی ہے"

استاد۔" یہ ترکیب اچھی بات آئی۔ غلام بچپن سے شیر برنج کا عادی ہے، گرمیوں میں خداوندا دھر قلفی جمائی ادھر بلبلے اٹھے، ٹھہرتی ہی نہیں ظالم، اب کیا ہے ادھر ہانڈی اتری اور چسکی سے بچا کر، نہیں تو ذری سال مل کے ڈال دیں چند بوندیں، اور مزے سے ہفتوں کو فرصت"

فدن صاحب ۔" گولی کھایئے، چسکی پیجیے، چانڈو اڑایئے، بہر حال غصہ فرو ہو۔ طبیعت میں انکسار آ سئے، اخلاق وسیع ہوں ......"

حکمت آب کا لمڈورا چھینٹوں کے زور پہ خدا جانے کہاں تک بڑھتا جو کسی کی آہٹ نے چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا دیا،

آواز ۔" لوگو ہم بھی آ سکتے ۔ زمانہ وانہ تو نہیں نا ؟

جانی مرزا ۔ آواز پہچان کر ۔" کون مرزا صاحب ؟ آئے آ جیئے نا آپ سے کس کا پردہ "

آنے والے نے پردہ ہٹایا، اب جو دیکھتے ہیں تو ہمارے داستان کے مرد میداں پادرش بخیر مرزا الٰہی خیر اگر ربیں اٹے ہوئے، منہ پہ ہوائیاں کمزور آواز سے " تسلیمات عرض ہے کون فدن صاحب ؟ مجرا قبول ہو اُف اُف !! "

جانی مرزا ۔ کیوں خیر تو ہے مرزا ۔ یہ سر سے پا تک ہولنق کیوں بنے ہوئے ہو " ؟

فدن صاحب ۔" ذری نبض تو دیکھئے گا، چہرہ مبارک سے زبولِ قلب کی علامت ہویدا ہیں، دوا را لمسک بار دجّویز کردوں گا "

استاد ۔" سلامتی سے پیشانی پر پسینہ کی بوندیں قربان جاؤں جیسے موتی جڑے ہیں "

مرزا ۔ طیش کے عالم میں ۔" لعنت ہے اس میونسپلٹی کی ہفتاد پشت پہ واللہ ہزار بار لعنت ہے، بجھی ہوئی اندھی اندھی لالٹینیں، سڑکوں پہ کمر کمر دلدل، قدم قدم پہ ملاعون لنیڈی بچوں کی عف عف، ایسے میں کہیئے کوئی بھلا مانس چل پھر سکتا ہے ؟ معاذ اللہ، بس نہیں چلتا ورنہ چن چن کے ان

رعیت کے مجمع میں بہن کی گالی دے کر، کو توپ دم کرا دیتا قسم قرآن کی"

جانی مرزا:۔ "کچھ کہئے گا بھی یا ہنکارتے ہی رہئے گا، چھکے ہوئے آئے ہو یا دوں اک دو چھینٹے، اب لے مدے ہو رہے ہو، بنگالی بھی پکوڑ دیا کر"

مرزا:۔ "چھکے ہوئے کی بھی ایک کہی واللہ، آج مجھ سے یہ وقت ہونے آیا، عمل کیا ہو تو اولاد شمر سے ہو، چراغ جلے پائے نالہ پہ اعز صاحب کے ہاں ذری سے ذری ٹکا تھا، قسمیں دے کے کہنے لگے، بانکے جسکی پئے جاؤ، تیار ہے، سو سر حرام کے برابر جو ایک قطرے سے بھی حلق بھگو یا ہو"

یہ کہ مرزا صاحب نے بات پاؤں کی گرہ دھکی، اور جانی مرزا کی فرد اور کہہ ذری گرما رہے تھے کہ بنگالی گردش میں آ گئی، تولہ بھر قوام کے ہو میں بھیر کے لب سوز کشمیری چائے کی پیالی چڑھائی، ٹکڑا باقرخانی کا کھایا، تب جا کے دم میں دم آیا، استاد اور جھجو خاں بھی خوب رچ کے رخصت ہوئے اور ڈیوڑھی معمور ہو گئی ؛

رات بھیگ چلی ہے، جانی مرزا، فدن صاحب اور ہمارے مرزا الٰہی خیر دور سے خمیرے کے دھواں دھار کش، بسے ہوئے حقہ کی میٹھی میٹھی گڑگڑ اور بی چنیا بیگم کے مسلسل ٹھونگوں کے مزے لیتے ہوئے آج کی افتاد اور کل کے مقدمہ پہ گفتگو کر رہے ہیں؛

جانی مرزا:۔ "ہم بتائیں فدن صاحب یوں کیجئے، ان کو تو رہنے دیجئے یہیں، اور نیت شب بخیر صبح گجردم عمل سے فراغت کر کے، چائے وائے پی کے چلے چلئے اور لیکن صاحب بالسٹر کو چکا لیجئے اور پان سات بیعانہ دے کے پلٹئے تو کچہری، آج شہر میں دوسرا ڈبلو انکے جوڑ کا نہیں ہے، بڑے

بڑے حاکم اور افسر لوگ بڈھے سے پچکتے ہیں"

فدن صاحب ۔" آپ کو واللہ، مسٹر نیکین صاحب پان سات روپے میں ایسا سنگین مقدمہ لڑیں گے"!

جانی مرزا ۔" نہ سہی پان سات، دس بارہ سہی، مقدمہ کی سنگینیت کو دیکھیے یا اپنے حبیب کے ہلکے پن کو"

فدن صاحب ۔" حبیب ہلکی ہے تو قبلہ سزا بھاری سمجھئے، غضب خدا سرقہ ایک، دغا دو، خیانت مجرمانہ تین، تلبیس شخصی چار، جس لے جا پانچ تحویل جائز سے لے بھاگنا چھ، اور کہیں گدھا نابالغ قرار پایا تو سات، داد رسی میں جو نکلیں وہ نفع میں، فی جرم سال سال بھر کے حساب سے بھی ٹھوکی تو ان بچارے کی ہڈیاں فاتحہ درود کو نہ ملیں گی"!

جانی مرزا ۔" یہ سمجھے تو واللہ کچھ نہ سمجھے، اماں کوئی تو نکتہ رکھ کے ہم نے یہ بات کہی ہوگی" اماں ڈبلو تو محض کے لیے ہے ورنہ مقدمہ کی ساری بحث تو بندۂ پروردگار کے ناخن میں ہے قبلہ، جی اور کیا، بڑے صاحب کے دادا جان نہ بھنا جائیں تو جانی مرزا کو چنگیز خاں کا پوتا نہ کہیے گا کسی الفتے کا جایا کہیے گا، عمر بھر کچہری دربار کا گزرے گزری ہے، فوجداری کیا، دیوانی کیا ابتدائی سے لے کر سشن تک ساری عدالتیں روندی پڑی ہیں، اس مقدمہ میں دھرا ہی کیا ہے، تل کی اوٹ پہاڑ اک ذری سی باریکی ہے آپ سے کیا راز (آہستہ سے) ثابت یہ کرنا ہے کہ جرم کیا اور ڈنکے کی چوٹ کیا مگر واللہ کہ نیت بخیر رکھ کے کیا، اب فرمایئے مقدمہ چت کہ پٹ" ؟

فدن صاحب ۔ (اچھل کر) ۔" چت اور ہزار میں چت لاکھ میں چت قبلہ، پایاں قدم لے آپ کا، یہ تو افلاطون اور بقراط کو بھی نہ سوجھی ہوگی"! مرزا

الٰہی خیر ہے۔" اماں اونگھ گئے مرزا صاحب، لے حضت مٹھائی کھلوائیے اب تو یہ دکھائی دیتا ہے کہ الٹا ہرجانہ لیں گے اس تسّی مٹھوا سے، سچ ہے الاعمال بالنیات، جانی صاحب اب یہ کیجیے کہ لیکن صاحب ذنکین صاحب کو مائیے گولی اور روپے، بارہ آنے میں کسی ٹٹ پنجیے، وکیل کو ٹھہرا کے اصل مقدمہ لڑ ائیے آپ، کیوں مرزا صاحب"؟

مرزا:۔" وہی تو میں بھی کہتا ہوں، اِن کے تعلقے کے آگے وہ بھڑوا نکین کیا کرے گا قسم قرآن کی"۔

اس گتھی کو سلجھا کے تینوں حضرات اوڑھ لپیٹ کے لیٹے اور چشم زدن میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔

دن ہے، اور جاڑوں کا ٹھنڈا سورج کہر کی ملگجی سفید چادر میں لپٹا ہوا خاصا بلند ہو چکا ہے، رات بھر کے ٹھٹھرے ہوئے ہو شہر کے ہات پاؤں کھل چلے ہیں، اور کاروبار جو دن چڑھے تک رزائی، لحاف، دگلے اور فرغلوں میں دبکا دبکا یا پڑا رہا تھا، ناک اور منہ سے گرم گرم بھاپیں چھوڑتا ہوا ہر گلی کوچے میں سوں سوں کرتا پھرتا ہے،

دس بجنے کو ہیں، بڑے صاحب کی کچہری میں آج روز سے زیادہ گھما گھمی ہے، صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر مسٹر مکر چین کے اجلاس پر "گدھے کی چوری" کا وہ مقدمہ پیش ہونے والا ہے جس کی خبر کل ہی بجلی کی طرح چانڈو خانے دوڑ چکی ہے، اور اس وقت سے اب تک بی چینیا بیگم کے نام لیواؤں میں موضوع فکر بنی ہوئی ہے،

کچہری کے سامنے والے میدان میں، ایک حشر برپا ہے،
چلتے پھرتے کھڑے بیٹھے جدھر دیکھیے، بھانت بھانت کے آدمی دکھائی دیتے ہیں، پیپل، برگد، آم کے چھتنار رے درختوں کے سائے میں ٹاٹ کے فرش پر عرائض نویس صاحب کان پر قلم رکھے عرضی سوال لکھانے والوں کے انتظار میں جمائیاں لیتے، انگلیاں چٹخاتے بھوکے گدھ کی طرح مردار کے فراق میں، اللہ بھیج اللہ بھیج کرتے بیٹھے ہیں، زمینداروں کے مختار، پیروکار سر پہ گول پگڑی، بغل میں بستہ، انگرکھے پیجامہ سے لیس ادھر ادھر گھوم رہے ہیں، اِکے، ٹٹوؤں کا تانتا بندھا ہوا ہے، دیہات سے ٹھاکر صاحب رتھ میں آئے ہیں، ناگوری بیلوں کی جوڑی بھوسا کھا رہی ہے، ٹھاکر صاحب چھینٹ کی روئی دار مرزئی پہنے، میلی دھوتی باندھے کمبل پہ بیٹھے گلی پی رہے ہیں، وکالت خانہ میں تخت پڑے ہیں، دری قالین پر محرر صاحب قلمدان کھولے، تعزیرات ضابطہ فوجداری کی ورق گردانی کر رہے ہیں، یا موکلوں سے محنتانہ طلبانہ کا حساب کتاب کر رہے ہیں، خود وکیل صاحب کالی جھول اوڑھے، بینی کی نوک پر عینک رکھے، اپنی جرح اور بحث کا سکہ جما رہے ہیں" ان کے نام کا وکالت نامہ دیکھتے ہی بڑے صاحب فریق مخالف کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں، دیہی پاسی پھانسی پہ لٹک چکا تھا، وکیل صاحب تار پہ اپیل لڑائے، تختے پر سے اتروا لیا، مولا بھانڈ نے جورو کی ناک صاف کر دی تھی، رویت کی شہادت، ملزم کا قلم نہ اٹھ سکا بری کرتے ہی بنی"
مجمع سے ہٹ کر، مین کے سائبان میں حلوائی کی دوکان ہے، کڑھا چڑھا ہوا ہے، پکوان ہو رہا ہے، موٹا حلوائی لنگوٹی دھوتی باندھے، ننگی

بدن، جنیو ڈالے سودا دینے پر تلا ہوا ہے، گرم گرم پوری کچوری، آلو کی ترکاری، کدو کی بھجیا، چٹنی اچار، لڈو پیڑے، برفی جلیبی کے دونے پہ دونے چل رہے ہیں، برہمن دیوتا دھلے منجے لوہے کے ڈول سے گڑا بجاتے ہوئے "جل پلائے" رہے ہیں، وہ سامنے چھپر تلے نانبائی کی دکان ہے، گاہکوں سے زیادہ مکھیاں بھن بھنا رہی ہیں، بد قلعی دیگچے میں پتلا شوروا، ڈھب ڈھب قلیہ، باسی کباب، بسی ہوئی خمیریاں دو آنہ کی خوراک ہیں۔

ایک جگہ زمین پہ چادر بچھی ہے، اس پہ طرح طرح کی رنگ برنگی سفوف کی پڑیاں، ٹیلی کی کھوپڑی، سیہی کے کانٹے، کمر لوٹے سانڈے، سوکھے ہوئے کیچوے، بیر بہوٹیاں، شیر کی چربی، اصل کا تیل، سرمہ دافع بصارت، دنداں شکن منجن کی پنج میل دوکان پھیلی ہے، کالی کفنی پہنے، گلے میں موٹے موٹے منکوں کی تسبیحیں ڈالے، عینک، سرمے سے درست، ایک سبلے تڑنگے پورے دور کا بے شاہ جی آنکھیں چمکاتے، کاکلیں لہراتے موت کا تریاق، جادو کا زور، کرامات کا شور، فقیر کے چٹکلے، مرشد کے عطیے صرف آدھ آنہ میں لٹا بیچ دے رہے ہیں،

اسی ہر بونگ میں سب سے الگ تھلگ ایک چرڑیا ڈولی بھی نظر آتی ہے، شالباف کا لال پردہ پڑا ہے، ایک کہار پاس بیٹھا جال بن رہا ہے، دوسرا ہات کی گھونگھی بنائے اس میں چلم دبائے سلفے کے دم لگا رہا ہے، یاران طریقت کی نگاہیں، بار بار ڈولی پر پڑ رہی ہیں، اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں، کسی نے کہا "ظہور گڑھ والے کی عورت ہے، ایک لکا تہ ازمانہ بھر کی تفتل! مرد کے مرتے ہی ہات پاؤں نکالے، گھر میں پھر جمتا تھا، نعل لیتی تھی، محلہ بھر کھو کھلا کر دیا، آخر کے تئیں مخبری ہوگئی، دھری گئیں، آج پیشی ہے"

دوسرے نے کہا " اماں نہیں نہیں ہم جانتے ہیں' وہ نہیں بلکن نواب گھسیٹا کی بہو ہیں' مہاجن نے بیچاری کے وثیقہ کا تا لیقہ کر ایسا ہے' بڑے صاحب کے پاس داد فریاد کے لیے آئی ہیں"

تیسرا بولا " آپ بھی کمال کرتے ہیں' واللہ میں کہاروں پہچانتا ہوں' مچھلی والی بارہ دری کے پیچھے جو تو ڈ اے' جو نہ ہو مشہور آگرہ والی بیڑن ہو جو پچھلی برسات میں آکر بسی تھی' کیا تیکھا معشوق ہے' ڈھنگ اچھے نہ تھے' ذری کمین پرست تھی' رات سنا کسی دل جلے نے چھاتی پہ چڑھ کے چوٹی کاٹ لی' ناک پوچھنے والا تھا جو شور وغل سے محلے میں جاگ ہوگئی اور کرنے والا ادھورا کام چھوڑ کے فرار ہوگیا"

یہ ہو ہی رہا تھا جو بڑے صاحب کے اجلاس کے چپراسی کی گرجتی ہوئی آواز نے مجمع میں ہلچل ڈال دی'

" مٹھو دھوبی' مرزا الہٰی خیر مرزا کوئی حاضر ہے ؟" لمحہ بھر بعد " مٹھو مدعی' الہٰی خیر مدعا علیہ ——— کوئی حاضر ہے" ؟

تیسری پکار پر سب نے دیکھا کہ دو بزرگوار مجمع سے چھنٹ کر ڈلی کی طرف لپکے' پردہ ہٹا' اندر سے گکڑ والے کی عورت' نواب گھسیٹا کی بہو یا آگرہ کی بیڑن کے بجائے مرزا الہٰی خیر صاحب ہانپتے کانپتے' بر آمد اور ناد علی پڑھتے ہوئے جانی مرزا اور حکیم فدن صاحب کی معیت میں بڑے صاحب کے اجلاس پر پہنچ کر ملزم کے کٹھرے میں کھڑے ہو گئے'

نکرچین صاحب ڈپٹی کمشنر' پرانی چال کے سیدھے سپاٹ ولایتی' قانونی واقفیت واجبی واجبی' گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ قسم کے حاکم ہیں' سرکار

کا اقبال اور منشی جال با پرشاد کا سینہ سکینہ کی سررشتہ داری شامل حال ہے کہ ضلع کی سب سے اونچی کرسی پر مزے سے دندنا رہے ہیں!

لکھتے لکھتے صاحب نے دفعتاً سر اٹھایا، نیلی نظروں سے اجلاس کا جائزہ لیا، اور پھر کے قلم سے سررشتہ دار صاحب کی طرف اشارہ کرتے حکم دیا کہ مقدمہ پیش کیا جائے۔

صاحب: "ول منشی، مڈّی، مڈالیہ کا کیس لوگ حاضر ہے؟"

سررشتہ دار۔ فریقین کے کٹھروں کی طرف دیکھ کے "حضور مدعی مسمی مٹھو لگا ذر مظہر ہے کہ دعوی بہ سبیلِ استعجال داخل ہوا، وکیل ہمدست نہ ہو سکا، اب سرکار ہی مادر پدر ہیں، مدعا علیہ مرزا الٰہی خیر مقادم مغل کی جانب سے بابو کریم بخش وکیل درجہ سوم عدالت ہائے دیوانی و فوجداری بمشورہ پیر وکاران مدعا علیہ مسمیان جانی مرزا قوم ترکمان و میر فدا حسین عرف فدن صاحب پیشہ حکیمائیت حاضر عدالت ہیں۔"

صاحب۔ "ٹیک ہے جانے ڈیو"

سررشتہ دار صاحب نے مٹھو کی درخواست سنانا شروع کی:۔

"بہ اجلاس حضور پرنور فیض گنجور عالی جناب فیض مآب مسٹر مکرجین صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر دام اقبالہ"

مسمی مٹھو ولد سکٹو قوم لگا ذر ساکن محلہ تالاب بخشی رنگیت رائے پیشہ کپڑے دھونا ——— مدعی مستغیث، بنام مسمی الٰہی خیر ولد نا معلوم قوم مرزا ساکن محلہ جھنڈے تلے، پیشہ حال جنڈو بازی و افیم نوشی سابق کمیدار سلداری دگلے والی پلٹن ——— مدعا علیہ ملزم،

دعویٰ واسطے دلا پانے یک زنجیر خرِ نر عمر دو سال قیمت

صاحب۔ دخل دے کر ۔ "ول یک زن والا بات کھیا ہے ؟"

سررشتہ دار ۔ "حضور "یک زنجیر" فارسی کا محاورہ ہے، جیسے مبلغ ایک روپیہ، اور خرِ نر "سے مراد ہے" مرد گدھا"

حضور" اس کا اورٹ لوگ کھون ہے" ؟

سررشتہ دار ۔ "حضور" گدھنی" یہ قاعدہ ہے کہ مرد کے آگے چھوٹی "ی" جوڑ دیں تو عورت بن جاتا ہے جیسے حضور، بھٹیارہ سے بھٹیاری، مرغا سے مرغی"

صاحب ۔ مطمئن ہو کر ۔ "ٹیک ہے جانے ڈیو"

سررشتہ دار ۔ "عمر دو دانت، سبزہ رنگ، آہو چشم، کبک رفتار، شیریں گفتار ۔۔ یہ حضور گدھے کا حلیہ ہے"

صاحب ۔ "مالم ہے، جانے ڈیو"

سررشتہ دار ۔ "قیمتی مبلغ بست روپیہ کہ نصفش دہ روپیہ می باشد سکہ سرکار کمپنی بہادر"

غریب پرور سلامت، فدوی مدعی مستغیث عرض پرداز ہے کہ (۱) بتاریخ دیروزہ مدعا علیہ ملزم نے بوقت نواخت چھ بجے منہ اندھیرے اپنے خدمت گار مسمی عبدالغفور خاں صاحب کے ہات فدوی کا نشگن بچارنے کے لیے طلب کیا۔ ہر چند کہ فدوی مدعی کی بائیں آنکھ پھڑکی اور چھینک بھی پڑی، مگر بہ لحاظ پڑوس بطور دستگرداں دے دیا۔

(۲) بعد گزرنے دو گھنٹے کے فدوی مدعی کو معتبر ذریعہ یعنی بی گھسیٹن بھٹیاری ساکن چاول والی گلی ......"

صاحب ۔ "ول منشی، ٹبیاری اور گدڑے کا اورٹ لوگ بالکل ایک ماپک ہے؟"

سررشتہ دار ۔ "جی حضور بالکل ایک، اصلاً فرق نہیں بجز اس کے

کہ بھٹیاری آدمی ہوتی ہے اور گدھی جانور"

صاحب "اوٹھیک ہے، ٹھیک ہے، جانے ڈبو"

سررشتہ دار۔" ساکن چاول والی گلی کے منہ سنا گیا کہ مدعا علیہ ملزم سے جھوٹ باور کرا کے گدھا حاصل کیا، اور بہ نیت دغا و ضرر پہنچانے اس مدعی مستغیث کے داخل کانجی ہوز وحبس بے جا کرا دیا، اور خود بہ ارادۂ روپوشی گھڑ موہنوں سے لڑنے لام پہ بھاگنے کو تھا کہ بہ قضائے الٰہی چوک میں پکڑا گیا ...."

صاحب۔ لال پیلے ہوکر۔" وِل لڑائی ہوا، پوس نے چالان نہیں کیا سوتا تھا، ایک ڈم بے کانون ہے، ہم سب کو جہنم بھیجیں گا"

سررشتہ دار۔" حکم ہو تو فدوی آگے چلے" (صاحب کے اشارے)

"(۳) فدوی مدعی مستغیث شہادت پیش کرے گا۔ لہٰذا استدعا ہے کہ فدوی کا گدھا دلوایا جائے، مدعا علیہ ملزم کو جرائم کی پاداش میں قید با مشقت صادر ہو، اور کوئی دادرسی جو مدعی مستغیث کے حق میں مفید ہو فرمائی جائے، زیادہ حد ادب فقط مکرر آنکہ الٰہی آفتاب عمر و دولت و اقبال دائماں درخشاں ہو جیو فقط عرضی فدوی مٹھو گاذر ساکن محلہ تالاب بخشی رنگیت رائے، مورخہ ۱۲ ماہ جون ۱۸۶۵ء بقلم منشی ڈال چند عرائض نویس تحریر یافت، نافع باد برب العباد"

صاحب۔ درخواست سن کر مدعا علیہ کے وکیل سے" وِل بابو کریم بخش آپ کچھ کہنے سکتا ہے"؟

بابو کریم بخش۔" غریب پرور پہلے میرے موکل کا بیان قلم بند فرمالیں کم ترین کی جرح اور بحث محفوظ ہے"

صاحب۔ سررشتہ دار سے۔" ڈیکھو منشی ہم مدعا علیہ کا بیان لینگا تم لکھتا جائے"

منشی جالپا پرشاد نے کاغذ قلم سنبھالا، اور مرزا الٰہی خیر کا بیان شروع ہوگیا،
صاحب "وَل تمارا نام ؟"
مرزا۔" خداوند، مرزا الٰہی خیر"
صاحب، باپ کا نام ؟"
مرزا ۔" سنا ہے کہ والد مرحوم میرزا اُلغ بیگ بونک زئی کے نام سے مشہور تھے
صاحب ۔" تم مِٹّو کا گڈ اڈو کا ڈے کر لیا" ؟
مرزا ۔" قسم قرآن کی جو فدوی سے نے دھوکا دیا ہو، غلام تو گھڑ موہوں سے لڑنے سرحد پر جا رہا تھا، سواری کے لئے منگوایا بیشک کر کے، مگر خداوند نعمت فدوی کی نیت بخیر تھی، یعنی سوچا یہ تھا کہ رن میں کھیت رہا تو دام ورنہ گدھا صحیح سلامت واپس "
صاحب ۔" منشی وِل گَڑ موا کھَون لوگ ہے، مُدالیہ سے لڑائی کا کھیا بات ہے ؟"
سررشتہ دار ۔" حضور یہ مدعا علیہ کی برادری کے آپس کے جھگڑے ہیں، یہ مرزا قوم بڑی ادھڑ ہوتی ہے، خداوند، دیوانی، فوجداری کرتی ہی رہتی ہے، پولس کا بڑا ناک میں دم ہے ان سے"
صاحب ۔" ٹھیک ہے" مرزا سے،" جانے ڈیو"
مرزا ۔" میں تو حضور جانے ہی دیتا، اس مٹھو اسے نے لانش جڑ دی اور فدوی کو حق ناحق کچہری دربار چڑھنا پڑا "
سررشتہ دار ۔" یہ نہیں، حضور کا مطلب ہے" آگے چلو"
مرزا ۔" بس یہ ہوا حضور، کہ غلام خوگیر ڈال کے ابھی چال کی بانگی بھی نہ دیکھنے پایا تھا جو خداوند اس ملاعون کے بچے نے مجھ غریب یتیم یسیر پہ یہ ستم

کہ آنکھ جو بچی تو حضور انگنئی میں کیاری بھر پوستہ بو یا تھا' بونڈے بھی نہ چھٹے پائے تھے' پھجر پھجر کر کے جڑوں سمیت کیاری کی کیاری کھا گیا' ٹھونٹھ تاب نہ چھوڑے شتی نے قسم قرآن کی' اصل مالوے کا بیج تھا خدا وند' آگ لگ گئی تن بدن میں پھر کوئی دھنا جولاہا تو ہے' نہیں فدوی' ہفتا دپشت کا سپاہی زادہ ہے جھلکے جی میں آیا بوٹیاں بودوں کاٹ کر پاجی کی' پر ترس کھا کے رسی پکڑے چلا گیا اور کا بجی ہوز میں بھر دیا۔"

صاحب " وَل منشی یہ کاؤن کا بات ہے ؟"

سر رشتہ دار ۔" حضور۔ دفعہ پان سے بہتر ضابطہ فوجداری کے حاشیہ پر ہائیکورٹ کی نظیر بھی ہو چکی ہے۔"

صاحب ، مرزا سے ۔" ٹُم الیہ آگے مت جانے ڈیو"

فدن صاحب اور جانی مرزا کے اشارے پر مرزا الٰہی خبر نے بڑے صاحب کو جھک کے سلام کیا اور خاموش ہو گئے '

فدن صاحب ۔ آہستہ سے ۔" خالی مرزا صاحب مانتا ہوں واللہ کیا موقع سے سلام کرایا ہے فرنگی کو"

جانی مرزا ۔" تسلیم۔ یہی پھبتیاں تو ہیں مقدمہ بازی کی ۔"

صاحب ۔ مٹھو سے ۔" وَل اپنا گواہ لائے "

مٹھو۔ ہات جوڑ کے ۔" اَن داتا سب موجود ہیں' کابجی ہوج کے منسی جی سے پوچھ لیا جائے' جو کلام جھونٹ بولا ہو"

کا بجی ہوس کے منشی جی پکارے گئے ' ان بچارے نے خواب میں بھی بڑے صاحب کی صورت نہیں دیکھی تھی ' اجلاس پر آئے تو بوکھلا گئے "

چپراسی۔ عدالتی لہجے میں حلف دے کر " کہو جو کچھ کہوں گا خدا کو حاضر ناظر

جان کر کہوں گا"

منشی جی۔ اوسان جاتے رہے۔" جو کچھ ہے سو خداہے'...... حضور تابعدار کا استنجا خطا ہو جاتا ہے' ذرا ڈھیلا سکھا کے حاضر ہوتا ہے"

صاحب"۔ اوٹمارا کوچھ کھٹا نہیں ہے' سیڈا سیڈا بات بولو"

سررشتہ دار۔ ڈرتے ڈرتے۔" حضور گواہ منظر ہے کہ اس کو ضرورت کے لئے اجلاس کے باہر جانے کی اجازت دی جائے"

صاحب۔ بگڑ کے"۔ نہیں ہونے سکتا ہے' ایک ڈم بیان دینا ہوگا' سرکار سب کا جبروُرٹ کا اجازٹ نہیں ڈینے سکتی' کانون میں ہے؟"

ناچار دوبارہ حلف دیا گیا' اور اظہار شروع ہوا'

صاحب۔ وُل نام؟

منشی۔" خداوند شیخ نفاق"

صاحب۔" باپ کا نام"؟

منشی۔" شیخ خیراتی"

صاحب۔" اس مکڈمہ میں ٹم کیا جانتا ہے"؟

منشی۔" جو صاحب کا حکم ہو"

صاحب۔ سررشتہ دار سے۔" وُل منشی ہم کوئی ہکم ڈینے سکتا ہے" کانون ہے؟"

سررشتہ دار۔" حضور کی زبان قانون ہے' جو حکم ہو وہی بیان میں لکھا جائے"

صاحب" ٹیک ہے۔ جانے ڈیو" منشی سے' مڈالیہ کو ٹم جانتا ہے' وہ اجلاس پر کیوں رہے"؟

منشی۔ پریشان ہو کر" حضور یعنی ...... یہ جو ...... یہ جو اسنے

جتنے یہاں کھڑے ہیں، ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور ہوگا" (بابو کریم بخش کی طرف دیکھ کے، فدوی کے اندازے سے یہ جو کالا چغہ پہنے کھڑے ہیں یہی ہیں شائد"

صاحب مسکرائے، بابو کریم بخش وکیل درجہ سویم چپ کھڑے تھے فدن صاحب نے جانی مرزا سے کچھ کہا، جانی مرزا نے وکیل صاحب سے کچھ کہا،

وکیل۔ عدالت سے۔" عدالت ملاحظہ کرے گواہ مدعی نے مدعاعلیہ کے وکیل کو مدعا علیہ بتایا، کمترین کی جرح اور بحث محفوظ ہے"

عدالت نے لکھ لیا،

جانی مرزا۔" سبحان اللہ فدن صاحب، کیا بات سجھائی ہے وکیل صاحب کو، اسے کہتے ہیں، پیروکاری"

فدن صاحب۔" واللہ یہ آپ کے فیضان صحبت سے القا ہوا اس وقت ورنہ من آنم کہ من دانم"

صاحب۔" کانجی ہوس میں گدڑا کھون لائے؟"

منشی۔" حضور محلہ کا مہتر تھا، پھٹی رزائی اوڑھے آیا تھا"

مرزا۔ عدالت سے۔" حضور اس مردک کو روکیں، نہیں تو چھاتی پہ چڑھ کے خون پی لوں گا اس وقت، غلام کو مہتر کہتا ہے"

وکیل۔" عدالت ملاحظہ کرے، گواہ اپنے بیان میں اشتعال انگیز جملے کمترین کے موکل پہ کر رہا ہے، کمترین کی جرح اور بحث محفوظ ہے"

صاحب۔ منظور ہے۔ ڈوسرا گواہ کھون ہے؟ ہاذر کرو" بی گھسیٹن بھٹیاری لہنگا پھڑکاتی کنگھی چوٹی سرمہ مسی سے چست حاضر ہوئیں، بڑی لیاقت

سے صاحب کو جھک کے سلام کیا، چپراسی نے حلف دیا،

صاحب :- "اورٹ لوگ ہے ؟ ٹمارا نام"

گھسیٹن :- "سرکار کی سلامتی ہیں بندی کو گھسیٹن کہتے ہیں"

صاحب :- "ٹم مڈالیہ کو جانتا ہے ؟"

گھسیٹن :- "حضور کوئی آج سے، جوانی سے جانتی ہوں، ان کی اللہ رکھے میں بیگمی تھیں، اور باندی بھی (ٹھنڈی سانس لے کے) خیر آدمی کا بچہ تھا"

صاحب :- "مڈالیہ نے گڈے کا چوری کیا ؟"

گھسیٹن :- "اے نوج خدا نہ کرے حضور، ان کے دشمن چوری کریں، گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے، افیم کی جگہ افیم، چنڈو کی جگہ چنڈو، گاڑی سے لام پے جاتے جاتے ادھر کیسے پلٹ پڑے، ہولا خبطا تو ہیں ہی"

صاحب :- "اچھا ٹم جاؤ" (مٹھو سے) اور کھوں گواہ ہے ؟"

مٹھو :- "بڑی اسیٹھ ہو گئی گھسیاں، عبدالغفور کھاں اور ہیں سرکار لے جائیں،

عبدالغفور خاں عرف گپو کا نام سنتے ہی ہمارے مرزا الہٰی خیر چوکنے ہوئے، مگر کچہری کا موقع تھا، خون پی کر رہ گئے،

صاحب :- "وِل ٹم ابڈل گفور ہے ؟"

گپو :- "جی حضور اور خاں بھی"

صاحب :- "وِل ڈیکو ٹم مڈالیہ کے لئے مٹو اکا گڈا لایا ؟"

گپو :- "بیشک کرکے لایا"

صاحب :- "پھر کھیا ہوا ؟"

گپوا :- "ہوا کیا خداوند! بڑا ذلیل جنور نکلا، رنج عیب نہ تھی"

صاحب :۔ "تم مٹو کو ڈوکا ڈے کر گڈا لائے" ؟

گپو :۔ "دھوکا دے کر لایا حضور یا پیشگی کی چہرہ شاہی اٹھنی دے کر سامنے کھڑے ہیں نا' بات ہیں گنگا جلی دے کر صاحب پوچھ لیں"

سحو ۔ زیر لب ۔ "ارے رام رام جھوٹ کی بھی حد ہو گئی"

صاحب :۔ "تم مڈالیہ کا نوکری کس واسطے چھوڑا ؟"

گپو :۔ "حضور یہ بڑے جھلے لڑاکا آدمی ہیں' لام پہ لڑنے جا رہے تھے مج سے کہا' تم بھی چلو' ہم ٹھیرا حضور بال بچے دار آدمی' میں نے ٹھنڈے ٹھنڈے اپنا حساب کرا لیا۔"

صاحب :۔ "پھر گڈا کانجی ہوس کیسے گیا ؟"

گپو :۔ "وہ بڑا احرفتی ہے حضور' کہنے کو جنور ہے' پُل حضور ہم سے آپ سے زیادہ چرتر یا رہے' گھر میں گولی بارود کی بو پاتے ہی تاڑ گیا کہ لدے بیٹا لام پہ' بس حضور رسی تڑا کے جو بھاگا تو سیدھا مہتر کی جھوپڑی میں گھس گیا' مہتر کو غصہ آ گیا' ان نے اٹھا کے کانجی ہوز میں سنگوا دیا"

صاحب "اچھا ۔ تم جانے سکتا ہے" وکیل سے' وِل بابو کریم باکس اب آپ بولنے سکتا ہے"

وکیل :۔ "کمترین اب کیا عرض ہے' عدالت خود روشن ضمیر ہے' کمترین کی جرح اور بحث محفوظ ہے' یوں کہ اگر عدالت کمترین کے موکل کو جیل یا جرمانہ یا ہر دو کر دیا تو اپیل لڑے گا' آج عدالت کا وقت خراب کرنے سے فائدہ ؟ مدعی کے گواہوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ کمترین کا موکل مرد سپاہی پیشہ ہے' بد نیتی سپاہی کا دھرم نہیں ہے' مدعی نے عرضی دعوے میں کمترین کے موکل پر جو الزامات لگائے ہیں وہ اگر سچ بھی ہوں تاہم

اتنے الجھا کر کے لگائے گئے ہیں کہ عدالت کی سمجھ کر بالاتر ہیں، عدالت کی یہ کھلی تحقیر ہے اور مدعی کی بدنیتی پر دلالت کرتی ہے، پس استدعا ہے کمترین کا موکل عزت کے ساتھ بری فرمایا جائے"

یہ کہہ کر بابو کریم بخش وکیل درجہ سوئم نے پیشانی کا پسینہ پونچھا اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے،

"یہ بہت گول مال مکڈمہ ہے" مسٹر کرچین صاحب ڈپٹی کمشنر نے گدھے کی چوری کے مشہور مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے لکھا،

"اس مکڈمہ میں مٹو ڈوبی ایک فریک ہے، اور دوسرا فریک مرزا الہی کھیر ہے، مٹو ڈوبی کا اُزر ہے کے ڈاوا جلڈی میں ڈاکھل ہوا، وکیل کرنے نہیں سکا،

دوسرے فریک کا وکیل بابو کریم باکس تھرڈ کلاس وکیل ہے، دا سے ڈلا پاسے ایک مرو گڈھے کے ڈاوا ہے،

یہ ڈاوا ڈیوانی کی اڈالٹ میں ہوئے تو کانون کا بلکھل مافک ہوئے فریکین کی کھسی کا بات ہے، اس اڈالٹ میں ڈاسر کرے تو بلی کچھ پروا کا بات نہیں ہے"

مکڈمہ کھیسے چالو ہوئے، وہ اڈالٹ کے ڈیکھنے کا بات ہے، مڈالیہ سولجر لوگ کا کھانڈان ہے، ایک ڈم لڑائی کرنے منگٹا، اس کے کھانڈان میں گرموان لوگ بہت بڈمعاش اور گنڈا ہے، مڈالیہ ان سے لڑائی کرنے مانگا، اس کا کڈ مڈگار ابڈل گفور کھان مڈعی کا گدا آٹھ آنے دے کر لائے، گڈا لوگ بالکل بے وکوف کا مافک آدمی ہوتا ہے، لڑائی سے

باگتا ہے، مڈیٔ کا گڈا بی باگ گیا، اس کو مہتر لوگ پکڑ کے کانجی ہوس میں ڈالے ابی وہ اوڑ رہے،

مڈیٔ کا گواہ نمبر (۱)، کانجی ہوس کا کلارک ہے اور ایک ڈم پاگل ہے مڈالیہ کے وکیل بابو کریم باکس کو مڈالیہ بتاتا ہے، اور مڈالیہ کو مہتر بولتا ہے اس پر ۱۹۳ تا زیبرات کا مکڈمہ چلنے سکتا ہے" (؟)

کسیٹن بٹیاری اورٹ لوگ مڈئی کا گواہ نمبر (۲) ہے، یہ بہٹ سول ہے، ہم اس کو ڈیکھ کر بہٹ کھس ہوا، وہ مڈالیہ کو کھوب جانتا ہے، مڈالیہ چوری نہیں کیا بولتا ہے، یہ باٹ بالکل برابر ہے، لیڈی لوگ جوٹ نہیں بول سکتا

مڈئی کا گواہ نمبر (۳) ابڈل گفور کھان ہے، یہ مڈالیہ کا کڈ مڈگار رہے، لڑائی پر جانے نہیں منگٹا، نوکری بی کرنے نہیں منگٹا، گڈا لایا، وہ سرارٹ کیا، اور باگ گیا، مڈالیہ کیا کرنے سکتا ہے،

اتنا باٹ کے واسطے مڈئی بہٹ گول مال کیا، بس

ہکم ڈیا جاٹا ہے کہ ہٹو مڈئی کا ڈاوا ڈسمس، مڈالیہ میرزا کھیر بری کیا جائے مڈئی مکڈمہ کا کھرچا اڈا کرے، گڈے کو کانجی ہوس میں سات ڈن کا کیڈ بامسکٹ، اور ٹین ڈن کا کال کوٹھری ڈیا جائے،

ہم بابو کریم باکس تھرڈ کلاس پلیڈر سے بہت کھش ہے، اس نے اڈالٹ کا وکٹ کھراب نہیں کیا، ہسن ڈاکھل ڈفر ہو"

دستخط پی ٹی کمرچین

مارہی ڈالتا قسم قرآن کی، جو بولے سے ایک لفظ بھی خلاف میں سن پاتا، اور پیچھے کل سے جو نابکار نے مونہ کھینچی تو آج مٹھوا کی گواہی دینے

آیا تھا مردک " مرزا سے کہا '

" غلام نہ ہوتا تو گدھے کی سنگت آج کال کوٹھڑی میں لکھ، لکھ، لکھ، "

گپو بولا

" بے پر کی " اڑ گئی !!

سید وصی اشرف چشتی مالک کتب خانہ علم و ادب دہلی نے
علیمی پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا